صالحہ الطاف۔ فن اور شخصیت

(ورق ورق آنسو)

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مرتبہ: صلاح الدین نیّر

معاونین: ڈاکٹر اختر سلطانہ
ڈاکٹر صابرہ سعید

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ و سن اشاعت .... ۲۵ جنوری سنہ [illegible]ء

پہلی بار ۵۰۰

کتابت .... سید انور احمد

قیمت .... ۱۰۰ روپے

طباعت .... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

طباعت سرورق .... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

ناشر .... سید اویس سرمد

ملنے کا پتہ

- 3/8-2-15 شانتی نگر حیدرآباد ۵۰۰۰۲۸
  فون ۶۵۷۱۹۶۸
- حسامی بک ڈپو - چارکمان مچھلی کمان - حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲
- دفتر [illegible] ۸۴۲/۴-۳-۱۱ [illegible] حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱
  فون [illegible] ۲۰۰۱۵

ترتیب و تزئین

صالحہ الطاف کے مضامین

صالحہ الطاف کے افسانے

خراج عقیدت

خطوط بسلسلہ آؤ اقبال سے ملیں

دیگر تحریریں

آؤ اقبال سے ملیں (تبصرے)

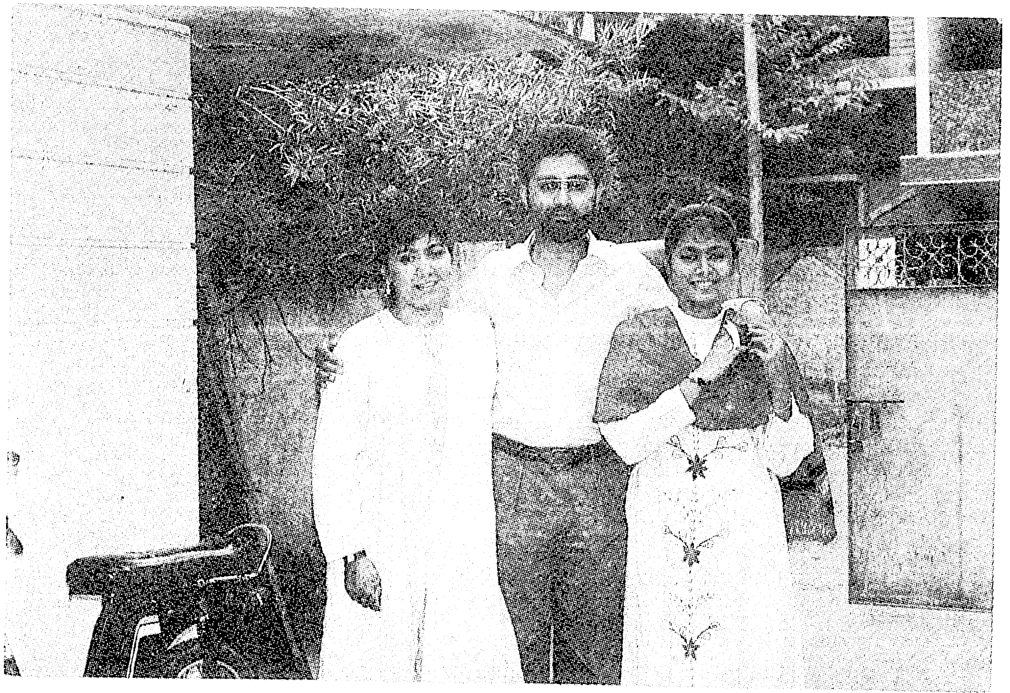
صائمہ الطاف کے انتقال کی خبریں ۔ خطوط اور نظمیں ۳۱۲



احمد سعید
(صالحہ الطاف کے والد محترم)

محبوب بیگمؑ
(صالحہ الطاف والدہ محترمہ)





دائیں سے بائیں ۔ ڈاکٹر سمیرا اسماء ۔ سید اویس سرمد ۔ ڈاکٹر نوشینہ زینب



دائیں سے بائیں ۔ صبیحہ سعید ۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ ۔ ڈاکٹر صابرہ سعید ۔ صالحہ الطاف



صمد فاروقی　　　　جبین فاروقی



دائیں سے بائیں ۔ سید الطاف حسین ۔ ڈاکٹر سمیرا اسماء ۔ صالحہ الطاف ۔ ڈاکٹر نوشینہ ارنیب

پیش لفظ

میری طرح صالحہ آپا (صالحہ الطاف) کی بھی خواہش تھی کہ اُن کے علمی ادبی و تہذیبی مضامین کتابی شکل میں شائع ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر کتاب کی صورت گری کا آغاز کر دیا تھا۔ صالحہ الطاف کو اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی اُردو شعر و ادب سے خاصی دلچسپی تھی۔ نہ صرف ادبی رسائل و اخبارات کے لئے وہ مضامین لکھے بلکہ ریڈیو اور دوردرشن کی معرفت بھی اُن کے مضامین اُردو والوں کے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتے رہے۔ بہت ہی سیدھی سادی، شگفتہ و شستہ زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتی تھیں۔ اُن کے مضامین کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی تحریروں کا ایک جملہ بھی بے آواز نہیں ہے۔ نہایت پُر اثر لب و لہجہ میں برجستگی، بے ساختگی اور آبِ رواں کی طرح اُن کا قلم چلتا رہا۔ میں نے کتاب میں شامل اپنے ایک مضمون "ماضی کا ایک ورق" میں صالحہ آپا کی شخصیت کے متعلق پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ویسے اس انتخاب میں شامل دوسرے اہلِ قلم خواتین و حضرات کے مضامین کے مطالعہ سے بھی صالحہ آپا کے ادبی شعور اور ان کے علمی و ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

جب میں نے "خوشبو کا سفر" کی اشاعت کا آغاز کیا تو صالحہ آپا سے درخواست کرتا رہا کہ رسالہ کے لئے اپنے مضامین عنایت فرمائیں۔ آپا کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ایک دن میں نے صالحہ آپا سے کہا کہ آپا اب کتاب شائع ہونی چاہیئے۔ آپ نے پر خوشی رضامندی کا اظہار کیا۔

کچھ ہی دنوں بعد کتاب شائع کرنے پر غور کیا جانے والا ہی تھا کہ آپا علیل ہو گئیں۔ اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ آپا ہم سب کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئیں۔ میرے ہاں "خوشبو کا سفر" میں اشاعت کے لئے باقی جتنے مضامین رکھے ہوئے تھے ان تمام مضامین کو میں نے اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ کتاب میں "آؤ اقبال سے ملیں" پر جناب ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی کا پیش لفظ اور صالحہ آپا کا حرف آغاز بھی شامل ہے

اس کتاب میں صالحہ آپا کے فن اور شخصیت پر لکھے گئے مضامین کے علاوہ ان کے سانحہ ارتحال پر جو مضامین اور تاثرات ہاتھ آئے انھیں شامل کر لیا گیا ہے۔ بچوں کے لئے لکھی گئی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" پر لکھے گئے تبصرے بھی شامل ہیں۔ انتقال کی خبریں۔ تعزیتی خطوط کو بھی کتاب میں جگہ دی گئی ہے۔ صالحہ آپا اور ان سے متعلق خطوط بھی شریک کئے گئے ہیں

صالحہ آپا کے انتقال کے ۲۰ دن بعد میں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں الطاف بھائی (سید الطاف حسین) سے گفتگو کی تھی اور اسی وقت میں نے کتاب کی اشاعت کی اجازت حاصل کر لی۔ الطاف بھائی نے

یہ خوشی و مسرت کتاب کی اشاعت کے لئے مکمل تعاون دینے کا اطمینان دلایا۔
کتاب کی اشاعت کی بات ان کے فرزند سید اویس سعد کے علاوہ ان کی دو
بیٹیوں ڈاکٹر نوشابہ سرفراز اور ڈاکٹر سمیرا کو بھی پسند آئی۔ سید اویس سرمدنے
کتاب کی اشاعت کے مکمل اخراجات کی ذمہ داری لی۔
کتاب کی ترتیب و تزئین کے سلسلے میں مجھے صالحہ آپا کی چھوٹی بہنیں
ڈاکٹر اختر سلطانہ اور ڈاکٹر صابرہ سعید (رخسانہ) کا مشورہ حاصل رہا۔
صالحہ آپا میرے لئے حقیقی بہن جیسی تھیں۔ ہم بھائی بہن کا بے لوث
رشتہ ایک طویل رفاقت کا ضامن رہا یعنی کوئی ۴۸ برس تک رہا۔ صالحہ آپا
مجھے بے حد عزیز تھیں وہ بھی مجھے بے حد عزیز رکھتی تھیں۔ وہ مجھے معاشرہ
کی ہر سطح پر سربلند دیکھنے کی آرزومند تھیں۔
جب بھی صالحہ آپا کا بے ساختہ خیال آجاتا ہے تو ان کے بے پایاں
خلوص کا ایک ایک لمحہ دیدۂ پرنم کی طرح دل و جاں میں پیوست ہو جاتا ہے
(۱۴ اپریل ۲۰۰۰ء ۹½ بجے شب) ڈاکٹر اختر سلطانہ نے رخصت آمیز لہجے
میں مجھ سے صرف یہ کہا کہ نیر بھائی! صالحہ باجی! میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا چاہتی
ہیں۔ میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بدحواسی کے عالم میں میڈون ہاسپٹل پہونچا
سب سے پہلے رخسانہ (ڈاکٹر صابرہ سعید) پر میری نظر پڑی وہ سرتاپا رنج و غم
میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جب میں نے دلاسا دینے کی کوشش کی تو پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگیں۔ آنسو تھمتے ہی نہیں تھے۔ رخسانہ کے بعد میری نظر

ڈاکٹر توصیفہ سرفراز (نبیرہ صالحہ الطاف) بیرسٹری وہ لڑکی بھی قابل رحم حالت میں پائی گئی۔ نہایت غمزدہ شدت غم میں ڈوبی ہوئی۔ انہوں نے بھائی [illegible] غیر متوقع حادثہ کی تاب نہ لا سکیں اور بے حد مضطرب کے عالم میں [illegible] کے ایک کمرہ میں ڈاکٹروں سے گھرے ہوئے تھے۔

صالحہ آپا کی نماز جنازہ مسجد عالمگیر میں پڑھائی گئی۔ غمزدہ اہل خاندان، رشتہ داروں اور شہر کے بہت سے احباب کی موجودگی میں دو بجے [illegible] جوبلی ہلز کے قبرستان (اوقاف) میں سپرد خاک کیا گیا۔

سید اویس سرمد اور ان کی اہلیہ مریم اویس، مسعود زبیری [illegible] اور [illegible] صبیحہ الطاف حسین (اٹلانٹا) صالحہ آپا کے انتقال کے فوراً بعد [illegible] آئے تھے ان لوگوں کے آخری دیدار کے لئے تدفین ایک دن بعد ۱۲ اپریل ۲۰۰۹ء کو عمل میں آئی۔

صالحہ آپا کو یاد رکھنے کے لئے خاص طور پر اہل خاندان کے لئے یہ کتاب ایک وسیلہ ثابت ہوگی۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ قارئین میرے اس نذرانہ عقیدت کی پذیرائی کریں گے۔

صلاح الدین نیر

کہکشاں

ملے پلی، حیدرآباد

قرآن اور اسلام

قرآن کا نزول ہوئے ۱۴ سو سال بیت گئے۔ اس عرصہ میں کتنے
ہی تمدنوں کے آفتاب طلوع ہوئے ڈوب گئے۔ تاریخ کے کس نشیب و فراز
اور حوادث کی آندھیوں کے درمیان قرآن باقی ہے اور رہے گا۔ ملت
انحطاط اور زوال جیسے صدمات سے گذری، عظمت کی بلندیوں سے گری
مگر قوم کے زوال سے بھی قرآن کی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا۔

اس منزل کتاب کا پیغام آج بھی اسی طرح فضاؤں میں گونج رہا ہے
اس کی روشنی و ہدایت اسی طرح جگمگا رہی ہے اس کی صداقت ایسی ہے کہ
زمانے کی گردشوں کے ہزاروں الٹ پھیر بھی اس کے ایک نقطہ، ایک زیر و زبر اور
ایک شوشے میں تک بھی کچھ فرق نہیں ملے گا۔

خدائے برتر کے بھیجے ہوئے اس آسمانی صحیفہ پر چودہ صدیاں اس
حقیقت پر گواہی دے رہی ہیں کہ اس کتاب میں کل شک تھا نہ آج شک ہے
اور نہ کل ہوگا۔

آج علوم کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ بعض کتابیں چھپنے کے دوران

ہی پرانی پڑ جاتی ہیں لیکن وحی الٰہی کے حقائق اتنے محکم ہیں کہ یہ ہر زمانے میں ابھرتے ہی گئے۔

قرآن میں انسانی فطرت کے لئے اعانت فرمائی گئی ہے جس کے لئے انسانوں ہی کو پیغمبروں کے لیے چنا گیا اور ان میں ایسی خصوصیات رکھ دیں جنھوں نے انسانیت کے اعلیٰ تخیل اور اعلیٰ کردار سے دنیا کو آگاہ کیا

آخر الزماں سالار انبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لئے کلام پاک کی روشنی میں حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا۔ اور قرآن کو عقلوں کی کسوٹی پر پرکھنے اور سمجھنے کی دعوت دی۔ عقل ہی کو فیصلہ کا حکم دیا گیا۔ اس لیئے گویائی کی قوت اور بلاغت کی قدرت ہی کو حق کی نشانی اور نبوت کا معجزہ قرار دیا۔

آج دنیا میں آسمانی اور الہامی کتابیں موجود ہیں ان کے ماننے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں ہے قرآن نے تمام مذہبی کتب کو قابلِ احترام گردانا مگر قابلِ تعمیل نہیں۔ کیونکہ انھیں قرآنی صورت میں ایک مکمل نظامِ حیات عمل مل چکا ہے۔

آج بھی ہر ملک ہر خطہ میں اذان کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ یہ اسلام کی ایک کھلی نشانی ہے۔

اسلام کی تعلیم صداقت پر مبنی ہے اس صداقت کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا۔ آپ نے اپنے آپ کو قوانینِ

خداوندی کے سپرد کر دیا۔ وہ نہ بادشاہ سے خوفزدہ ہوئے اور نہ ہی مذہبی پیشواؤں سے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا لیکن اللہ کی محبت کی سرشاری میں اس کے حکم اور فوراً اطاعت کی اور آزمائش میں پورے اترے یہ قربانی گوشت اور خون کی نہیں بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی۔ آج سے ساڑھے چار ہزار سال پہلے یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور بندگی کی بے مثال تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا امتحان تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ نے کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر کے وقت دعائیں مانگیں جو قرآن حکیم میں محفوظ ہیں "اے ہمارے رب ہمیں خالص مسلم بنا اور ہماری اولاد میں ایک امت مسلمہ پیدا کر جو خالص تیرے لیے ہی ہو"۔ اسی ذبیح عظیم کی نسل میں بے مثال پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپ اس کرۂ ارض میں پیدا ہوئے جہاں قوم برائیوں اور شرک میں مبتلا تھی۔ دختر کشی کی رسم جائز تھی۔ اسلام اور قرآن کا یہ احسان ہے کہ اس نے انسانیت کے چہرے سے وہ تمام داغ مٹا دیئے جو مختلف زمانوں میں مختلف قوموں نے نادانی کی وجہ سے لگا دیئے تھے سرکار دو عالم امی تھے آپ نے یہ مایہ ناز علم کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کو جو انسان پرستی میں مبتلا تھے خدا پرستی کی دعوت دی۔

سرکارِ دوعالم نے جب توحید کی دعوت دی تو قوم آپ کی مخالفت
میں کمربستہ ہو گئی۔ بت پرستی اس قدر تھی کہ لوگ سفر کے دوران چار پتھر
ڈھونڈتے تین پتھروں کا چولہا بنانے اور چوتھے پتھر کو معبود۔ اور
اس کی عبادت کرتے اور پھر ان چاروں پتھروں کو چھوڑ کر آگے بڑھ
جاتے اور جہاں کہیں قیام ہوتا یہی عمل دہرایا جاتا۔ بتوں پر نذرانے
قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں وہ نہیں جانتے تھے کہ خدائی کس کی ہے

کلام پاک نے توحید، رسالت، آخرت اور خالق کائنات کے
بارے میں واضح طور پر کھلی نشانیاں پیش کیں۔ انسان کو بہترین مجسمہ
بنانے۔ تہذیب و ثقافت کی نشوونما کے لئے آخرالزماں صلی اللہ علیہ
کی روشن شخصیت بطورِ اسوۂ حسنہ پیش کیں۔

قرآن کسی خاص نسل، قوم یا خطہ کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا۔ بلکہ
تمام عالمِ انسان کے لئے ضابطۂ حیات و دستورِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے
غلاموں کو جو دنیا کی کسی تہذیب میں تمام انسانوں کے برابر نہیں
سمجھے جاتے تھے اسلام نے یکساں بنیادی حقوق دیئے۔ غلام سازی کو
روکنے کی تلقین کی گئی۔

غم کے وقت صبر کی تلقین، غصہ کے وقت ضبط سے، شادی بیاہ
کے موقع پر بے جا شان و شوکت کا اظہار کرنے سے منع کیا۔
سرکارِ دوعالم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادی جس سادگی اور قناعت

کے ساتھ کی وہ آیت مسلمہ کے لئے ایک زندہ مثال ہے
کلام اللہ کا جو کلمہ اثر انگیزی سے پُر اور کائنات کی ٹھوس حقیقتوں
پر مبنی ہے قرآن کی روشنی میں اگر حسن کے معیار کو پرکھنا ہو تو ہمیں
یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کو نظر میں رکھنا ہوگا۔
اگر ہجر کی لذتوں کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت یعقوب علیہ السلام
کی کیفیت سے اندازہ لگائیں۔ اگر صبر و قناعت کا مشاہدہ کرنا ہو تو
حضرت ایوب علیہ السلام کی واردات کو سامنے رکھیں۔ اگر استقامت
کا مفہوم سمجھنا ہو تو راتوں کو جاگنے والے اور کمبل میں ملبوس شہنشاہ
دو عالم کے حالاتِ زندگی سے سبق لیں۔
اس طرح خدا نے اپنے اس آخری جلیل القدر نبی کو اس طرح
مکمل کیا اور دنیا کے لیے ایسا نمونہ بنا کر بھیج دیا۔ اس جیسا
پیدا ہو سکا ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ اور قیامت تک پیدا ہونے
والوں کے لیے ایک کامل نمونہ بنایا۔ صبر کامل، ایثار میں یکتا۔
راست باز۔ عدل و انصاف۔ بہرحال آپ کے اوصاف کہاں
تک گنوائیں۔ آپ نے اس زمین پر توحید کا چراغ روشن کیا۔
غارِ حرا سے نکل کر تو وہ صفا پر کھڑے ہو کر پیغام حق سنایا۔
اور آپ نے تلقین کی کہ فرائض سے غافل نہ رہیں۔ رحمۃ للعالمین
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہماری زندگی کے ہر پہلو

ہماری حیات کے ہر مرحلہ کے لئے بہترین نمونہ ہے ان مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے آج اس بات کی ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر انسانیت کی فلاح اور اسلام کے لئے کام کریں۔

دُعا ہے کہ —— یا اللہ ہمارے قلوب کو ایمان سے منوّر فرمادے۔ جذبۂ ایثار، رحمدلی اور عدل کے جذبے سے ہمارے دلوں کو لبریز کرے۔ ہمیں اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ بنائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ —— آمین ▲

میرا ادبی سفر

میرا تعلق حیدرآباد سے ہے۔ بچپن میں، میں نے لڑکھڑا کر چلنا سیکھا
ماں کی لوریاں والد کی شفقت، گڑیوں کھیلنا۔ مٹی کے گھروندے
بنانا۔ جب میں نے قلم پکڑنا سیکھا۔ ماں نے جو پہلی کتاب پڑھائی وہ
ذالک الکتب لا ریب فیہ اس کتاب میں کوئی شک کوئی
غلطی نہیں۔ اسی کتاب کا سہارا لیکر تربیت کی گئی۔ بچپن میں پریوں
کی کہانیاں سننے اور پڑھنے کا شوق تھا۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم
مدرسہ مفید الانام اسکول سے حاصل کی۔ مباحثوں میں حصہ لینا۔ اشعار
یاد کرنا۔ بیت بازی، ڈراموں میں حصہ لینا۔ ڈرائینگ کرنا میرا
محبوب مشغلہ تھا سب سے پہلے میں نے جو اُردو کی کتاب پڑھی وہ
ڈپٹی نذیر احمد کی "مراۃ العروس" تھی پھر مولانا حالی، سرسید احمد خان
منشی پریم چند اور دوسروں کی کتابیں پڑھیں میرے والدِ محترم احمد
سعید علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے سنگِ سیلو کے کامیاب تاجر اور
معدنوں کے مالک تھے انھیں علم و ادب سے بے حد لگاؤ تھا میرے
چچا جناب حبیب اللہ اوج ممتاز صحافی (مدیر میزان، روزنامہ

آواز کے ایڈیٹر ہیں) ادبی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔
میرے والد اور والدہ دونوں کی یہ خواہش تھی کہ ہم تمام بہنوں اور
بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ میرے والد ہم کو کلام اقبال یاد کرنے
کو کہتے۔ مولانا روم اور علامہ اقبال کے بارے میں بتلاتے۔ کلام
اقبال میں اُن کا لب و لہجہ باری تعالیٰ سے ہم کلامی۔ شوخی بھی،
احترام بھی شکایت اور محبت بھی۔ جب وہ ہمیں بتلاتے یوں
محسوس ہوتا۔ جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔
انسانی غمخواری کا جذبہ جو علامہ اقبال میں ہے واضح کرتے۔ عربیہ
اسکول سلطان شاہی مارکٹ سے میں نے میٹرک کا امتحان دیا۔ پھر
ویمنس کالج اسائنس میں داخلہ لیا۔ میرے اساتذہ مخلص اور
میرے لیے قابل فخر ہیں جن کی ذہنی تربیت کو میں کبھی فراموش
نہیں کر سکتی۔ ویسے کالج کے کئی شعبہ ہوتے ہیں اور لکچرار بھی
کئی اسی طرح اسکول میں بھی۔ لیکن میں یہاں صرف اُردو کے
اساتذہ کا نام لینا چاہوں گی۔ ڈاکٹر وحیدہ نسیم، ڈاکٹر زینت ساجدہ
ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور ڈاکٹر ثمینہ شوکت۔ وحیدہ نسیم اور
زینت ساجدہ کی باتیں اُن کے لکچر اتنے دلچسپ کہ گھنٹوں سنو
اور جی نہ بھرے۔ تیز زور طرز بیان، شیریں زبان، دلکش انداز
کبھی غزل کی نزاکت کے بارے میں بتلائیں۔ اور کبھی کہانیوں اور
داستانوں کے بارے میں۔ جو اپنی فنی خصوصیات کے آئینہ دار ہوتے

جس کو سن کر ان لوگوں کی گہرائی فکر اور رفعت تخیل کی داد دینی پڑتی
محترمہ دیبارہ نسیم نے عربیہ اسکول میں ہم طالبات کو نظر میں رکھتے
ہوئے - ایک مسلسل نظم لکھی تھی جس کا عنوان "لٹا ہوا کارواں" تھا
جس میں عزیز انسا (صیاد کچو حیدرآباد کی جانی پہچانی شاعرہ ہیں) اور میں
نے حصہ لیا تھا محترمہ قادری آپا لکچرار کیمسٹری ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکچرار
اردو ویمنس کالج نے VARITY SHOW کا اہتمام کیا تھا جس میں
میں نے حصہ لیا تھا۔

ابھی میں بی ایس سی 1 ST YEAR میں تھی کہ میری زندگی کے ساتھی
سید الطاف حسین جیسے یہ انڈین ایر لائینس میں انجینئر تھے وسیع
النظر، منکسر المزاج اور ہمدرد، الطاف نے میری تعلیم جاری رکھنے
میں کافی مدد کی۔ بچپن میں رنگ برنگے کپڑے پہن کر جو خوشی کا
احساس ہوتا تھا اب اچھی اچھی کتابیں پڑھنے سے ہونے لگا مجھے
لکھنا کم پڑھنا زیادہ پسند ہے۔ ویسے زندگی مختصر اور فن لامحدود
ہے لیکن جب میں پڑھتی ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا کیا چیزیں
چھپی ہیں۔ ان اہل دل کے سینے میں۔ ویسے ادیب قوم کے مزاج
داں ہوتے ہیں قوم کے لئے سامانِ فکر و عمل مہیا کرتے ہیں
ان قلمکاروں کے بکھرے ہوئے موتیوں سے اپنا دامن بھرتی رہتی تھی
ماہ نامہ خاتونِ دکن کے اجراء سے پہلے میں نے تاریخ اسلام اور
یوروپین تاریخ کا کچھ مطالعہ کیا تو میں جان سکی کہ دنیائے ادب کی

کتنی عظیم ہستیاں۔ اُن کی تہذیب، فکر و تخیل کی دل آویزی غور و فکر کی دعوت پڑھنے والوں کو مہیا کرتی ہیں ماہ نامہ خاتو
دکن کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ میری چار بہنیں، اختر محبوب، صبیحہ سعید، صابرہ سعید اور عذرا سعی
مجلسِ مشاورت اور پرچے کی ترتیب و تزئین میں میری معا
رہیں۔ میری بہنوں میں دو نے ایم لے کیا اور دو نے ڈاکٹریٹ
مکمل کی ہے۔ ڈاکٹر اختر محبوب کا مقالہ قرۃ العین حیدر پر ہے
ڈاکٹر صابرہ سعید کا مقالہ اردو ادب میں خاکہ نگاری ان دونوں
مقالات اُردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ عذرا سع
ایک اچھی آرٹسٹ ہیں عذرا کے ذمے مرقعے ڈیزائن اور سرورق
بنانا تھا صبیحہ مرحومہ کے ذمہ عکسِ جمیل کے زیرِ عنوان کسی نامور شعا
کا انتخاب شائع کرنا۔ صابرہ سعید کے ذمہ اردو کے بہترین
شعروں کا انتخاب پیش کرنا تھا۔ اختر محبوب کے بہت سے مضا
خاتونِ دکن میں شائع ہوئے اور آج بھی کئی ادبی رسالوں میں شا
ہو رہے ہیں خاتونِ دکن کے پہلے شمارے کی رسم اجرا تقریباً رویند
بھارتی تھیٹر میں اُس وقت کے گورنر آندھرا پردیش کے ہاتھوں
پائی۔ جس میں شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور زندگی کے مختل
شعبوں سے تعلق رکھنے والے باذوق اصحاب نے شرکت کر کے ہم
حوصلہ بڑھایا تھا رسم اجرا کے بعد کلچرل پروگرام کا بھی اہتمام کیا گیا تھ

جس کو میرے بھائی سلطان محمود اور صمد فاروقی نے ترتیب دیا تھا
جس کو کافی پسند کیا گیا۔
ماہنامہ خاتونِ دکن ایک ادبی رسالہ تھا ہمارا مطمع نظر اردو
ادب کی خدمت کرنا تھا جس میں نئے پرانے اہل قلم کی تخلیقات کو
شائع کرنا۔ نئے لکھنے والوں کو متعارف کرانا تھا خاتونِ دکن کے
تبادلے میں کئی رسالے آتے تھے خاتونِ دکن میں جو تخلیقات شائع
ہوتیں وہ اکثر پرچوں میں ڈائجسٹ ہوا کرتی تھیں۔ خاتونِ دکن کے کئی
خاص نمبر شائع ہوئے۔ غزلیات نمبر، افسانہ نمبر، ڈرامہ نمبر وغیرہ
ہر ماہ جلتے دیپ کے عنوان سے اردو ادب کا بہترین افسانہ شائع
کیا جاتا رسالہ خاتونِ دکن ۱۲ سال تک شائع ہوتا رہا میری تخلیقات
اور میرے اداریئے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ خاتونِ دکن کے
لئے ایک طرف اہل قلم اور دوسری طرف قارئین دونوں کا مجھے تعاون
حاصل رہا ہے۔ خاتونِ دکن کی اشاعت میں میرے شوہر الطاف حسین
کے ادبی ذوق و تعاون کا بڑا دخل رہا ہے اردو کے نامور شاعر جناب
صلاح الدین نیر (نیر) بھائی بھی ہیں جو شروع سے آخر تک اعزازی طور
پر کام کرتے رہے۔ نیر بھائی کے خلوص اور تعاون کو میں کبھی فراموش
نہیں کرسکتی۔ دعا ہے کہ ہم بھائی بہن کا رشتہ اسی طرح قائم رہے۔
جب الطاف کو دوحا قطر انڈسٹریل کنسلٹنٹ کی طور پر جانا پڑا
تو میں بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔ جس کی وجہ سے رسالہ خاتونِ دکن کی

اشاعت کو روک دینا پڑا جس کا مجھے آج بھی دکھ ہے قطر میں
بھی میرے مضامین ریڈیو قطر کی اردو سروس سے نشر کیے گئے
میں قطر میں ایک اسکول سے وابستہ تھی جہاں میں اڈمنسٹریٹر
اور ہیڈ مسٹرس تھی اس اسکول اور میرے تعلق سے اخبار یہاں ل
میں میرا انٹرویو چھپ چکا تھا۔ مجھے سفر کرنا پسند ہے اور اس
کے کئی مواقع بھی مجھے ملے۔ میں ہندوستان کے کئی شہروں کو
دیکھ چکی ہوں کوہ ہمالیہ کی دلکش چوٹیاں، ان چوٹیوں کے کاندھوں پر
روئی کے گالے جیسے ڈولتے بادل، قطب مینار کی بلندی، تاج محل
کی خوبصورتی اور جو عقیدت اس سے جڑی ہوئی ہے ایلورا اور
اجنتا میں بدھ کی مبتسم مطلق مسکراہٹ کے موضوع پر
میرے مضامین لکھے ہیں۔ ممالک عربیہ فرانس، پیرس، اٹلی
سوئیزرلینڈ، لندن، نیویارک، واشنگٹن اور اٹلانٹا ممالک کے
حالات میں نے اپنے سفر نامے میں قلم بند کیے ہیں جس میں سے ماونٹ بلانک
جون ۹۸ء کے "خوشبو کا سفر" میں شائع ہو چکا ہے۔ میں
افسانے، ڈرامے، مضامین اور خاکے لکھتی رہی ہوں۔ آل انڈیا
ریڈیو حیدرآباد سے میرے کافی مضامین براڈکاسٹ ہو چکے ہیں
دوردرشن کے پروگرام انجمن میں حصہ لے چکی ہوں مجھے ایک بیٹا
اور دو بیٹیاں ہیں سید ادیس سرمد لندن میں چارٹرڈ اکاؤنٹنسی
کرنے کے بعد سوئٹزرلینڈ میں برسرِ روزگار ہے۔ ڈاکٹر نوشینہ ادیب

مسلم میٹرینٹی ہاسپٹل میں سونو گرافر کے شعبہ سے وابستہ ہے ڈاکٹر سمیہ اسماء لندن سے M.S کرنے کے بعد جونیئر سائینٹسٹ ہے میل اپنی بہن صابرہ سعید کے تعاون سے ۱۹۹۵ء میں صلاح الدین نیر، فن وشخصیت کے زیرعنوان (مشاہیر اردو کے مضامین) ایک ضخیم کتاب "قافلہ چلتا رہے گا" کے نام سے شائع کی مجھے ۱۹۹۵ء میں بسٹ جرنلسٹ / رائیٹر کے نام سے" انیکتا میں ایکتا " اندرا گاندھی نیشنل یونیٹی ایوارڈ جناب پی شیوشنکر گورنر سکم کے ہاتھوں ملا۔

ایک شعر سُنانا چاہوں گی جو مجھے بے حد پسند ہے۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

—•—

صلاح الدین نیر۔ میرا بھائی

(کچھ باتیں۔ کچھ یادیں)

میری برسوں سے یہ خواہش تھی کہ نیر بھائی (صلاح الدین نیر) کی علمی ادبی، تہذیبی اور شاعرانہ زندگی پر ممتاز دانشوروں کی تحریروں کو مناسب ترتیب و تزئین کے بعد کتابی شکل دوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب میری برسوں کی تمنا پوری ہو رہی ہے۔ "قافلہ چلتا رہے گا" کے خدوخال کی آراستگی و تزئین میں، اپنی چھوٹی بہن ڈاکٹر صابرہ سعید کی مشاورت اور تعاون کو فراموش نہیں کر سکتی۔ اس ضمن میں نیر بھائی نے بھی مجھ سے تعاون کیلئے نیر بھائی کے پہلے مجموعۂ کلام گلِ تازہ کی اشاعت (۱۹۶۵ء) کے بعد سے آج تک اُن کے فن اور شخصیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے (۔ تو کچھ تحریریں نیر بھائی کے پاس موجود نہیں) اُن میں سے منتخب تحریروں کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں نیر بھائی کی کتابوں پر مختلف رسائل، جرائد و اخبارات میں شائع شدہ مضامین، تاثرات اور تبصروں کے علاوہ

کتابوں میں موجود تبصرے، مقدمے، پیش لفظ، تاثرات اور بعض
موصی مضامین شامل ہیں تنوع اور توازن کی خاطر مضامین کی ترتیب
ں تقدیم و تاخیر کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اس کتاب کی اشاعت کا
صد یہ بھی ہے کہ آنے والے کل کا انتظار کیئے بغیر صلاح الدین نیر کی
ں، شعری و تہذیبی زندگی کے شب و روز کو دستاویزی شکل میں
وظ کر دیا جائے۔ مجھے توی توقع ہے کہ اس کتاب کو بھی نیر بھائی
دوسری کتابوں کی طرح ادبی حلقوں اور عام قاری قدر کی نگاہ سے
یں گے۔

نیر بھائی سے میرے ایک دو دن کے نہیں کوئی ۳۰ برس کے پر خلوص
م ہیں آج میں نیر بھائی کے بارے میں لکھنے بیٹھی ہوں تو مجھے
اب زیست کی ورق گردانی کرنی ہی نہیں ہے بلکہ واقعات کی گمشدہ
یوں کو بھی ملانا ہے جو ان برسوں کی دھوپ چھاؤں میں بکھری
ی ہیں۔ یادیں جو انسان کے ذہن میں محفوظ رہتی ہیں ان کے بارے
ں ہم جتنا غور کریں، ہمارے دل کو مضطرب کر دیتی ہیں کیا زمانہ
ھا وہ جو بیت گیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب ہم ماہنامہ خاتون دکن
ائع کرتے تھے۔ نیر بھائی اور میں گھنٹوں اس کی ترتیب و تزئین کے
ر پہلو پر غور کرتے تھے رات زیر گئے تک ہم یہ کام کرتے۔ یہ سلسلہ مسلسل
ا سال تک چلتا رہا۔ بارش ہو کہ سردی و گرمی نیر بھائی یہ پابندی وقت
کوئی دن ناغہ کیئے بغیر آتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نیر بھائی کو

اپنے کام اور ذمہ داریوں کا کس قدر احساس تھا۔ کام کے دوران مختلف امور پر بات چیت رہتی۔ میری ہر بات کا جواب وہ خندہ پیشانی سے دیتے۔ وہ ہمیشہ ہمارے خاندان کے ایک فرد کی طرح رہے۔ میری ممی، بھائی، بہنیں، بچے اور الطاف سبھی آپ کے خلوص کی قدر کرتے رہے۔ نیر بھائی کی ساری زندگی صرف ایک محور پر گھومتی دکھائی دیتی ہے جسے ہم خلوص کا نام دے سکتے ہیں یا پھر ان کی زندگی ایک خوبصورت انگوٹھی کی طرح ہے جس میں ان کے خلوص کا درخشاں نگینہ جڑا ہوا ہے خاتونِ دکن میں مضامین، افسانوں، ڈراموں اور اداریہ کا حصہ میرے ذمہ تھا نظموں، غزلوں اور پرنٹنگ کا کام نیر بھائی سنبھالتے۔ سچ پوچھئے تو خاتونِ دکن ہمارا اپنا پرچہ تھا۔ یوں تو عام شمارے پابندی سے شائع ہوتے ہی تھے لیکن ہم نے افسانہ نمبر، ڈرامہ نمبر، غزلیات نمبر بھی شائع کیئے ہیں ہمارا مقصد اردو کے ادبی سرمایہ میں اضافہ کرنا، فن کے ساتھ پورا خلوص برتنا، دل کی باتیں، قلم کی زبان پر لانا تھا آج وقت کے وہ سنگِ میل یاد آرہے ہیں جو ماضی میں گم ہو گئے ہیں۔ نیر بھائی کے خلوص کو نبھانے کی میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے لیکن وہ بھی کسی وقت غافل نہیں ہوئے۔ چاہے میں انڈیا میں رہوں کہ انڈیا سے باہر، نیر بھائی خطوط کے ذریعہ مجھ سے ربط رکھتے۔ ہم ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹ لیتے تھے۔ جیسے بقول نیر بھائی

ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں ؛ ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

کبھی کبھی نیر بھائی کا موڈ خراب ہو جاتا تھا؟ انہیں غصہ بہت جلد آتا تھا جھٹ خفا ہونے کی زیادہ عادت تھی لیکن میں مطمئن رہتی کہ وہ کتنا بھی مجھ سے کیوں نہ روٹھیں۔ انھیں پھر لوٹ کر اپنی بہن کے پاس آنا ہے نیر بھائی کے خفا ہونے کا انداز بھی مجھے پسند تھا۔ دراصل یہ نیر بھائی کی عمر کا بھی تقاضہ تھا میں یہ اُن دنوں کی بات کر رہی ہوں جب نیر بھائی کی شاعری کا ستارہ عروج پر تھا اور دکن کے تیزی سے ابھرنے والے شاعروں میں اُن کا شمار ہونے لگا تھا۔ TEEN AGERS سے لے کر ہر عمر کے لوگ اُن کی نظمیں غزلیں شوق سے پڑھتے تھے اکثر محفلوں میں ان کے مصرعے زبان زد عام اور محاوروں کے طور پر استعمال کیئے جانے جیسے ع

تیرا کیا ہو گا اے گلِ تازہ ÷ یہ رات گئی تو بات گئی

وغیرہ۔ قدرت نے انھیں بڑی پیاری آواز سے نوازا ہے۔ ایک واقعہ یاد آرہا ہے جب میں اور نیر بھائی "گلِ تازہ" مرتب کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ رات کا سماں تھا نیر بھائی سے ایک غزل کی میں نے فرمائش کی کہ آپ اِسے ترنم میں سُنائیں۔ (آج تک بھی میری کوئی بات نیر بھائی نے نہیں ٹالی) غزل پڑھنا شروع کی ؎

"شاہجہاں کے تاج محل کو اپنا کہہ کر میں پچھتایا"

آپ کی سحر انگیز آواز سُن کر میرے بھائی، بہنیں سب نزدیک آ گئے۔ آپ نے دوسری غزلیں بھی سُنائیں۔

●

شعر کہتا ہوں ہمیشہ بچ کے طرزِ عام سے
ہر غزل کی ابتداء کرتا ہوں تیرے نام سے
●
جانا تو ہے سب کو لیکن آخر اتنی جلدی کیوں
کب سے میں بیٹھا ہوں سرہانے آنکھیں اپنی کھولو بھی
●
یوسف ہوں محبت کا خریدار نہیں ہوں
میں اپنی جگہ بزم ہوں بازار نہیں ہوں

پُراثر آواز سے یقین جانیئے ایسا سماں بندھا اور یوں محسوس ہونے لگا، جیسے مضراب کی ایک ہلکی سی ضرب سے بربطِ ہستی کے تاروں کو چھیڑ دیا گیا ہو۔ نغمے خود بہ خود اُمڈنے لگے۔ وہ رات آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

انداز بیان صاف ستھرا، لب و لہجہ اثر انگیز، غزلوں اور نظموں میں زمانے کے خدوخال اور وقت کی چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں کہیں تعمیر سے خورش تو کہیں تخریب سے تڑپ اٹھنے کا جذبہ۔ یہ دور آپ کی شاعری کا دوسرا دور کہا جا سکتا ہے اس زمانے کے اشعار میں مسائل اشعار آپ کو زیادہ ملیں گے۔ نیر بھائی کی ساری زندگی عمل سے عبارت ہے۔ وہ اردو کے شیدائی ہیں۔ اردو آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ میر غالب، حالی اور اقبال کی زبان جو چراغِ کشتہ کی مانند آج بھی جل رہی ہے اس کے چشمے جو کبھی اُبلتے تھے آج خشک ہو رہے ہیں۔ انھیں نئی زندگی دینے کی تڑپ اِس شاعر کے دل میں موجود ہے افکار کی چھاؤں

ہیں زمانہ کا عکس، فراق و وصال، امیری غریبی کی کشمکش، زندگی کا تخیل اسلوب کی جدت، دل کی عمیق گہرائیوں سے نکلنے والے اشعار تخیل اور تخلیق آرزو کا مطلب ان کے یہاں ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش ہے۔ یوں تو پھول مرجھانے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ مگر یہ چاہتے ہیں کہ اس کی خوشبو میں کمی نہ آئے گل ہائے گوناگوں کا گلدستہ جس میں گل تازہ کی چھب ہمیشہ تازہ اور مہکتی رہے۔ یہ اپنی جگہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں اس کارواں میں کئی لوگ شامل ہیں

ایسے نغمے بھی انہوں نے اپنے اشعار میں سموئے ہیں جو ہمیشہ محفوظ رہیں گے ان کی زندگی کی ساری وسعتیں ان کی شاعری میں پوری گہرائی کے ساتھ سمٹ گئی ہیں۔ نیر بھائی خوش نصیب ہیں کہ انہیں اپنی زندگی میں مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ بہر حال مجھے اپنے اس بھائی پر واقعی ناز ہے۔

قافلہ چلتا رہے گا صلاح الدین نیر فن اور شخصیت میں حسب ذیل اہل قلم حضرات و خواتین کی تحریریں بھی شامل ہیں۔ نگار خانہ نیر پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد۔ زخموں کے گلاب۔ پروفیسر احتشام حسین۔ دور جدید کا جواں فکر شاعر، علامہ منور لکھنوی، گل تازہ کا خالق۔ پروفیسر ہارون خاں شیروانی۔ گل تازہ ڈاکٹر مظاہر علی خاں مسلم خوشبو کا سفر، عابد علی خان صلاح الدین نیر۔ سید ہاشم علی اختر، عصری آگہی کا نقیب، پروفیسر رفیعہ سلطانہ گل تازہ، صنم تراش، خوشبو کا سفر، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، مشکن در شکن

ڈاکٹر حبیبی شاہد۔ سفر جاری ہے ڈاکٹر سی نارائن ریڈی" گلِ تازہ کا شاعر۔ صنم تراش ڈاکٹر سیدہ جعفر۔ صنم تراش۔ خوشبو کا سفر ڈاکٹر مغنی تبسم۔ رشتوں کی مہک۔ یوسف ناظم "سلسلہ پھولوں کا۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد' صلاح الدین نیر (ایک انسان۔ ایک شاعر۔ ایک دوست) عاتق شاہ۔ گلِ تازہ' رشتوں کی مہک۔ سلسلہ پھولوں کا۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید۔ داستانِ دل۔ ڈاکٹر مصطفےٰ کمال یارانِ شہر (خاکہ) خوشبو کا سفر۔ ڈاکٹر طیب انصاری۔ صلاح الدین نیر کے نام۔ سلسلہ پھولوں کا۔ کبشو راؤ زخموں کے گلاب۔ احسن علی مرزا' گلِ تازہ۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ صلاح الدین نیر سر ہینوس لا ایلوٹی' صلاح الدین نیر کا حسن کلام حامد بن شبیر۔ یہ کیسا رشتہ ہے۔ راشد آذر۔ نیر شاہراہ سے منزل تک۔ ڈاکٹر صادق نقوی۔ صلاح الدین نیر (ایک سرسری جائزہ) رئیس اختر صلاح الدین نیر کی شعری و ادبی خدمات رحمٰن جامی' دوستی کا رشتہ' سیتا پال سنگھ ورما۔ زخموں کے گلاب۔ شکن در شکن۔ وقار خلیل زندگی کے آئینہ میں (سلسلہ پھولوں کا) ششی نرائن سوادھین۔ خوشبو کا سفر۔ مناظر عاشق ہرگانوی۔ گلِ تازہ۔ ڈاکٹر مظفر حنفی۔ گلِ تازہ ناظم اجملی' گلِ تازہ میری نظر میں۔ خلیل امیلزی۔ گلِ تازہ۔ جی ایم راہی۔ خوشبو کا سفر شو بھاتھ سنگھ۔ زخموں کے گلاب۔ ڈاکٹر سیفی پریمی۔ صنم تراش عبدالرحیم آرزو۔ پھولوں کا شاعر۔ صلاح الدین نیر۔ ڈاکٹر جلیل تنویر خوشبو کا سفر۔ امان اختر۔ گلِ تازہ۔ قومی تنظیم (ادبیہ) سلسلہ پھولوں کا

طانہ حبشی مشرف الدین احمد۔ عکس در عکس۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ
اق کا مترجم۔ ڈاکٹر صابرہ سعید ہم سب کے چہیتے شاعر۔
ح الدین نیر کی تنقید قادری۔ انیس قیوم فیاض۔ صلاح الدین نیر
خوشبو کا سفر۔ صغرا عالم۔ گل تازہ۔ ڈاکٹر فہمیدہ ممتاز گل تازہ
دیدہ شبنم میرے اچھے بھائی جان، صلاح الدین نیر، مظفر النساء
، صلاح الدین نیر۔ قمر جمالی کی نظر میں (یہ کیسا رشتہ ہے) قمر جمالی
ح الدین نیر شخصیت اور فن۔ اقبال جہاں قدیر
خوشبو کا سفر (رسم اجراء تقریب کے موقع پر اظہار رائے —
اکٹر سی نارائن ریڈی۔ عابد علی خان۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر
ی رام شرما۔ ڈاکٹر مغنی تبسم۔ ڈاکٹر موہن لال نگم۔
کچھ تبصروں سے اقتباسات اور منتخب تحریریں۔ پروفیسر سید
ار زالدین رفعت۔ پروفیسر احتشام حسین (شاہکار الہ آباد)
تی (پاکستان)۔ راغب لکھنوی (روح ادب۔ کلکتہ) سبارہ (پاکستان)
ہر یار (ہماری زبان) عاصی ذہانت حسین (نئی صبح الہ آباد) موتی لال ساقی
شیرازہ) خورشید احمد جامی۔ پروفیسر سید محمد — ایک بے نام بہن
نظم (سلسلہ پھولوں کا) ◄

عظمت عبدالقیوم

دکن کی نامور شاعرہ

تنویر بھائی کی خواہش کہ میں عظمت آپا پر کچھ لکھوں ۔ تو دل کی چوکھٹ پر کچھ بھولی بسری یادیں دستک دینے لگیں ۔ پھر ماضی کے آئینہ خانہ میں ایک حسین عکس ابھرا ۔ سفید سرخی مائل رنگ ، کانوں میں چمکتے بندے ، ہونٹوں پر مسّی کی دھڑی ، جو اُن کے چہرے کو پُرکشش بنا رہی تھی ۔ ہاتھوں میں کنگن کے علاوہ حیدرآبادی اصلی نگوں کے چوڑیوں کا جوڑا ، منتیجی کی ساڑی ، پاؤں میں پازیب اور توڑے ۔ دکنی تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر ، خراماں خراماں چلتے ہوئے آئیں ۔ پوری محفل میں وہ مجھے جاذب نظر لگیں ۔ کئی زمانے تک حافظے سے اس شخصیت کو محو نہ کر سکی ۔

زندگی تیزی سے آگے بڑھتی رہی اور پھر میں نے اُنہیں اسٹیج پر شعر سنانے دیکھا ۔ یہ میرے طالب علمی کا زمانہ تھا اب میں آپ کا نام جان سکی اُن کے تخیّل کی رنگینی اور شعر کی زبان ۔ آپا نے تحت اللفظ میں

اپنی غزل سنائی۔

زمانہ نشیب و فراز کی منزلوں سے گزرتا رہا۔ پھر بیں نے ماہ نامہ "خاتون دکن" آپ کے نام بھیجوایا اور آپا نے کئی غزلیں "خاتونِ دکن" میں اشاعت کے لیے دیں۔ میں ایک محفل میں عظمت آپا سے ملی اور اُن کا شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت اپنائیت سے ملیں۔ اُن سے باتیں کرنے میں ایسا محسوس ہوا جیسے پیار کا ساگر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ آپا نے غزلوں کا رات" متانا شروع کیا جس میں حیدرآباد کے موسیقار خواتین کی غزلیں اپنی آواز میں سناتے۔ نمائش کلب اور رویندرا بھارتی میں یہ پروگرام پیش کیے جاتے اور بہت ہی کامیاب طریقہ پر محفلیں سجائی جاتیں۔ آپا کا مسکراتے ہوئے دیکھنا مجھے آج بھی یاد ہے ایسا لگتا جیسے وہ خواتین کو آواز دے رہی ہوں۔

آپا نے محفلِ خواتین کے ایک جلسہ کی صدارت کے لیے کہا۔ آپا جب بھی خواہش کرتیں میں آپا کی خواہش پوری کرتی۔ ایک دفعہ جب کہ میری صدارت تھی عظمت آپا نے اپنی غزل خود سنانے کی بجائے کسی اور کو سنانے کے لئے کہا۔ انھوں نے کہا کہ میری آنکھوں کو اب کم نظر آنے لگا ہے پھر کہنے لگیں اللہ نے ان آنکھوں کو بہت کچھ دکھایا۔ وہ جتنا بھی دکھایا میں خوش ہوں۔ اُن کے الفاظ درد سے معمور تھے اُن کا درد الفاظ میں سمٹ آیا تھا۔ پھر بھی وہ کہہ رہی تھیں اللہ کا شکر ہے آواز کے اتار چڑھاؤ سے اُن کا درد مجھ سے چھپا!

نہ رہ سکا۔

ذہن کے پردے پر پھر کچھ لہریں اٹھیں۔ یادوں کے دیئے جلنے لگے اور ذہن میں ماضی کے آئینہ خانے سج گئے۔ آپا اور شاداں ایرپورٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے جب آپا کو دیکھا تو ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آپا نے کہا۔ آج کل تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے زیور پہنتی ہی نہیں۔ یہ شاداں بھی نہیں پہنتی۔ میں تو بہت زیور پہنا کرتی تھی۔ بلکہ دن رات پہنے رہتی گلے میں، ہاتھوں میں اور پیر میں پازیب توڑے۔ اس زمانے میں ہم اڈیکمیٹ میں رہتے تھے جب یہ علاقہ ویران تھا سب مجھے ڈراتے کہ اگر چور آئے گا تو تمہارے پیر کاٹ کر زیور لے جائے گا۔ میں کبھی دیکھا جائے گا۔ لیکن میں پہنے ضرور رہتی۔ اتنے میں شاداں نے کہا ماں دُرِ شہوار! میری نظریں بھی ان کی جانب اُٹھ گئیں پیری جمال شخصیت کی حامل شرتنں خاتون گیٹ کی جانب بڑھنے لگیں۔ میرے ذہن میں ماضی کی تاریخ اپنے اوراق الٹنے لگی۔

ترک قوم جو کبھی قیادت کے منصب پر فائز تھی یہ خلافت عثمانیہ کا زمانہ تھا ترک تین برآعظم یورپ، ایشیاء اور افریقہ پر حکومت کرتے تھے ترکوں کے زوال کے بعد یہ خاتون آصف جاہی خاندان کی فرد بنیں۔ آصف جاہی خاندان کا جاہ و جلال، پھر زوال، سب ہی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ آپا نے مجھے خاموش

مجھ کو پوچھا! کہاں پہونچ گئیں اور کیا سوچ رہی ہو۔ میں نے کہا
خلافتِ عثمانیہ کے بارے میں اور سلطنتِ آصفیہ کے بارے میں۔
عظمت آپا پہلے تو مسکرائیں اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے
لگیں —— یہاں کا تو چراغ ہی گل ہو گیا۔

آپا اور بھائی دونوں ہمارے گھر آئے۔ محفلِ خواتین کا کچھ کام
سونپنا چاہا۔ میں معذرت چاہی کیوں کہ مجھے انڈیا سے باہر
جانا تھا۔ اس وقت آپا سے کافی باتیں ہوئیں۔ ان کے خطوط کی
دلکشی اور الفاظ کی سیپیاں جن میں ان کی فکر کے موتی بند تھے
میں جان سکی۔

ایک عرصے تک آپا سے ملاقات نہ ہو سکی۔ جب میں ملی آپا کمزور
ضرور نظر آئیں۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگیں ایک رات مجھے دل میں
شدید تکلیف ہوئی اور میں تکیے کو سینے سے دبائے ہوئے صبح کا انتظار
کرتی رہی۔ اس لئے کہ قیوم صاحب سوئے ہوئے تھے۔ یہ تھیں
عظمت آپا جو خاموشی سے اذیت برداشت کرتی رہیں؟
میں سوچنے لگی صبر و تحمل، ضبط و استقلال ہمدرد و غم خوارِ خلق کا
کا مجسمہ، محبت کے خزانے لٹانے والی صرف عورت ہی ہو سکتی ہے
جو اس طرح کر سکتی ہے اس سہاگن نے تو عجیب سا حرکت کی ——
ہیرے کے جگر کو پھول کی پتی سے کاٹنے کی ترکیب — آپ کو اچھی
سوجھی مگر اس طرح کرنا کسی حادثے کو دعوت دے سکتا ہے۔

کرے آئندہ ایسا کبھی نہ ہو۔ مگر آپ اس قسم کے رویے کو ترک
کر دیں۔
آپا مسکرانے لگیں اور کہا، ڈاکٹر منان صاحب نے بھی یہی
کہا کہ یہ تکلیف آپ نے کس طرح برداشت کی۔ بچوں کے تعلیمی
سلسلے کی وجہ سے میں بنگلور میں رہی۔ جب میں آئی تو تبسم
نے یہ خبر سنائی کہ عظمت آپا ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئیں۔ میں
تڑپ کر غم سے کانپ اٹھی۔
اللہ کی مرضی یہی تھی۔ گو عظمت آپا آج ہم میں نہیں لیکن
آج بھی پرانی یادیں میرے ذہن میں جاگ رہی ہیں ◢

(نوٹ:۔ یہ مضمون محترمہ عظمت عبدالقیوم کی
دسویں برسی کے موقع پر "میرا شہر میرے لوگ" کی
جانب سے شاہ منزل میں منعقدہ ادبی اجلاس ۱۲ رمئی ۹۸ء
میں پڑھا گیا تھا)

پروفیسر قادری بیگم
(چند یادیں)

سبک رفتار زمانہ، ماہ و سال کو اپنے دامن میں لئے اپنی منزلیں طئے کر رہا ہے۔ ماضی کو خواب و خیال تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن زندگی کے اہم ترین حصے عبارت ہیں ماضی سے، یہ وہ زمانہ تھا جب خواب دیکھے جاتے اور تعبیر کے لئے کوشاں ہو جاتے۔ میں اُس وقت کی بات کہہ رہی ہوں جب میں ویمینس کالج کی طالبہ تھی۔

کالج کے بڑے بڑے لان، گھنے درخت، گل دیا سمین اور گلاب صدر بلڈنگ کے دونوں جانب زینے، مرمر کی سیڑھیاں، لانبے ستون دربار ہال کے قد آدم آئینے، دربار ہال میں دئیے جانے والے لکچرس، ڈرامے رقص و موسیقی کی محفلیں، مشاعرے، میر، ذوق، غالب اور اقبال کے اشعار پر پیش کیے جانے والے مرقعے، کالج ڈے، فریشر ڈے، فیرول ڈے کے انتخابات جو آج بھی بھلائے نہیں جاتے۔

MAIN بلڈنگ میں آرٹس کی کلاسس اور پچھلے حصہ میں سائنس

کی کلاسس اور LABS ہیں۔ بعض لیکچرس روم اتنے بڑے کہ وقت
واحد میں ۱۵۰ طالبات کے بیٹھنے کی گنجائش رکھتے ہیں۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا

یہاں میرا مطلب محترمہ مسز رضوی یعنی قادری آپا سے ہے جو
میری شفیق اُستاد ہیں۔ نام سنبھل کر لیتے تو اچھا ہے۔ اگر کہیں پھسل جائے
تو معافی کی خواستگار ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ اس خاکِ وطن سے جلیل القدر عالم و فاضل جن
کے نام علمی دنیا میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اُن ہی میں قادری آپا ہیں۔ آج
مجھے آپا پر لکھتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے۔

میں یہاں ایک واقعہ بیان کرنا چاہوں گی۔ جب علامہ اقبال کو
سر کے خطاب کی پیشکش کی گئی تو علامہ اقبال نے اس خطاب کو قبول
کرنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ پہلے ان کے اُستاد مولانا میر حسن کی خدمت کا
اعتراف کیا جائے۔ علامہ اقبال سے دریافت کیا گیا کہ مولانا کی کوئی تصنیف
ہے؟ تو علامہ اقبال کا جواب تھا۔ میں خود اُن کی تصنیف ہوں۔ اس
طرح اقبال کو خطاب عطا کرنے سے قبل مولانا سید میر حسن کو شمس العلماء
کا خطاب دیا گیا۔ پتہ نہیں آپا کے کتنے شاگرد ہیں جو دنیا کے ہر حصہ میں
پھیلے ہوئے ہوں گے اور آپا ہم تمام کی کتاب ہیں
میں جب STUDENT تھی آپا کیمسٹری کی استاد تھیں اتفاق سے میرا نام

پریکٹیکل میں بھی آپا کے پاس ہی تھا ہماری کیمسٹری کی پہلی کلاس میں آپا داخل ہوئیں۔ متناسب جسم، سفید ساڑی پہ آسمانی چھوٹی سفید بلوز۔ ایک رجسٹر، دو تین کتابیں، کاندھے پر لٹکا کالا بیگ، مسکراتی آنکھیں، مسکراتے ہونٹ بلکہ پورا وجود مسکراتا ہوا محسوس ہوا۔ دکن کی روایت کے مطابق آپا نے ہم سب کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ میں آپ لوگوں کو مبارکباد دیتی ہوں کہ آپ کو کالج کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے اور اب آپ لوگ ذمہ دار طالب علم ہیں۔
تھوڑا رک کر پھر آپا کی بلند اور خوشگوار آواز گونجی۔ کیمسٹری بہت ہی مشکل SUBJECT ہے بہت جلد ذہن سے محو ہو جاتا ہے لیکن اس کو یاد کرنے کی ایک آسان ترکیب ہے۔ ہم سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ مسکراتے ہوئے جملے پر زور دیتے ہوئے کہنے لگیں کہ اسے روز پڑھنا چاہیئے بس یہی ایک آسان ترکیب ہے۔ چلیئے ہمیں نسخہ کیمیا ہاتھ لگ گیا
جب کلاس شروع ہوتی۔ کلاس میں، LAB میں پریکٹیکل کے درمیان، ریکارڈس کی تصحیح اور دستخط کے لیئے، اس طرح ہمیں آپا کے علمی فیضان و صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔
آپا کی وضعداری، طبیعت کی سادگی، فرض شناسی۔ ایسا لگتا کہ آپا کے منتظر ہم طالبات ہی سب کچھ ہیں۔ کلاس میں داخل ہوئیں ATTENDENCE لینے کے بعد MAIN HEADING بورڈ پر لکھ دیتیں۔ کتابوں کو بہت کم

دیکھتیں۔ آپا کا حافظہ بلا کا ہے بس زبانی لیکچر شروع کر دیتیں۔ ہاتھوں کے اشارے سے آواز کے اتار چڑھاؤ سے اور بلیک بورڈ پر فارمولے لکھتے ہوئے اور ان کو کس طرح BALANCE کیا جائے گا۔ کیمسٹری میں یہ چیز بہت اہم مانی جاتی ہے BENZEN کا ایک E نکال دیں ایک مرکب تیار دوسرا نکال دیں دوسرا مرکب تیار پھر اور ایک E نکال دیں تیسرا۔ اس طرح BALANCE کرتے کرتے آپا کی زندگی بھی ترازو کے دو پلڑوں کی طرح جس میں کسی READER کی ضرورت نہیں "BALANCE" ہی BALANCE محسوس ہوتے تھی۔

کیمسٹری کا کوئی بھی حصہ ہو، یعنی میرا مطلب 'PHYSICAL' یا 'INORGANIC' یا ORGANIC۔ اس طرح پڑھاتیں جس طرح ہائیڈروکلورک ایسڈ میں سنگ مرمر گھلا جاتا ہے۔ اس طرح پڑھانے والے اور پڑھنے والے ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے اور صرف کیمسٹری باقی رہ جاتی۔

پریکٹیکل کلاس میں۔ دیکھو صالحہ TITRATION کے درمیان اگر سلوشن دیوار کو لگ کر گرے گا تو READING میں فرق آجائے گا، احتیاط کرو۔ ہر چیز میں احتیاط کو ملحوظ رکھنے آج بھی دل چاہتا ہے۔

ایک دن میں اور میرے ساتھی بیگمس گارڈن میں بیٹھے ہوئے تھے ایک لڑکی نے آکر مجھ سے کہا۔ قادری آپا بلا رہی ہیں۔ ہم سب مل کر گئے۔ آپا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا سائنس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے ڈرائیٹ شو پیش کیا جا رہا ہے' ڈرامے میں' میں تمہیں لی ہوں۔ میں نے کہا آپا مجھے

ہاں تمہیں — ایسا انداز کہ شہنشاہ جہانگیر کے عدل کی زنجیر بھی کام نہ آسکی
تو یہ تمہارا کردار ہے' یاد کرلو۔ کلاسس کے بعد دربار ہال میں
آجانا۔ جب ہم دربار ہال میں جمع تھے کالج کی نشو پیر لڑکی کو نوکر کا پارٹ
دیا گیا۔ بہت ہی خوبصورت نازک سی لڑکی" پھر "جواب ڈاکٹر ہے دلہن
کا کردار' ایک کو دولہا' پولس کانسٹبل دلہن کے والد کا رول مجھے ادا کرنا تھا
مرکزی کردار تو نوکر ہی کا تھا۔ دلہن کو پھولوں کے جھرمٹ میں اسٹیج پر مسند
پر بٹھا کر سہیلیاں گانا گاتی ہیں۔ دلہن کے ہاتھ تھان دیکھو ادرک کے پنجے
دیکھو' دلہن کے لونگ لیاں دیکھو ہاتھی کے کان دیکھو۔ اس طرح دلہن کی
خوبصورتی کی تعریف کی گئی کہ پورا دربار قہقہوں سے گونج اٹھا۔ قادری آپا
اس ڈرامہ کی ہدایت کار تھیں۔ آپا کے ہر دلعزیز ہونے کا اندازہ اس سے ہوتا
ہے کہ جب ان کے پرانے اسٹوڈنٹس کو اطلاع ہوئی کہ یہ شو قادری آپا
پیش کر رہی ہیں تو غزلیات' قوالی اور ڈانس کے لئے کئی طالبات آپا کے
پاس آئیں۔ بہرحال یہ شو ہر طرح سے کامیاب رہا۔

آپا سے میں جب بھی ملی۔ انہیں پرسکون پایا۔ آپ کی زبانی میں
نے کبھی مایوسی کی باتیں نہیں سنی۔ یہ ہمیشہ انسانی عظمت اور زندگی کی اعلیٰ ترین
قدروں کی پاسداری کرتی ہوئی پائی گئیں۔

ایک دن کیمسٹری لیب کے سامنے ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ دور سے ایک سپاہی
آتا ہوا نظر آیا۔ جب قریب آیا تو ہم لوگ مسکرانے لگے اور آپا بھی N.C.C
کے لباس میں ملبوس سینے پر دو تین تمغے سجائے آزادی کے پرچم تلے حب الوطنی

کے جذبہ سے سرشار ان جابدہ کو ہم دیکھتے رہ گئے اور یہ ہمیں HISH ANA کرتے ہوئے اسٹاف روم میں چلی گئیں۔ اور ہم دیکھا کئے انہیں کو جہاں تک نظر گئی"

پھر پتہ چلا کہ آپا نے تعلیم و تربیت کی پاسداری کی ذمہ داری اچھی طرح نبھائی۔ یعنی ویمنس کالج کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔

قادری آپا ایک بہت ہی اچھی مقرر ہیں۔ قادر الکلامی، صحیح بیان الفاظ کا صحیح استعمال، خیالات و مطالب کی بلند پروازی اِن کا خاص وصف ہے۔ تقریر میں بے ساختہ پن، جوش و خروش، خدا نے آپا کو علم کی دولت سے مالا مال کیا ہے جس پر ہمیں ناز ہے۔

جب میں اپنا رزلٹ دیکھ کر ویمنس کالج سے رخصت ہوئی، خوشی کے باوجود میری آنکھوں میں آنسو اور دل میں ٹیس تھی۔ یہ ٹیس آج بھی کبھی کبھی محسوس ہوتی ہے۔

اُن بیتے ہوئے دنوں کو آنکھوں کے سامنے لانے اور اُن میں کھو جانے کو آج بھی دل چاہتا ہے۔



عزیز النساء صبا کی شخصیت

فن کے آئینہ میں

عزیز النساء صبا کا مجموعۂ کلام "موج صبا" میری نظروں کے سامنے ہے میرے دل نے چاہا کہ میں اپنی دوست کے بارے میں کچھ لکھوں عزیزیہ ہائی اسکول معظم جاہی مارکٹ میں ہم دونوں نے تعلیم حاصل کی ہے میں یہ کہہ رہی ہوں تو ذہن میں یادوں کے آئینہ خانے سج سے گئے ہیں اور آنکھوں کے آگے قوسِ قزح کے رنگ بکھرنے لگے ہیں۔ اب جبکہ میں یہ سنا رہی ہوں یقین ہے یہی مناظر صبا کے آنکھوں میں بھی گھوم رہے ہوں گے مرمر کی طرح صاف شفاف رنگ، دراز قد، آتی جاتی، کبھی کبھار سرخ گلاب بالوں میں سجائے آنکھوں میں سمندر کی اتاہ گہرائیاں، کبھی شرارت، ہونٹوں پر سمٹا تبسم، کتابیں ہاتھ میں لئے تیزی سے اسکول کی سیڑھیاں طے کرتی ہوئی کلاس روم میں آئیں۔ کتابیں اپنی سیٹ پر رکھنے کے بعد آنگن میں آجائیں گی

نسیم کے جھاڑ کے زیرِ سائے سائبان میں پاکستان و ہندوستان کی جانی پہچانی شاعرہ محترمہ وحیدہ نسیم موجود رہیں گی یا پھر ہم طالبات اُن کا انتظار کریں گی۔

محترمہ وحیدہ نسیم کلاس میں ٹیچر۔ لیکن اسکول کی گھنٹی سے پہلے اور بعد وہ ایک مشفق ہستی ٹھیٹ لکھنوی زبان میں لپنے واردات قلبی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر وہ رنگ و روپ دیں گی کہ بس اُن کی باتیں سُنتے ہی رہنے کو جی چاہے گا۔ زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد کی ترجمانی، کبھی اقبال، کبھی رومی، میر، غالب، درد، داغ اور دوسرے شاعروں کے بارے میں عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلق خود اپنے اشعار سنائیں گی۔

محترمہ وحیدہ نسیم نے ہم میں سے کچھ طالبات پر ایک نظم لکھی تھی، جس کا عنوان تھا " لٹا ہوا کارواں " اِس کو لیڈی حیدری کلب میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ نظم ایک مسلسل مرقع کے طور پر جس کا ایک کردار میں بھی تھی اور میری دو بہنیں صبیحہ سعید اور صابرہ سعید تھیں۔ اس نظم کے کرداروں کا تعارف ایکٹنگ کے ذریعہ بتلاتے ہوئے ایک درویش اپنی آواز میں سب کو مخاطب کر رہا تھا۔ جو صبا تھی۔

صبا اپنے پہلو میں ایک دردِ مندِ دل رکھتی ہے جب ہی تو خدمتِ خلق کے جذبے کے ساتھ نرسنگ کی پڑھائی شروع کی۔ اس طرح درد کا درماں ڈھونڈنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہیں۔

بہن

پھر ٹریننگ کالج اور ملازمت وغیرہ کے بعد ہم دونوں کے راستے الگ ہو گئے
لیکن ہماری رفاقت قائم رہی۔ میں یہاں اپنی سہیلیوں کو ٹیبٹ
پر جیتی۔ ... میں محترمہ عظمت عبدالقیوم نے غزلوں کی ...
مقابلے کا اہتمام کیا۔ اتفاق سے صبا اور میں دونوں ہی آ بیٹھے کر رہے
تھے سامنے سے محترمہ ... آئیں اور صبا کو دیکھ کر کہنے لگیں
"صبا تم آج بڑی حسین لگ رہی ہو" گلے میں حیدرآبادی ... سر پر
ساڑی کا ... پلو ... سچ یونانی مجسمہ کی طرح خوبصورت
لگ رہی تھی۔

شاعر کے لئے خیالات تو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ الفاظ
کی مدد سے مصور کی طرح نقاشی کرنا۔ کہیں شگفتگی کہیں تخیل
تشبیہ۔ جدت، حسن خیال، دل نشین انداز، اس پر ترنم سریلی
آواز۔ اس طرح صبا نے اپنی واردات قلبی کو شاعری کا پیرہن
پہنایا اور داد سخن حاصل کرتی رہی ہیں۔ صبا نے بہت کچھ لکھا
کئی مشاعرے لوٹے۔ ہندوستان و پاکستان کے رسالوں اخبارات
میں صبا کی نظمیں، غزلیں چھپیں۔

وقت کی پرواز قائم ہے وہ لمحات جو وقت کی پہنائیوں میں
تحلیل ہو چکے۔ کافی عرصے تک میں صبا سے نہیں مل سکی۔ محفل خواتین کے
ایک جلسہ میں جو ابوالکلام آزاد ہال میں تھا صبا ... سے ملی ... خوش
تھی وہ ایک حادثہ سے دوچار ہو چکی تھی۔ میں نے پوچھا کیسی ہو۔ صبا نے

کہا ٹھیک ہوں۔ زندگی بھر ساتھ چلنے کا جو وعدہ کیا تھا۔ اللہ کی مرضی کے آگے نبھا نہ سکے۔ میں دل مسوس کر رہ گئی۔ روح کے زخم دکھائے نہیں جاتے پر محسوس کئے جاتے ہیں زندگی کے ان گنت زخموں کو الفاظ کے سہارے کاغذ کے پیرہن پر بکھیرتی رہی۔ اُس کی آواز میں آزردگی تھی۔ ع

ہے اب میری حیات میں کیا آپ کے بغیر

کچھ لطفِ زندگی نہ رہا آپ کے بغیر

دو گام ساتھ دے کے محبت کی راہ میں

اچھا مذاق تم نے کیا زندگی کے ساتھ

فنکار کے دل کی دھڑکن فن میں جذب ہو جائے تو فن نکھر آتا ہے وہ غزل سُنا رہی تھی اور میرے دل پر چوٹ لگ رہی تھی کہ میں اب پھر اُس سے دوبارہ ملنے کی تاب کہاں۔ محفل کے اختتام سے پہلے ہی میں وہاں سے چلی آئی۔ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری جانب سے آواز آئی۔ صالحہ میں صبا بول رہی ہوں۔ تم نے یہ کیا انداز اپنایا ہے بلاتی ہو آتی ہو۔ کل تمہیں آنا ہے۔ نہیں صبا۔ ہفتہ اتوار تعطیل رہتی ہے بچے آجاتے ہیں اس لیے مشکل ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ میں وقت پر پہنچ جاؤں گی۔

جب میں پہنچی۔ وہی خلوص وہی مروت وہی تبسم۔ میں نے دل میں کہا۔ صبا بس تم جاتی ہو۔ صبا میں بہت ساری خوبیاں

یعنی سر علم حیات کی تلاش میں سرگرداں، زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد
کا انکشاف یہ ہے صبا کے کلام کا تقاضا ہے۔ اب میں صبا کے فن کے بارے
میں کچھ کہنا چاہوں گی شاعر کا تعلق آہنگ و اوزان سے ہے۔
الفاظ میں مناسب ہم آہنگی ہو تو فن کا حسن خود بہ خود نکھر آتا ہے
شاعر الفاظ کا سہارا لے کر خیال کو شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے اور
جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔
سرورِ کونین کے حضور میں صبا نے جو نذرانہ
عقیدت کے پھول برسائے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ ع

انبیاء کیا ملائک اور کیا جن و بشر
کی خدا نے خود ثنائے رحمت اللعالمین

دیکھا انداز حسین جذبۂ عقیدت رحمت اللعالمینؐ کی شان میں۔

کبھی یٰسین، کبھی طٰہٰ کبھی قرآں کبھی فرقاں
تمہیں ہر نام سے رب نے پکارا یارسول اللہ

صبا کے یہاں تشبیہات، جاذبیت، روانی، سوز و گداز
ملو۔ اس کے ذوقِ نظر و خیال کی داد دینا ہی پڑے گا اور اس
پر خوش الحانی۔ ع

دھیمے دھیمے شعلے بھی ہیں اشکوں کی پروائی میں
میٹھے میٹھے بول ہیں غم کے یادوں کی شہنائی میں

غزل گوئی کے فن پر صبا کی گرفت مضبوط ہے اس کا اپنا مزاج

ہے غم فراق ہو کہ نشاطِ وصل انھوں نے اپنے انداز سے اپنے واردات قلبی کو پیش کیا ہے

دل کے زخموں سے چلی آتی ہے وفا کی خوشبو
زخم چھپ جائیں گے خوشبو کو چھپاؤں کیسے

وہ اشک اپنی آنکھوں میں جن کو پالا تھا
کیسے خبر تھی وہی ہم پہ مسکرائیں گے

جو دل پہ گزرتی ہے اس کا دل میں اتر جانے والا انداز ملاحظہ کیجیے

مجھے قبول نہیں دردِ دل کی رسوائی
تم اپنے دل میں ابھی دل کی بات رہنے دو

زبان کی سادگی، درد کی کسک کی ایک اچھی مثال

باتیں نشتر، لہجہ برہم :: ایک جگہ ہے شعلہ و شبنم

دل کی کسک، تڑپ، خیالات کی شائستگی جو ضیا کی انفرادیت ہے ضیا کے یہ دو شعر

اک وہی بات ہم سنا نہ سکے
بات جو تھی انھیں سنانے کی

آج پھر یاد آ گئی ان کی
کی تھی کوشش جنھیں بھلانے کی

اضطرابِ قلب کا دلکش انداز ان اشعار میں محسوس کیجیے۔

آدابِ محبت کی کیا شان بڑھا دی ہے :: ہم نے تہہ خنجر بھی قاتل کو دعا دی ہے

تلخیٔ زیست کو محسوس کرنا اور مسکرانا صبا کا خاصہ ہے غم پنہاں
غم جاناں دونوں کی ترجمانی ملے گی، مہکتے جذبات، شگفتہ روی، صبا
چل رہی ہے فکر و فن کی خوشبو بکھیرتے ہوئے۔ صبا کا یہ شعر جو مجھے بہت
اچھا لگا ع ان کے ہونٹوں پہ اچانک جو تبسم ابھرا
ہم نے سمجھا کوئی پیغام صبا لائی ہے

صبا نے نظمیں بھی کہی ہیں جو موج صبا کی زینت بنی ہوئی ہیں مگر
سچ پوچھئے تو صبا غزل کی دلدادہ ہے اور اسی میں اس کا رنگ نکھرا ہوا ہے
موج صبا اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

کتاب کا گٹ اپ اچھا ہے پرنٹ خوبصورت، کاغذ نفیس اور
نفاست سے چھپی ہے" القلم" اکیڈمی کراچی شکریہ کی مستحق ہے۔

میری دعا ہے کہ صبا کے فکر و فن کی خوشبوئیں یوں ہی بکھرتی رہیں۔ موج
در موج، صدف صدف، گہر گہر اس کی تابناکی میں اضافہ ہوتا ہی رہے۔

رہ گذارِ سخن

اطہری نضاء کا مجموعۂ کلام

اطہری فضار نے اپنی کتاب کا مسودہ مجھے دیا اور خواہش کی کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ دکن کی سرزمین اردو ادب کا گہوارہ رہی ہے اس سرزمین نے کئی فنکاروں کو جنم دیا۔ انھیں میں اطہری نضار بھی شامل ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ شاعرہ کے کلام کے مطالعے سے پہلے خود شاعرہ کا تعارف بھی ضروری ہے زیرِ نظر کتاب میری نظروں کے سامنے ہے اور میں یادوں کی گھنیری چھاؤں میں تھوڑی دیر سستانا چاہوں گی گو اس کو گذرے تھوڑی مدت ضرور ہوئی ہے لیکن تصورات کی دھوپ چھاؤں میں یہ منظر آنکھوں سے گو اوجھل ضرور ہے لیکن ذہن کے پردے پر محفوظ ہے۔ فضار سے میں پہلی بار پچھلے سال محفل خواتین کی ماہانہ تقریب میں ملی تھی۔ اتفاق سے صدارت مجھے سونپی گئی تھی اطہری فضار نے مجھ سے اجازت چاہی پھر دھیمے سُروں میں پُر اثر ترنم کے ساتھ اپنی غزل سُنانا شروع کی۔ بے شکن پیشانی، تجسس بھری آنکھیں سامعین پر

نظر اٹھاتے ہوئے پھر نگاہ نیچی کرتے جیسے اپنے آپ سے چھپ رہی ہوں
ان کا ذہن حسین تخیلات کا گہوارہ اور ان کے سراپے میں مجھے بے پایاں
سکون محسوس ہوا۔ محفل ختم ہونے کے بعد میں نے انھیں مبارکباد دی
فضا نے اپنا تعارف کرایا۔ کچھ دنوں بعد فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف
سے بہت ہی پُرسکون اور محبت بھری آواز آئی۔ آپا میرا دیوان خانہ
چھوٹا سا ہے اس میں جتنے لوگ سما سکتے ہوں، ان کو میں نے عید ملاپ
کی تقریب میں مدعو کیا ہے مجھے اُمید ہے آپ ضرور آئیں گی جب میں
گھر پہنچی تو کافی لوگ تھے۔ فضا نے اپنی والدہ سے میرا تعارف کروایا
اُن کی دُعائیں لیتے ہوئے میں اطہری کے تینوں بچوں سے ملی جو تعلیم
کے زیور سے آراستہ اپنی منزلیں متعین کیے نشانِ منزل کی جانب
بڑھ رہے ہیں۔

اطہری فضا کی کتاب کا نام رہ گذارِ سخن ہے جس میں حمد باری تعالیٰ
نعت رسول، نظمیں، غزلیں، قطعات شامل ہیں شاعر شعر کو
موزوں الفاظ کے استعمال سے اس طرح سجاتا ہے جس طرح مصور رنگ
سے اپنی تصویر کو۔

فضا کی شاعری ان کے اپنے افکار کا نچوڑ ہے انھوں نے زندگی
کو جذب کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ہمیشہ اپنی شاعری کی نوک پلک
سنوارنے میں مصروف رہتی ہیں ان کی شاعری میں ان کی دل کی دھڑکن

محسوس کیا ہے۔

ساری دنیا پہ ہے یہ رازِ حقیقت روشن
زہر کا جام صداقت میں پیا جاتا ہے
فکر و دانش کی الگ ہوتی ہے تعلیم قصنار
عقل مکتب کی طرح درس دیا جاتا ہے

شاعری کو اپنے تجربوں کے ڈھانچے میں ڈھال کر زندگی کی لطافت
اور احساس کی نزاکت قصنار کے یہاں ملاحظہ کیجئے۔

گزرے لمحوں کی ہے سوغات کہ یادوں کے نقوش
ہم نے رکھی ہے کھلی عمرِ گذشتہ کی کتاب
سمجھوتہ کر کے وقت کیسے حالات سے سدا
قاتل سے اپنے دیکھ کبھی خوں بہا نہ مانگ

اطہری قصنار کے پاس غمِ جاناں و غمِ دوراں دونوں کا ہی عکس
قارئین کو ملے گا جو شاعر کی ذات سے گذر کر ان کے اشعار میں سمایا ہے

ہم سے شنا پائیں گے کس طرح کہانی غم کی
ہم تو رو رو کے بھی کچھ اور شگفتہ ہوں گے

خود کو پتھر بنا لیا میں نے ⁘ دل کو اپنے جلا لیا میں نے

اطہری قصنار کی یہ پہلی کتاب ہے دعا ہے کہ ان کا ذوق اور بڑھے

خاتونِ دکن

میرے لیے دبستان اور گلستان کے مترادف گُل ہائے گوناگوں کا گلدستہ جس میں "گُلِ تازہ" کی مہک بھی شامل ہے اس نے مجھے بزم آرائیوں سے آشنا کیا۔ ملک کے کونے کونے سے نامور ادیبوں، شاعروں، انشاپردازوں، ڈرامہ نگاروں، تبصرہ نگاروں وغیرہ کے پاس سے آنے والے مضامین، غزلیں، نظمیں، افسانے، ڈرامے، انشائیے، خطوط وغیرہ کی چھپائی ہیں، ان کو پڑھ کر میں نے جانا کہ زندگی حسین تبدیلیوں کی تعبیر ہے۔ آج جن کے دھندلے عکس مجھے حال و مستقبل کی جھلک دکھلاتے ہیں ماضی کی چند بھولی بسری یادیں جب حال کے آئینے میں نظر آتی ہیں تو انھیں دیکھ کر مسرور بھی ہوتی ہوں اور افسردہ بھی جو آنکھوں کو آنسوؤں سے بھگو دیتی ہیں۔

وقت کی تیز رو مجھے میری سرزمین سے بہت دور بہا کر لے گئی اور "خاتونِ دکن" جو ایک تناور درخت بن چکا تھا جسے میں اپنا دبستان اور گلستان سمجھتی تھی وہ خزاں کے نذر ہو گیا لیکن "خاتونِ دکن" جس میں گُلِ تازہ کی مہک ہے جب تک اردو زبان

زندہ ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اس کی خوشبو ضرور باقی رہے گی ۔
کاش میں اسے دوبارہ زندگی دے سکتی اور پھر سے اسے پھلتے
پھولتے دیکھ سکتی ۔

صالحہ الطاف

ماؤنٹ بلانک

(اویس اور مریم کے ساتھ ایک یادگار سفر)

اویس سرمد۔ میرے لڑکے نے کہا چلیئے ممی پپا آج ماؤنٹ بلانک چلتے ہیں۔ میں الطاف۔ اویس، مریم اویس اور اُس کے دونوں لڑکے صہیب اور اسامہ بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ ماؤنٹ بلانک دُنیا کی دوسرے نمبر پر پہاڑ کی بلند چوٹی ہے۔

(ALPS) الپس کے پہاڑ۔ کوہ جو فرانس اور سوئٹزرلینڈ اٹھیں پہاڑیوں اور وادیوں کے دامن میں پھیلے ہوئے ہیں اور دُنیا کے خوبصورت شہر ما سجاتے ہیں ہری بھری ڈھلانیں۔ پہاڑوں سے گھری وادیاں، پھولوں سے لدے پودے، پیپل، ریڈ اوک، سرو، شمشاد کے کئی کئی فٹ بلند درخت، شبنم کے قطروں سے جھکی جھکی ڈالیاں، اُن سے ٹپکتے ہوئے ٹھنڈے قطرے، جھاڑیوں میں نغمہ بکھیرتی ہوائیں، درختوں کے سائے میں سوسن و لالہ کے پھول مسکراتے ہوئے، خودرو گلاب کے

انگور کی بیلیں، ناسپاتی، سیب، پیرس کے باغات ایسا لگ رہا تھا کہ وقت کی پلکوں میں سکون ہی سکون ہے ویسے بھی فرانس، سوئٹزرلینڈ کو لالہ زاروں اور باغات کا ملک کہنا بیجا نہ ہوگا۔
پہاڑی ڈھلانوں میں جھرنے زور و شور سے رواں دواں، پانی صاف و شفاف، ہم نے کچھ دیر کے لئے کار روک دی۔ اور میں بہتے پانی کا ترانہ سننے لگی۔ اوپر نیلا آسمان ہر طرف پہاڑیاں اُن کے دامن میں شبنم سے وضو کیا ہوا سبزہ، پکے مکانات وچمنیوں سے اُٹھتا ہوا دھواں، دل چاہ رہا تھا کہ پکاروں "رک جائے گردش ایام تو"
پھر ہم نے اپنا سفر جاری رکھا، سلسلۂ الپس کی پہاڑیوں کا نظر آتے تھا الپس پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی ماونٹ بلانک ہے چوٹیوں پر جمی برف نظر آنے لگی۔ میں سوچنے لگی یہ پہاڑیاں زمانے کے کئی نشیب و فراز دیکھنے کے بعد جب بھی خاموش تھیں اور آج بھی خاموش ہیں دُور سورج کی روشنی میں کئی سال سے جمی برف چمک رہی تھی میرا دماغ قرآن کی آیتوں کو پڑھ رہا تھا جن میں باری تعالیٰ نے کہا تھا " ہم نے پہاڑوں کو زمین پر میخ کی طرح دھنسا دیا ہے۔ تم ہماری کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے"۔ اسی دم میرا جسم سردی سے کانپ کر رہ گیا۔ اب ہم دامنِ کوہ میں پہنچ چکے تھے۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ مجھے لگا تمام لوگ زندگی کے بے معنی خاکوں کی طرح ہیں۔ ہوائیں چپکے چپکے میرے کانوں میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ تم کیا پانا چاہتی ہو ـــــ میں نے کہا میں یہاں زندگی کو سمیٹنا

چاہتی ہوں۔ موسم بہت اچھا تھا TOURIST کچھ زیادہ ہی تھے۔ ان
میں اسکیٹنگ SKATING کے شوقین اور گلائیڈر بھی تھے فضاؤں میں اڑنے
پرندوں کی طرح خطرناک اڑان بھرنے والے زندہ دل لوگ۔ ان لوگوں کے
اپنے جوتوں پر چکری لگی ہوئی ہے یہ دوڑتے ہوئے گلائیڈر کے سہارے ہوا
میں کافی دیر تک اُڑتے رہتے ہیں آسمان کے نیلگوں فضاؤں میں اُڑنے
کا مزا اپنا کوئی ان سے پوچھے۔ میں سوچنے لگی کاش ان لوگوں کی
نظر بھی عقاب کی ہو جائیں۔ اپنی سمتیں، اپنی قوت اور اپنی فنکارانہ
صلاحیت سے رقص حیات کے لئے کوئی مضراب ڈھونڈ لیں اور زندگی
جو ایک نغمۂ پیہم کی طرح ہے اس کا رس نچوڑ لیں۔ زندگی کے ارتقاء کا
راز جان لیں۔ اور کائنات سے زندگی کا سبق لیں۔ لیکن مجھے ایسا لگا
جیسے روح مٹی کے ڈھیر میں بکھری قید ہے روح جو سکون چاہتی
ہے کاش وقت کی پرواز رک سکتی۔

اتنے میں ہماری ٹرالی کا نمبر اسکرین پر آگیا تقریباً ۵ مسافر ٹرالی
میں سوار ہوئے۔ سوئٹزر، فرانس، ایتھنس، اٹلی، گریس، پرتگیز،
مصر، چین، جاپان کے باشندے اور ہم ہندوستانی اس ٹرالی میں تھے
جیسے ہی ٹرالی زمین سے بلند ہونا شروع ہوئی۔ جامعہ ازہر کے طالبعلم
نے کچھ آیتیں پڑھنا شروع کیں۔ تقریباً ٹرالی کے مسافروں نے آمین
آمین کی صدائیں بلند کیں۔ الطاف نے کہا خیر سے اللہ کو یاد کرتے ہیں
نظروں کے سامنے لامتناہی فضا، سرمدی بلندیاں اور ابدی پستیاں

روئی کے گالوں جیسے بادلوں کے دوش پر ہماری ٹرالی بڑھ رہی تھی ۔ گندی
پندرہ ہزار فیٹ، لگ رہا تھا آسمان قریب آگیا ہو۔ خواب آلود
کوہساروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہماری ٹرالی رک گئی۔ اور ہم لکڑی
کے بنے پلیٹ فارم پر اُتر کر پہاڑ پر آگئے۔ سامنے ماؤنٹ بلانک کی چوٹی
نظر آرہی تھی جو سب سے بلند تھی اُس کا نظارہ ہم یہاں سے بہ آسانی
کر سکتے تھے۔ یہاں پر برف کو ہاتھ لگائیں تو اُس کی ٹھنڈک محسوس
نہیں ہو رہی تھی۔
کچھ لوگ برف پوش پہاڑیوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے کچھ برف
پر چل رہے تھے ان کے پیروں کے نشان کچھ دور تک نظر آرہے تھے
ماؤنٹ کلامبر (MOUNT CLIMPER) بہت سارے ساز و سامان
سے لدے کمر جھکائے یہاں سب ہی شوق سے آگے بڑھ رہے تھے
ہر قدم تول تول کر رکھتے ہوئے اور ناقابلِ عبور چٹانوں پر اپنے
پیروں کے نشان ثبت کر رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے عجیب سماں
تھا۔ بے ستون والا پھیلا ہوا آسمان، روئی کے گالے جیسے سفید کھڑے
بادلوں کو دیکھ کر مجھے وینس کا تبسم یاد آنے لگا۔ ہر طرف بادلوں کی دھند
خوابوں کی دُنیا۔ فلسفاتی نغزی بادل، میں سوچ رہی تھی یہاں طوفان بھی
اُٹھتے ہوں گے آندھیاں بھی چلتی ہوں گی دل دہلتے بھی ہوں گے۔ اسی دم ایک
کالی مینا کا جوڑا اڑتا ہوا آیا۔ کالے پر سرخ چونچ۔ بلندی پندرہ ہزار فیٹ
ہر طرف برف ہی برف ایسا لگا وقت کا کارواں روئی کے گالوں جیسے بادلوں

کے دیش پہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ایک دوشیزہ جو بہت حسین تھی میرے قریب
آکر نظارہ کرنے لگی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایتھنز کی رہنے والی
ہے میں نے کہا سقراط اور سکندر اعظم کے دیش کی رہنے والی ہو۔ ہاں۔
ہند کو فتح کرنے والے سکندر اعظم۔ کچھ دیر کے لئے میرا رشتہ ماضی سے
استوار ہو چلا۔ لیکن آنکھوں کے سامنے بادلوں کا رقص۔ برفانی چوٹیاں
گلیشیرز۔ دل میں خود بخود خوف پیدا ہونے لگا۔ پھر ہم پہاڑ میں بنی
راہ داری سے گزر کر ایک لفٹ کے پاس پہنچے۔ یہاں انسان کی فنکارانہ
صلاحیتوں کو داد دیئے بغیر کوئی چارہ نہ رہ سکا۔ پہاڑ کے اندر ڈرل کر کے
لفٹ لگائی گئی تھی۔ ڈارون کے انسان نے کیا ترقی کی۔ نہیں۔ اس نے تو ایک
تصویری پیشی کی۔ بس انسان کی محنت جادو کی قالین ہزار داستان آنکھوں
کے سامنے کچھ عجیب سماں، یہاں پر ہوا کا دباؤ کم تھا مجھے سانس لینے میں
تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ چوٹی کے پیچھے سورج کی کرنیں روپوش ہونے
لگیں اور دوسری طرف ایک گوشے سے چاند ابھرنے لگا۔ لیکن اس کا رخ
کچھ الگ تھا ہم پھر لفٹ سے پہلے STAGE پر اتر آئے۔ آنکھوں میں
مسرت، ہونٹوں پر اطمینان اور سکون کا تبسم لیئے مریم اویس اپنی گود
میں اسامہ کو لیئے ہمارا انتظار کر رہے تھے یہاں پر سامنے کچھ بکریاں
نظر آئیں جن کے کانوں میں TAG پڑے ہوئے تھے۔ جس سے اندازہ
ہوا یہ پالتو ہیں۔ یہاں پر بعض لوگ چھوٹی چھوٹی ٹرالی پر WIRE کے
سہارے پہاڑیوں کی چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے اٹلی جاتے ہوئے

نظر آئے۔ کہتے ہیں یہاں کے انجینئرس اتنے ماہر ہیں کہ آج تک کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ یہاں کہر میں گھرے ایک پہاڑ پر مجھے سنہلے شمعیں جل اٹھی ہوں۔ بادلوں سے ایسے لگ رہا تھا جیسے کافوری شمعیں جل اٹھی ہوں۔
میں ماونٹ ایورسٹ کے بارے میں سوچنے لگی۔ جس کی بلندی اس سے بھی زیادہ ہے لیکن افسوس کوئی ایسی سہولت نہیں کہ CLAMBER یا MOUNTO KING کے علاوہ کوئی عام آدمی وہاں جا سکے۔ لیکن نا امیدی کی کوئی بات نہیں۔ شاید مستقبل میں وہاں بھی ایسی سہولتیں سیاحوں کے لئے مہیا کر دی جائیں ◀

لندن کا برٹش میوزیم

یہاں داخلہ فری ہے۔ ۵۳۲۱۱ کیلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ عجائب گھر اپنی مثال آپ ہے اس کی خوبصورت بلڈنگ تمام عصری سائنٹیفک آلات سے مزین ہے وسیع و عریض گیلریز کو حسن دیدہ کاری سے سجایا گیا ہے یہاں دنیا کے انتہائی قیمتی نوادرات ہیں جن کو مختلف بادشاہوں کا قیمتی سرمایہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر وقت اور فرصت ہو تو اس میوزیم میں داخل ہونے والا کھو سا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ برٹش حملہ آور جن جن ملکوں پر حملہ آور ہوئے جیسے مصر، یونان، روم، فرانس، اٹلی ایتھنز، انڈیا اور EX - COLONIES وغیرہ۔ تب ان مقامات کا تمام نادر سامان جو وہاں کے بادشاہوں اور ان کی مملکتوں کا سرمایۂ عظیم تھا۔ ان کو مائل بہ زوال کرنے کے بعد اپنے ساتھ لے گئے اور اِس میوزیم کی زینت بنا دیا جو اہلِ برطانیہ کے نفیس ذوق کا مظہر محسوس ہوتا ہے۔ یہی

نہیں اِن نوادرات کو انتہائی سلیقے، ندرت اور خوبصورتی سے مختلف و مناسب مقامات پر ترتیب وار رکھا گیا ہے۔
اندازہ کیا گیا ہے کہ ہر سال تقریباً چار ملین لوگ اس کو دیکھنے آتے ہیں یہ کہاوت کہ برٹش ایمپائر کی ایک جھلک دیکھنا ہو تو اِن تاریخی میوزیم کو دیکھ لیں۔ بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے ویسے بھی لندن میں کوئی چھ سو آرٹ گیلریز اور ڈیڑھ سو میوزیم ہیں۔
PRE پری ہسٹارک ایج۔ STONE AGE اسٹون ایج HISTORIC AGE IRON AGE آیرن ایج قبل مسیح کے اوزار اور اسلحہ جات، سکے، ملبوسات، پینٹنگس، مجسمے، ظروف زیورات، فرنیچر وغیرہ وغیرہ کوئی چیز ایسی نہیں جو یہاں موجود نہیں ۲۰۰۰ ہزار سال پہلے مرڈر کیئے ہوئے پیٹی مارشن کی نعش بھی یہاں موجود ہے سب سے پہلے میرے قدم مجھے اسلامک کلکشن والے حال کی جانب لے گئے۔ بہت سے کلام مجید، خطاطی کے کئی لاجواب نمونے جو میڈیکل ڈیزائنس، ظروف، ٹرکش و ایرانی ٹائلس، قالین، ملبوسات، تلواریں، اُن پر جڑے ہوئے خوش رنگ جواہرات، قدیم زیورات، ظروف، اکثر جگہوں کے ممبر جو لکڑی کے بنے ہوئے ہیں یہاں موجود ہیں۔
ہندوستان کے COLLECTION میں ڈریس، زیورات

برتن، اسلحہ، مغل بادشاہوں کی کئی چیزیں، شاہ جہاں کی انگوٹھی جس نے تاج محل جیسی یادگار بنا کر ہندوستان کو عظمت بخشی جہانگیر کی مہر جس نے زنجیر عدل زندہ کیا ان کے کارنامے تاریخ کے سینے میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ رجواڑوں کے زیورات، پگڑیوں کی کلغیاں، بازوبند، مستورات کے زیورات، ان میں جڑے اصلی جواہرات اُن کی آب و تاب جو آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور ساتھ ہی پہننے والوں کے ذوق و نفاست پسندی کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

ایک کمرے میں شہید ٹیپو سلطان کا سامان رکھا ہوا ہے جو قابل ذکر ہے ٹیپو سلطان شہید ایک سپاہی، ایک مجاہد جس نے آزادی کی جستجو میں وطن کے لئے موت کو خوشی خوشی گلے لگایا۔ کہتے ہیں دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں شہید ٹیپو کی ہستی وہ ہے جس نے انگریزوں کو بھی خوف زدہ کر دیا تھا یہاں پر وہ اسٹیچو بھی رکھا ہوا ہے جو ٹیپو سلطان کے لئے نیپولین بوناپارٹ کا تحفہ تھا جس میں شیر نے ایک سپاہی پر حملہ کر کے اپنے دانت اُس کی گردن میں گاڑ دیئے ہیں اُس وقت کی یادگار ہے انگریز ٹیپو سلطان کو ایک شیر کی حیثیت سے جانتے تھے اور خوف زدہ بھی تھے۔ اُن کی شہادت کے بعد لارڈ ہارس نے کہا تھا "آج ہندوستان ہمارا ہے"۔

یہاں مجھے علامہ اقبال کی وہ مشہور نظم یاد آئی جو انھوں نے شہید ٹیپو کے لئے لکھی تھی۔

"تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول"

ٹیپو شہید کی تلواریں، کپڑے، اسلحہ جات، اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے فرمان، قلمی نسخے جواہرات دیکھ کر دکھ ہوا۔ سلطان شہید کی تصویر دیکھ کر اُن کا کہا ہوا جملہ غفار شہید کے لئے زبان پر آ گیا۔ "مجاہد موت سے نہیں ڈرتے"

ایک شوکیس میں ڈھاکے کے ململ کا بنا ہوا ایک ڈریس سجا ہوا تھا میں فٹ نوٹ پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا۔ "یہ ڈریس کوئین وکٹوریہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس ڈریس کے تیار ہونے کے بعد اُس کاریگر کے ہاتھ قلم کر دیئے گئے تھے"۔ ایک دھچکا سا لگا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ پیرٹیشرس اپنے کپڑوں کا بزنس کرنا چاہتے ہوں گے۔

کئی ایرانی ٹائلس جن میں لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، رستم سہراب اور کئی خوبصورت تصویریں بنی تھیں۔ لکھا ہوا تھا یہ تمام ایک پونڈ میں خریدا گیا۔

ایک کارنر میں بوڈس کا مجسمہ رکھا ہوا تھا ایسے لگ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ دیوتاؤں کی کہانیوں میں تاریخ ہے تاریخ جو واقعات اور حادثات کا مجموعہ ہے جس کی ابتدا حضرت آدم سے ہوئی۔ اِس میں کوئی شک نہیں انتہا بھی کسی پر ہوگی۔ میں اب

مصر کی گیلری میں تھی۔ فراعنہ مصر کی کئی ممیاں شوکیس میں
سجی ہوئی تھیں۔ بعض تابوتوں میں رکھی ہوئی اور کچھ باہر بھی
ان تابوتوں کے اوپر ان میں موجود ممیوں کی تصویریں اور
رنگین نقش و نگار بنے ہوئے تھے فرعون نے دولت، طاقت
اور اقتدار کو سب کچھ جانا۔ زندگی سے فرار چاہا۔ اپنے آپ کو
بادشاہ کے بجائے خدا گردانا۔ واقعات اور کردار دونوں
میری نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اطراف میں [illegible]
بیٹوں اور بیٹیوں کا جم غفیر تھا۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوئی۔
تقدیر زمانے کا دوسرا نام ہے۔
میں نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ اہرام مصر ریگزار
زمانے کے نشیب و فراز پر مسکراتے نظر آئے۔ فرعون کو اولاد، لشکر
جاہ و حشمت، شان و شوکت اللہ نے دی تھی اور انہیں انجام
سے غافل کر دیا تھا اور آج ـــ آج وہ خزاں رسیدہ پتوں کی
طرح منتشر اس میوزیم کی زینت تھے۔ ایک جگہ فرعون کے
دربار کی سجی ہوئی تصویر پورے دیوار کو COVER کئے ہوئی تھی
مجھے یہ تصویر دیکھ کر وہ ایمانی تقریر یاد آنے لگی۔ جو سورۃ
فرقان میں موجود ہے۔ "اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں صحیح
راستے پر بلا رہا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم
اللہ سے کفر کرنے کہتے ہو اور اس کے ساتھ ان ہستیوں کو شریک

ٹھہراتے ہو جن کے بارے میں مجھے علم نہیں میں تمہیں زبردست مغفرت کرنے والے کی جانب بلا رہا ہوں اور حق یہی ہے۔"

خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون نے حق کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا۔ انجام سے غافل رہا۔ ایک ستون پہ ابوالہول اپنی خوفزدہ آنکھوں سے ہر آنے جانے والے کو گھور رہا تھا فرعون کا ایک بڑا ہاتھ جو کٹی شن کا ہوگا۔ اُس کے شکستہ پاؤں، جسم الگ الگ پتھر میں بنے رکھے ہوئے تھے۔

ایک کمرے میں پورے زیورات کے ساتھ جس میں اصلی جواہرات جڑے تھے۔ ایک فرعون کی ممی سونے کی کرسی پر ہاتھ میں عصا لیے جو اُن کا شناختی نشان تھا بیٹھی ہوئی اپنے زمانے کی فنی عظمت کو دہرا رہی تھی پتہ نہیں کیوں میرے ذہن میں یہ شعر گونجنے لگا۔

مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک (اقبال)

کا مجسمہ جو کہ مصر کی ملکہ کا ہے نیلے رنگ سفایر کا تاج سر پر سانپ کا واضح نشان، ستواں ناک نقشہ گلے میں کئی لڑیوں کی مالا جو گردن کاندھے اور سینے کو کالر کی طرح ڈھانکے ہوئے تھا اس میں جڑے مختلف بیش قیمت جواہرات اپنے زمانے کی جاہ و حشمت اور تونگری کو ظاہر کر رہے تھے۔ قلوپطرہ کے سر پر سجا سانپ جس نے زندگی کا

س لیا۔ لیکن آج تہذیب کا یہ سانپ پھن اٹھائے ہوئے
تھی وقت میری نظر ایک گورے ضعیف شخص پر پڑی -
پر کالا کوٹ، بڑی سی داڑھی، سر پر کالی ٹوپی یہ اپنے ساتھی کو
ان کے متعلق کچھ بتلا رہا تھا یہ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے
قوم کو CHILDREN OF THE CHOSEN GOD کہتے ہیں
وں نے خود یہ اختراع وضع کر لی ہے کہ ان سے کوئی غلطی سرزد
ہی نہیں سکتی۔ الطاف نے آواز دی۔ کب تک ایک مقام پر
سے رہو گی۔ میرے خیالات کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گئے حیرت
س اور بے بسی کا زبان حال سے اظہار کرتے ان مردہ جسموں کو
ب و اضطراب سے دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔
کئی ہالوں میں سنگِ مرمر، مٹی، پورسلین سے بنے انتہائی
یونان، روم کے آرٹسٹوں کے بنائے ہوئے مجسمے رکھے تھے جو
نے بنانے والے آرٹسٹوں کی عقیدت کی غمازی کر رہے تھے۔ اپالو
نس، کیوپڈ، سائیکی، ہلن آف ٹرائے، چہروں پر تاثر، ایڈونس
ت مجسمے، بی بی مریم اور مسیح علیہ السلام کے کئی مجسمے، نور میں نہائی
کنواری مریم کا جگمگاتا پاکیزہ چہرہ۔ سریانی زبان میں مریم کے
خادمہ کے ہیں بی بی مریم کی وہ عظمت ہے کہ آپ کے نام کی
سورہ قرآن شریف میں موجود ہے جس میں لکھا ہے
کو جب منظور ہوا کہ دنیا میں اپنے قدرت کا نمونہ پیدا کر

باری تعالیٰ نے ہر طرح کی پیدائش دنیا میں ظاہر کر دی تاکہ انسان
اس کی ہر طرح کی قدرت پر ایمان ہو حضرت آدم بغیر ماں
باپ کے حضرت حوا کو بغیر عورت اور حضرت عیسیٰ کو صرف
عورت کے جسم سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ نے عہدِ طفولیت میں
معجزاتی طور پر کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔"
اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کو بچا لیا
کتنی عظمت وابستہ ہے کہیں آنکھوں میں بصیرت
ہے کہیں تھکی ہوئی آنکھیں ممتا کا تقدس انتہائی قدرت
اور صناعی سے بنائے گئے ہیں ہر زاویہ سے یہاں فنکار
کا فن بول رہا تھا ان مجسموں کو دیکھ کر دل چاہ رہا تھا کہ
صدائے کن کی آواز پھر گونجے۔
ایک تصویر میں رومن سپاہی اور عیسیٰ علیہ السلام کی
سولی پر لٹے ہوئے جیسے زندگی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ۔ مس
و چینے تنگی رازِ حیات کیا ہے۔ مجھے پلاطوس اور مسیح علیہ
السلام کے مکالمے یاد آنے لگے۔
پلاطوس کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو؟
یسوع مسیح ۔ تم خود ایسا کہہ رہے ہو
پلاطوس ۔ تمھاری قوم اور مذہبی پیشواؤں نے تمھیں
میرے حوالے کیا ہے سچ بتاؤ تم نے کیا جرم کیا ہے

یسوع مسیح ۔ میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ہے
فلاطوس ۔ تو تم ۔ کیا تم بادشاہ ہو
یسوع مسیح ۔ یہ تو تم کہہ سکتے ہو میں بادشاہ ہوں
میں تو اس لئے دنیا میں آیا ہوں کہ حق کی شہادت دوں
عیسیٰ نے صلیبی موت قبول کی تاکہ بنی آدم کے گناہوں کا
کفارہ ادا کرے ۔
مسیحیت نے ایک انسان ایک پیغمبر کو اتنا بڑھایا کہ خدا
کا بیٹا بنا دیا ۔
قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ روح اللہ کے خطاب
سے نوازا گیا ۔
میری نظر میں تصویر سے ہٹ کر صرف مجسموں پر آ گئی جو
سجے رکھے ہوئے تھے۔ دنیا کی تعمیر کے لئے انسان نے کیا کیا جتن
کئے۔ اس نے خداؤں کی تخلیق ان پتھروں میں کی۔ ان کے سامنے
سر بسجود بھی ہوا تاکہ سکون حاصل کر سکے۔ اس نے کیسے کیسے شاہکار
تخلیق کئے۔ بعض مجسموں کو دیکھ کر ایسے لگ رہا تھا جیسے فنکار نے
سنگ مرمر میں اپنے عقیدت کے جذبات سمو دیئے ہوں۔ کیوپڈ کی
ہتھیلیوں میں تیر مچل رہا تھا وینس کا بے داغ سمندر کی جھاگ سے
بنا مرمریں جسم ایک مجسمے کے پاس میں رک گئی اور فٹ نوٹ پڑھنے لگی۔
لکھا تھا۔ باپ نے اپنی بیٹی کا مجسمہ بنایا۔ آنکھیں ایسی ٹرانسپرنٹ جیسے

RISTLE DROPS ہے یا شبنم کا قطرہ ۔ وائد سے بتہ ہی گئی ۔

چین اور جاپان میں بنے برتنوں پر بنے نقش و نگار ۔ رنگ ایسا کہ ابھی ابھی آرٹسٹ نے کام ختم کیا ہو ۔ نازک جاپانی پنکھے ۔ جاپانی ڈریس پگوڈے ۔ چین اور جاپان کے آرٹ کا اپنا ایک الگ انداز ہے بیں مہاتما بدھ کے مجسمے کے قریب پہنچ گئی ایک جاپانی لڑکی ہی جھک کر ذت لوٹ پڑھنے لگی جس کو میں بھی پڑھ رہی تھی ۔ میں ایک جانب ہٹ گئی کیونکہ مہاتما بدھ اُن کے عقیدہ کا مقام رکھتے ہیں وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی

LORD BUDDHA COME FROM INDIA

میں نے کہا ۔ ہاں ۔ اُس نے کہا ہمارے پاس غلط کا تصور نہیں صرف کام ہی سب کچھ ہے وہ کیا ڈبری کھاتے اور کوک پینے ہوئے آگے بڑھ گئی اور مجھے حیرت زدہ چھوڑ گئی ۔ ویسے بھی آج جاپانی لوگ پوری دنیا کو حیرت زدہ کیئے ہوئے ہیں اُن کی ایجادات اُن کی ٹکنالوجی ۔ کام ہی سب کچھ ہے ۔ اس راز کو جاننے کے لئے میں پھر مہاتما بدھ کے مجسمے کو دیکھنے لگی ۔ خمار آلود آنکھیں ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے بھری ہلکی سی طمانیت ۔ مہاتما بدھ کی تعلیم شانتی اور تپسیا میں چھپی ہوئی تھی اس نے برگد کے نیچے بیٹھ کر سارے جگ کی تپسیا کا پالن کیا اور مکتی دلانے والا کہلایا ۔ گوتم بدھ نے اپنے پرستاروں کو رہنمائیت

کا سبق دیا۔

یہاں مہاتما بدھ کے دو مجسمے آمنے سامنے رکھے ہوئے ہیں ان میں ایک مجسمہ جب وہ شہزادہ تھا سر پر تاج اور جسم پر زیورات۔ اور ایک نروان کے بعد۔ دونوں مجسموں کا تقابل کرنے لگی۔

ایک ہال میں کچھ شوکیس میں رکھے ہوئے ہیں جن میں برٹش ایمپائر کے ڈریسیں LORDS کو پہنا دیے گئے ہیں ڈریسیس پر بنائے گئے ڈیزائن ایک لڑکی کاپی کر رہی تھی میری نظر ایک ڈرائینگ پر رک گئی۔ میں نے کہا SO PERFECT۔ اُس نے کہا میں فیشن ڈیزائنر ہوں۔ میں نے کہا۔ میرا بھی کچھ یہی اندازہ تھا۔

کچھ کمروں میں کئی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ آئل پینٹنگ، واٹر کلر، چارکول اور اِنک سے بنی بعض تصویریں ایسی کہ IMAGE متحرک ہوا ۔ اُوپر نیچے دائیں بائیں جیسے کلر آواز دینے لگے ہوں بعض تصویروں کے رنگ موسیقی کی طرح کانوں میں بجنے لگے۔ آنکھیں دیکھتی رہیں دماغ سوچتا رہا۔ آرٹسٹ کیا کہنا چاہ رہا ہے؟ بعض تصویروں میں رنگوں کی مدد سے ایسا ماحول پیدا کیا گیا ہے جیسے سورج تشنگی کا احساس، کپڑوں کے FOLDS۔ اُڑتے بادل، بہتی ندی، سمندر کا طلاطم، بلندی سے گرتا ہوا آبشار جیسے بنانے والے کے تخیل کی پرواز کی غمازی کر رہی ہے۔ پانچ بجنے والے تھے میوزیم بند ہونے کا وقت آگیا۔ تشنگی کا احساس لیے ہم باہر آگئے کیونکہ میوزیم ہم صرف نصف ہی دیکھ سکے تھے

وسط ایشیا اور روس کے مسلمانوں کا مختصر تعارف

یہ مواد مندرجہ ذیل ممالک کے کتب خانوں اور رسائل جات سے اکٹھا
کیا گیا ہے۔ ماسکو۔ تاشقند۔ بخارا۔ ازبکستان۔ امریکہ۔ لندن
تاریخ، تقریباً ۷۰ سال قبل کارل مارکس نے اپنے آقا روتھ
شیلڈ سے جس نے اس کی مالی مدد کی تھی تاکہ وہ دنیا کی مشہور کتاب DAS
CAPITAL پیش کر سکے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر کے
کارل مارکس کو جرمنی میں اس کتاب کو داخل کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس
وقت کارل مارکس نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ یہ اشتراکی (کمیونسٹ) انقلاب
۰۰ سال سے زیادہ نہیں چل سکے گا۔ لیکن ۷۰ سال ہی میں یہ تحریک ذلت
کے ساتھ نہ صرف ٹھکرائی گئی بلکہ روس کا فولادی نظام پاش پاش ہو گیا
اور اب عوام اپنی مرضی کی خوش حال زندگی کی روایات کی طرف پھر سے
گامزن ہو رہے ہیں اور تحریک اسلام کو پچھلی کمزوریوں سے چھٹکارا
دلانے اور پوری مسلم امت کی قیادت کے مواقع فراہم کرنے کی کوشش
کی جا رہی ہے۔

۷۰ سال کے اس طویل عرصہ میں مسلم امت پر جو مظالم ڈھائے گئے

ہیں وہ تاریخ کا المناک حصہ ہے یہاں کے مسلم عوام نے جو اپنے جذبۂ دین اور شمع حریت کو روشن رکھا اس کی نظیر تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس سے تجدید دین کے لئے عملاً تقویت ملنے کی امید وابستہ ہے یہ معلومات ڈاکٹر محمد اقبال جنھوں نے سوویت یونین میں تعلیم پائی اور مسلم علاقوں کا نہ صرف دورہ کیا بلکہ بھرپور جائزہ بھی لیا اور برادر عبدالکریم کموار ڈ بینیٹر اور ایم مناظر حسن ڈائرکٹر جنرل اسلامک فاونڈیشن کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

ان تمام علاقوں کی بنیادی معلومات اس لئے پیش کی جارہی ہیں تاکہ مسلم امت کے مختلف افراد اور ادارہ جات ان علاقوں سے نہ صرف ربط پیدا کریں بلکہ مختلف شعبہ جات میں شراکت اور تعاون کے مواقع سے فائدہ اٹھائیں۔

کمیونسٹ نظام کے بکھر جانے کے بعد جو مسلم علاقے وجود میں آئے ہیں وہ مختلف ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

ٹرانسکاکیشن ریجن جو سنٹرل ایشیا کا بڑا حصہ ہے یہ علاقہ قدرتی وسائل سے نہ صرف مالا مال ہے بلکہ اپنی آبادی کو میدان میں بھرتن مصروف رکھے ہوئے ہے۔ آبادی کا ۶۸٪ تا ۹۰٪ نہ صرف خواندہ ہے بلکہ اعلیٰ اور فنی تعلیم سے آراستہ ہے پچھلے ۷۰ سال سے اشتراکی نظام نے اپنی خونخوار K.G.B. تنظیم کے ذریعہ مسلم آبادی کا نہ صرف قتل عام کیا بلکہ مختلف ریاستوں میں ان کو منتقل کیا ہے تاکہ ان کی دینی حمیت اور

جذبۂ حریت کو ختم کیا جا سکے۔ اِس بدنام زمانہ تنظیم نے مُسلم اُمت پر جو مظالم ڈھائے ہیں اُس کی داستان الگ ہے۔

یہ اللہ کا کرم ہے کہ آج بھی تاتارستان جو ۶۸۰۰۰ کیلومیٹر رقبہ پر پھیلا ہوا ہے جس کی آبادی ۶ ملین ہے جس میں مسلم آبادی ۵٫۲ ملین ہے یہاں پیٹرول، گیاس، لوہا، سونا اور کوئلہ کے وافر ذخائر ہیں۔ یہ ریاست جو رشیا کی ۱۶ خود اختیاری ری پبلک ہے۔ تاتارستان۔ سلادین سابق روسی علاقہ کا دل سمجھے جاتے ہیں۔ اِس ریاست کا صدر مقام کازان ہے جہاں کے مسلم اسکالرس اسلامی افتخار کے لئے مشہور ہیں یہاں کی یونیورسٹی سے لینن نے بی اے کی تکمیل کی تھی اور اِسی یونیورسٹی سے لینن بھی کیا گیا تھا یہاں ۵۰ اعلیٰ تعلیم کے جامعات ہیں ۹۶٪ عوام تعلیم یافتہ ہیں۔

BASH KARASTAN جس کا علاقہ ۱۴۳۶۰۰ اسکوئر کیلومیٹر پر مشتمل ہے اِس کی آبادی ۴٫۲ ملین ہے جس میں ۸۲٫۵٪ آبادی مسلم ہے اس کا صدر UFA عوفہ ہے یہ علاقہ سونا کوبالٹ اور تیل کے لئے مشہور ہے

DAGBISTAN داغستان۔ اِس مقام سے امام شامل نے روسی جارحیت کے خلاف ۱۹ ویں صدی میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ ۵۰٫۳۰۰ اسکوئر کیلومیٹر ہے آبادی ۲ بلین ہے مسلم آبادی ۸۵٪ ہے یہاں ۴۰ مختلف زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں یہاں کی اقتصادی زرعی پیداوار پر منحصر ہے۔

چیچن انگوشیا ۔ CHECHENoKINGUSHETIA

یہاں کی مسلم آبادی چیچن اور انگوش دو بڑی قوموں کو اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہیں یہاں کی دو ملین آبادی ہیں ۹۰٪ مسلم ہیں اس کا رقبہ ۱۹۳۰۰ اسکوئر کیلومیٹر ہے یہ سرزمین قدرتی وسائل سے مالامال ہے۔

CHUVAS شواش ۶۸٪ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے یہاں کی آبادی تقریباً ۲ ملین ہے رقبہ sq KM ۱۸۳۰۰ ہے۔

KABARDINO . BALKAR

کیاردلی لو اور جا لکریہ دو مسلم آبادی کے علاقے کیا ردمسی ناشاو کسا بالک قبائلیوں سے آباد ہیں۔ رقبہ ۱۹۳۰۰ اسکوئر کیلومیٹر ہے یہاں کی ایک ملین آبادی میں ۷۰٪ مسلم ہیں۔ یہاں سات زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں رابطہ کی زبان روسی رہتی ہے۔ روس کی ۲۰۹۔۱ ملین آبادی میں مسلم ۲۰ ملین ہیں جس میں ۴ ملین مسلم تاتار آبادی کو زیادہ تر تاتارس TATARS اپنے اپنے علاقوں سے بے دخل کرکے یوکرائین UKARINE اور BILORUSSIA میں بسایا گیا۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء ان کے لئے صبر آزما دور رہا ہے۔ قریباً ۲ ملین آبادی کو وسط ایشیا آذربائیجان سے بے دخل کر دیا گیا جس کو بدنام زمانہ اسٹالین کی ظالمانہ پالیسیوں کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے یوکرائین جس کی آبادی ۵ ملین ہے مسلم آبادی اب صرف ۵۸ ہزار رہ گئی ہے۔

بیلو رشیا۔ جس کی آبادی ۱۰ ملین ہے ۲۲ ہزار مسلم ہیں مول داویا جس کی آبادی ۴ ملین ہے مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۰ ہزار ہے
بیری بالٹک جمہوریں ۔ لےتھوفیا۔ لات دیا۔ استونیا۔ کل آبادی ۸ ملین مسلم تاتار اور داغستانی ۲۰ ہزار ہیں۔ بہت سارے مسلم اور غیر مسلم آبادیوں کو روسی حکمرانوں نے جارجیا۔ ارمینیہ۔ آذربائیجان میں بانٹ دیا ہے جارجیا کی آبادی ۵½ ملین میں ۱½ ملین مسلم ہیں اس کے دو مسلم اکثریت آبادی رکھنے والے علاقے اب غازیہ میں ۸ لاکھ ہیں ۷ لاکھ مسلم نفوس پر مشتمل ہے۔

<u>اذرار</u> : یہ جمہوریت ۳ ہزار مربع میل پر واقع ہے ۹۰٪ مسلم آبادی ہے اس کا صدر مقام باطوکی ہے یہاں سونے اور لوہے کی کانیں ہیں تیل صاف کرنے کی مشنریز بنانے کے کارخانے، فوڈ انڈسٹریز اور سیاحت آمدنی کے ذرائع ہیں

ارمینیہ ۳.۵ ملین۔ یہاں کا اکثریتی علاقہ قدامت پسند کرسچنوں پر مشتمل ہے یہاں صرف ۹۰۰ ہزار مسلمان ہیں یہاں کے لوگ روایتی طور پر ترکی اور کاکیشیا کے مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے ہیں۔

آذربائیجان جس کا صدر مقام باکو ہے ۸۶۸۰۰ مربع کیلومیٹر پر مشتمل ہے ۷.۷ ملین آبادی ہیں ۸۰ ہزار مسلم ہیں اس مسلم آبادی کے علاقوں میں شیعہ سنی ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کی زندگی

بسر کرتے ہیں۔
تیل، کپاس، لوہا، کوبالٹ، مالیب ڈینیم، آرسنک، مڈلینیں آئیل، تاقبھالالین، منرل واٹر اور ماربل کے لئے مشہور ہے یہاں جنگلات میں ۴۰۰ اقسام کے درخت موجود ہیں جس میں ۹٪ ایسے درخت ہیں جو دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ زراعت میں گیہوں، کپاس، ترکاری، چائے، چاول، سوکھا میوہ اور کثرت سے پھل پیدا ہوتے ہیں کافی تعداد میں مویشیاں پالے جاتے ہیں یہاں تیل نکالنے کی انڈسٹریز موجود ہیں جو اس ملک کی سب سے بڑی انڈسٹری خیال کی جاتی ہے آذربائیجان سابقہ روس کی ۷۰٪ تیل کی ضرورت پوری کرتا ہے اور دنیا کے ۳۵ مختلف ممالک کو EXRORT بھی کرتا رہا ہے اس کی صنعت میں بجلی مواصلات، انجینئرنگ، الیکٹرانک کی صنعتوں کے علاوہ ۹۰۰ چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم ہیں یہاں کے لوگ ۱۰۰٪ خواندہ ہیں یہاں تین یونیورسٹیاں، تین میڈیکل، گیارہ انجینئرنگ، تین اگریکلچرل اور ادوسرے کالجس ہیں۔ مختلف شعبوں میں دو لاکھ کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں انسٹیٹیوٹ آف آئیل کیمسٹری کی سابق روس میں اس کی بہت زیادہ اہمیت تھی یہاں کے صدر جمہوریہ الیوال فیض الحباب ہیں مفتی اللہ شکور مسلم جماعت کے سربراہ ہیں۔ ۲۵ مساجد اور تین مدرسے ہیں جن میں آنے والی

اضافہ ہو رہا ہے

تحریک دعوت اسلام آرمینہ کی جنگ کی وجہ سے سست پڑ گئی تھی۔ اب صدر حیدر جمال کی صدارت میں کام آگے بڑھ رہا ہے اور دعوت اسلام ہر چھوٹے بڑے شہر میں پہنچ رہا ہے۔

نگورنو کراباخ جو ۴۴۰۰ مربع کیلومیٹر پر مشتمل ہے۔ ۵٫۶۲٪ میں جس میں قزاق، روسی، ازبک، تاتاری، تاجک کرگز ہیں اس کا علاقہ ۲۷۱۶۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے کل علاقے سے زیادہ ہے اس کا صدر مقام الماتہ جو ۱۰٫۲۳ ملین آبادی پر مشتمل ہے جس میں ۹۶٪ نہ صرف خواندہ ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں سائنس کے ان مضامین میں فزکس کیمسٹری، مائیکرو بیالوجی، ریڈیشن آسٹرو فزکس میں مہارت رکھتے ہیں اسی ریاست میں روس کا کاسموڈروم واقع ہے یہ ملک فرانس، راکٹس، چھوٹے ہوائی جہاز بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نیوکلیر تجربات کی وجہ سے یہاں ۲۴ ہزار بچے مختلف بیماریوں کا شکار ہوئے ہیں۔

قزاقستان نے اپنے نیوکلیر ہتیار رشین فیڈریشن کو حوالے کر دینے کے بعد یہت سارے سائنس داں بیکار ہو گئے ہیں جس میں سے مسلم سائنسدانوں کو پھل بیچتے ہوئے باکو شہر میں دیکھا گیا اندڈلیبرٹی۔ یہاں پر ۲۰ پاور اسٹیشن ہیں جو سنٹرل ایشیئن

ملکوں کو برقی سپلائی کرتے ہیں سائبیریا، یورالس، قزاکستان
آئیل اور گیاس کے بڑے ذخائر کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہیں
زراعت، گیہوں جو USSR کو ۲۵٪ سپلائی ہوتی ہے کاٹن،
چاول پیدا ہوتے ہیں اور جانوروں کی افزائش کے لئے مشہور ہے
معدنیات میں MINERAL EXTRACTION
کول، نیچرل گیاس، آئیل، بسمت، المونیم، زنک کاپر لیڈ اور
یورانیم کے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ ۹۵٪ آبادی پڑھی لکھی ہے
UNIVERSITIES ALMAATA - ہمیشہ ۱۱۲ اسکالر اور
FELLOW ۲۱۰، کزاکستان ۳۰۰۰۰ ۴ سائنس دان، ہائیر
ایجوکیشن سنٹر، گیارہ میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۱۳ انجینئرنگ
کالج، ۱۵ اگریکلچرل ۹ نیوکلیر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ
انسٹی ٹیوٹ اور اسپیس سائنس انسٹیٹیوٹ اس علاقہ میں ہیں
۶۲٫۵٪ مسلم ہیں ۱۹۱۶ کے انقلاب سے پہلے یہاں ۹۶٪ مسلم تھے
یہاں کی زبان روسی ہے یہاں کے قزاق اپنی مادری زبان بھول
چکے ہیں یہاں کی زبان ازبک ہے قزاق اور روسی آپس کی نا اتفاقی
کی وجہ سے بہت سے عوام ترکِ وطن کر گئے ہیں۔ قزاق بہت
محنتی ہیں یہاں چھ پارٹیاں ہیں۔
۱) ڈیموکریٹک پارٹی (۲) نیشنل پارٹی (۳) مسلم ریپبلکن پارٹی
۴) نیشنل لبریشن فرنٹ آف قزاقستان (۵) مسلم ادمن لیگ آف

قزاقستان (٦) اسلامک الشیبن پارٹی آف قزاقستان
مسٹر عبدالجبار اسلامک پارٹی کے سربراہ ہیں۔ ان کی پارٹی سٹی کونسل آف [illegible] اور جام بول اور سپریم کونسل کے نام سے رجسٹر ہے یہاں۔ ۳۰ مساجد، ۷ مدرسے جو اسلامک پارٹی کے تحت چلائے جاتے ہیں کہ یہاں کے مفتی رات بک حاجی جو کہ مسلم عوام کا اعتماد کھو چکے اور تمام عوام اسلامک پارٹی کی طرف نگاہیں لگائے ہوئے ہیں۔
مسلم [illegible] لیگ کی قائد محترمہ آمینہ نغمونیہ ہیں جو کہ مسلم عورتوں کو اسلامک کلچر کی جانب لانے کی سعی کر رہی ہیں۔
یہاں کی سربرآوردہ جماعت ڈیموکریٹک پارٹی ہے۔
UZBEKISTAN: ۴۰۰ ۷۴۴ اسکوئر کیلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے یہاں کی آبادی ۲۱ ملین ہے جس میں مسلم آبادی ۸۵٪ ہے میجر گروپ قبائلی ازبک، روسی تاجک پر مشتمل ہے۔
ازبک ری پبلک آف سنٹرل ایشیاء کا زیادہ آبادی والا علاقہ ہے ANU جو کہ دریائے سردار یا ارلاسیا اور شاہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے اس کا صدر مقام تاشقند ہے۔
تاشقند کے معنی سٹی آف فرینڈشپ یا دوستی کا ملک ہے یہاں ۱۰۰ سے زیادہ قومیں ہیں جو ۲۰٦ ملین نفوس پر مشتمل ہیں۔
یہاں کے مشہور شہر جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سمرقند بخارا

کل دیا۔ کوہ کن۔ انڈلی جان۔ فرہانہ۔ نامن گان کہے جا سکتے ہیں

۱۹۹۱ء میں یہاں کے پڑھے لکھے عوام ۹۸٫۲۶ فیصد تھے۔

یہاں چھ میڈیکل کالج ۱۹ انجینئرنگ کالج چھ اگریکلچرل یا زرعی کالج

۸۵ ہائیر ایجوکیشن اور ٹریننگ سنٹر اور چار یونیورسٹیز ہیں۔

ازبک سائنسدانوں کی خدمات دنیا بھر میں مشہور ہیں

کاٹن ریسرچ، ہسٹالوجی اور اگریکلچرل ریسرچ کے لئے مشہور

ہے اکیڈمک کے اعلیٰ کالج، اکاڈمک آف سائنس کے ۱۱۲ ممبر اور

۴۰ فیلو اور ۴۴۴۰۰ اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنسدانوں پر مشتمل ہے۔

آثار قدیمہ میں ۱۰۰۰ سے زیادہ کتابیں اپنی اصلی حالت میں

موجود ہیں جو علم کے خزانوں سے مالا مال ہیں۔ تاشقند کے کتب خانہ

میں خلیفہ عثمان رضؓ کا قرآن ابھی تک موجود ہے۔

کاٹن۔ گیہوں۔ چاول اور مختلف اقسام کے پھل ۱۰۰ اقسام

کے انگور سمرقند میں پیدا کیئے جاتے ہیں۔

معدنیات: خالص سونا ۹۹٫۹۹ AULL MARK

زرفشاں میں پیدا ہونے والے فیرس اور نان فیرس کے بڑے ذخائر

تیل اور گیاس کی پیداوار نامان گیان اور کار کالا پارک یہاں تیل

اور گیاس کثیر مقدار میں ہے۔

چالیس فیصد سے زیادہ آبادی انڈسٹریز میں کام کرتی ہے اسٹیل

اور کپڑے پارچہ بافی کے کارخانے زیادہ ہیں۔ کیمیکل اور گیاس

بنانے کی فیاکٹریز اور مشین بنانے کے صلاحیت رکھنے والے کارخانے پوری
دنیا میں مشہور ہیں ہیوی اگریکلچر مشینری کھوپانی کا رپٹ سازی، اسٹیل
کے کارخانے، بکاباد میں کول کی معدنیں، انگریزی کپڑے بننے اور مشنزیم
کے کارخانے ہیں۔

جوہری طبیعات: یہاں پر نیوکلیر فزکس انسٹی ٹیوٹ، چھوٹے پیمانے
پر اسلحہ کے کارخانے، بڑے پیمانہ پر بھی اسلحہ کے کارخانے جو دوسری جنگ عظیم
میں قائم کئے گئے تھے ابھی تک موجود ہیں۔ ازبکستان کے عوام اسلامک
طرز زندگی بسر کرتے ہیں یہاں کے مسلم اسکالرس یہ ہیں، امام بخاری امام
ترمذی، ابن سینا، غیاث بن نصر بن عباس، ابوریحان اسوانی
م یوسع بیگ، فرابی، امام مرزا اور شیر دار۔ کسی زمانے میں یہاں
۳۰۰۰۰ مسجدیں اور ۳۸۰ مدارس تھے ۱۰۰۰ مسلم طلباء زیر تعلیم ہیں۔
مدرسہ ریگستان: اس مدرسے میں ایک لاکھ طالب علموں کے
پڑھنے کی گنجائش ہے۔
یہاں کی مشہور گیلری الغ بیگ ہے جو مسلم سائنس والوں کے
کارناموں کی تفصیلات اور ان کے کارناموں کے لئے مشہور رہے

مسلم ریلیجیس بورڈ آف سنٹرل ایشیاء اسمٰعیل بخاری میں واقع
ہے جس کے چیئرمین مفتی محمد یوسف محمد صادق ہیں انقلاب کے بعد جو نئی
اسلامک پارٹی وجود میں آئی ہے وہ پورے علاقے میں تبلیغ کے کام میں
مصروف ہے اس کے صدر عبداللہ ہیں اس کا صدر مقام تاشقند ہے

یہاں چار بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں
بر تک قومی پارٹی (۲) ارک لیبریشن پارٹی
ڈیموکریٹک پارٹی آف ازبکستان
قنسلیٹ ری فارس آف ازبکستان
برسر اقتدار پارٹی کمیونسٹ نواز ہے جس کے صدر اسلام کر
سخت کمیونسٹ ہیں اور KGB کے ذریعہ اسلام اور سیاسی بیدار
کچلنے میں لگے ہوئے ہیں حال ہی میں بر تک نیشنل سیٹ پارٹی کے صد
الرحیم پلانو KGB کے کاروائی کے دوران سخت زخمی ہوئے
میں زیر علاج ہیں
تاجکستان، اس کا رقبہ ۱۴۳۱۰۰ کیلو میٹر ہے کل آباد
۵ ملین ہے اس کا ۸۰٫۸ فیصد آبادی مسلم ہے یہاں کے تین بڑ
ئل تاجکس' ازبک اور روسی ہیں ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے
آبادی صرف مسلمانوں پر مشتمل تھی یہاں ۲۱ شہر اور پانچ گاؤں ہیں
ہور شہر کمیاب' کورغاں' توبے' لینین آباد' گورلی بدخشا
صدر مقام ددشان بے ہیں۔ تاجک قومی زبان ہے ازبک
ی بھی بولی جاتی ہے تاجکستان کی سرحدیں چین اور افغانستان سے
ن ہیں اس ملک کے جنگلات جڑی بوٹیوں کے لئے مشہور ہیں
رت سے پائے جاتے ہیں جو دواؤں میں کام آتے ہیں جنگلی جانور
رت سے پائے جاتے ہیں

ہے کہ اس سرزمین کے علماء پورے مسلم تجدید اسلامک پارٹی سید قطب شہید، حسین البنا اور مولانا مودودی سے متاثر ہیں۔ حال ہی میں ایک لاکھ تاجکستان کے عوام ۲۸ دن کے مسلسل احتجاج کے بعد کمیونسٹ نواز پارٹی سے متاثر صدر کو K. G. B کے دفتر میں پناہ لینی پڑی۔ اور اسپیکر کو استعفیٰ دینا پڑا۔ اس احتجاج کے دوران K G B نے دس سے زائد مظاہرین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سال کے اواخر تک جنرل الیکشن کی توقع ہے نئے انتخابات کے بعد اسلامک پارٹی حکومت قائم کرے گی اور ملک کے دفاع خود اپنی فوج سے کرے گی فی الحال قاضی اکبر تراں نخ داد سے صدارت پر فائز ہیں یہاں نام نہاد اقلیت کی پشت پناہی کرتے ہیں برطانیہ اور امریکہ پیش پیش ہیں روسی فوج اور اسرائیلی سفارت خانے ناپسندیدہ کارروائیوں میں پیش پیش ہیں۔

کرغیشیا: کرغیشیا جس کی آبادی ۵ ملین ہے جس میں ۸۲٪ مسلم ہیں جو کرگیز، یوگ سن، تاجک، ازبک اور روسیوں پر مشتمل ہیں اس کا پائے تخت بشکیک فرزند FRUNZ کہلاتا ہے جس کی آبادی ۶۳۰۰۰ ہزار ہیں اس ریاست کا رقبہ ۱۹۸۵۰۰ اسکوئر کیلو میٹر ہے کرغیزیا سے ان شان کی پہاڑیوں اور پامر کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے یہاں ۲۰ بڑے شہر اور ۱۳ چھوٹے دیہی آبادیوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں کے لوگ ۹۹٫۵٪ تعلیم یافتہ ہیں ایک یونیورسٹی، ایک

معدنیات: کرسٹل، ابرک، سونا، تیل، کوئلہ کے بڑے ذخائر موجود ہیں یہاں زراعت اور افزائش مویشیاں کے بڑے مراکز ہیں یہ علاقے دودھ، ریشم، قالین کی صنعت کے لئے مشہور ہیں چھوٹی صنعتوں کا جال ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے یہاں ۹۰۷٪ تعلیم یافتہ لوگ ہیں دو یونیورسٹی، دو میڈیکل کالج، ۷ میڈیکل ریسرچ تحقیقاتی طب کے ادارے ہیں تین زرعی کالج، ایک آب پاشی کا کالج ہے ۳۰ اعلیٰ تعلیم کے ادارے اور ریسرچ سنٹر ہیں۔ یہاں سائنس اکاڈیمی میں ۲۰۰ اعلیٰ فیلوشپ، اعلیٰ اداروں کے ممبران ہیں۔ اس چھوٹے سے ملک میں ۱۳ ہزار سائنسداں ہیں جو ہر شعبہ حیات کے ریسرچ میں مشغول ہیں یہاں کی تاجک اکیڈیمی آف سائنس کا الحاق سابقہ روسی حکومت انڈیا، افغانستان، امریکہ اور فرانس کی جامعات سے ملحق ہے۔

اس سرزمین سے مشہور علماء پیدا ہوئے ہیں عمر خیام، سعدی، خسرو، فردوسی اور رودکی کے نام لیئے جا سکتے ہیں۔ یہاں دین مقدس اسلام کی اصل روح و روایات عملاً دیکھی جا سکتی ہیں یہاں کے مدارس اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین کی سرپرستی اور جید علماء کی نگرانی میں چلتے ہیں جو کئی سو کی تعداد میں ہیں اس مقام کے جید علماء آس پاس کے علاقوں میں تبلیغ و اشاعت دین کے لئے دورے کرتے ہیں ان پر K.G.B کی خاص نگرانی رہتی ہے جو اس بات کا واضح ثبوت

میڈیکل کالج دو اگریکلچر انسٹی ٹیوٹ، ۲۱ اعلیٰ تعلیم کے ادارہ جات ہیں
دیا یی شپ اکیڈیمی آف سائینس ہیں ۶۱ ممبر اور ۵۰ فیلوز ہیں
یہاں ۵۰۰ ۳ سائینسداں اور ریسرچ ورکر ہیں جن میں ۳ بی ٹیک
شمسی توانائی، فارمو کولوجی، سیس مالوجی (زمین کے اندرونی حالات
معلوم کرنا) اور خلائی میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ یہاں کی پیداوار
گیہوں، کپاس، میوہ جات، تمباکو، روغنی اور خوردنی تیل کے
کارخانے ہیں یہاں کافی مقدار میں درخت ہیں۔ انگور، ترکاری، باغات
افزائش مویشیان کے فارم، کرغیشیا گوشت اور اُون کے لئے مشہور
ہے۔ معدنی دولت میں لوہا، زنک، ٹن، کنھل، انٹی نومی دُنیا
کی بہترین کوالٹی کی پیداوار رکھتا ہے۔ دریائے نربان پر بجلی تیار
کرنے کے لئے جنریٹر اسٹیشن موجود ہیں۔

یہاں کی صنعت میں الیکٹرک موٹر، ٹرانسفارمر اور کاربیٹ کے
کارخانے قابلِ ذکر ہیں اس پہاڑی علاقہ کے عوام سابق روسی حکومت
میں بہت زیادہ حصہ لیئے ہیں۔ یہاں کی سیاسی جماعتوں میں
INDEPENDENT LEAG OF CERGESSIA - لمیتنل
پارٹی حکمران ڈیموکریٹک پارٹی ہے۔

پچھلے دو سال میں تجدید اسلام پارٹی وجود میں آئی ہے جس کے مراکز
اوش، اُزگن، کیارا بینی میں ہیں، یہاں کے لوگ اسلامی نظریات
کے حامل ہیں اس علاقہ میں لوگ دین کی خدمت میں پیش پیش ہیں

نئی مساجد اور مدرسہ قائم کیئے جا رہے ہیں۔

ترک لینستان: پائے تخت عشک آباد ہے آبادی ۴ لاکھ ہے یہاں کا رقبہ ۴۸۸۱۰۰ مربع کیلو میٹر ہے کل آبادی ۴ ملین ہے مسلم ۸۷٪ ہے قبائلی ترک ہیں ذاین، ازبک اور روسی ہیں یہ ریاست کیاسپین سمندر (مغرب) ہیں امور دریا شرق کے درمیان ہے اِس ملک کا زیادہ حصہ پہاڑی اور ریگستان پر مشتمل ہے اِس میں ۲۰ شہر ۲۵ دیہی علاقہ ہیں ۹۹٪ تعلیم یافتہ لوگ ہیں ۶۰ ہزار اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنسدان ہیں۔

جو **معدنیات:** سیس مالوجی، بیالوجی، سولار انرجی، ریگستان پر ریسرچ، تاریخ، اکنامکس، قانون اور کیمسٹری میں کام کر رہے ہیں ترک مینستان میں ریگستانی انسٹی ٹیوٹ DESERT STUDY جو دُنیا کے مختلف ممالک جیسا کہ مالی۔ پیرو۔ الجیریا۔ لیبیا۔ انڈیا افغانستان کو مدد دے رہا ہے۔

زراعت میں مختلف اجناس کے علاوہ ثمرات کپاس کی کاشت کی جاتی ہے۔ افزائش مویشیاں میں بکریاں، اونٹ، گھوڑے، جو دنیا بھر میں مشہور ہیں اِن پر کام کیا جا رہا ہے سمکیات پر ریسرچ ہو رہی ہے یہاں تیل نکالنے کے کارخانے۔ گیاس۔ ریفائینری کے علاوہ کیمیائی پراڈکٹ، الکٹریکل انجینیرنگ مشین بنانے کے کارخانے قابلِ ذکر ہیں۔ نائیٹروجن اور کھاد کے کارخانے ہیں۔ قالین بنانے۔ پارچہ جات، ریڈی میڈ گارمینٹ

بنانے کے کارخانے۔ گیاس سے چلنے والے جنریٹنگ اسٹیشن قابل ذکر ہیں۔ بجلی کے لئے خود مکتفی ہونے کے علاوہ پڑوسی ممالک کو سنٹرل ایشین سٹی کو بھی برقی سپلائی کی جاتی ہے۔ یہاں تیل گیاس کے علاوہ سلفر، پوٹاشیم، میگنیشم کے بڑے ذخائر موجود ہیں یہاں کی سیاسی جماعتوں میں ڈیموکریٹک پارٹی۔ ترکستان نیشنل، تجدیدی اسلامی پارٹی اور حال میں قاجیت مسلم ترکمانیٹی پارٹی وجود میں آئی ہیں۔

تجدیدی اسلامی پارٹی کے صدر قاضی سعید ناصر عالم ہیں ۱۵۰ سے زیادہ مسجدیں اور مدرسے ہیں۔ جن میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔

اس ملک کے ازبک اور تاجک مسلم سے اچھے روابط ہیں اور ان کے تعاون سے اسلامی پراجکٹ پر کام کیا جا رہا ہے۔

کیا کھلونے بچوں سے پیار کرتے ہیں

کھیل اور کھلونے بچوں کی نشوونما میں اہم رول ادا کرتے ہیں
دوسری جنگ کے بعد کچھ بچوں کو کھیل میں اور کچھ بچوں کو پڑھائی میں
مشغول رکھا گیا جو بچے کھیل اور پڑھائی میں مشغول تھے وہ جسمانی اور
دماغی طور پر صحت مند مانے گئے۔ آدم کے زمانے سے اب تک بچوں
کے لئے کھلونوں کی اہمیت رہی ہے صرف اُن کے اشکال اور سوچنے
کے ڈھنگ بدل گئے ہیں دراصل کھلونے بچوں کے لئے خزانوں
سے کم نہیں۔ لیکن آج کے دور میں بچوں کے کھلونے ایک تجارت بن
گئے ہیں کھلونوں کی دُنیا کا پیر آج حکومت کھلونے بنانے والی
کمپنیوں کی ہے یا پھر اشتہارات کے ذریعہ مارکیٹنگ اور سیل
کرنے والوں کی۔ اسلحہ چھوٹے چھوٹے بندوق، پستول، تیر کمان
اور آج کا میڈیا میرا مطلب ٹی وی، ریڈیو، ویڈیو، رسالہ جات
سائن بورڈ وغیرہ وغیرہ سے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض کھلونوں کی کمپنیاں بچوں کے لئے

صحیح طور پر کھلونے بناتی ہیں۔ لیکن ان کے ہاں بھی منافع بخش سامان بنانے کا رجحان زیادہ ہے اور یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ وہ کیا بنا رہے ہیں بلکہ زیادہ فائدہ حاصل کرنے کیلئے قیمتی کھلونے جو بچوں کے دماغ پر اچھا اثر نہیں کرتے وہ بناتے ہیں۔

ایک کھلونے کی کمپنی نے ایک چھوٹی کار بنائی جس میں چھوٹے چھوٹے آدمی بندوق سے لیس چھپے رہتے ہیں جب کار ریموٹ کنٹرول سے کسی چیز سے ٹکراتی ہے وہ آدمی بندوق لیئے سر نکالتے ہیں فائر کی آوازیں ہوتی ہیں اور پھر اندر دب جاتے ہیں سائنسی ایجاد کے لحاظ سے ایسے کھلونے اپنا مقام رکھتے ہیں بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کیا کھیلیں اور چیزوں سے کیا بنائیں۔ وہ اپنے طور پر نئی نئی چیزیں بناتے ہیں۔ یہ کہنا درست ہے کہ کھلونے بچوں کے لئے اوزار ہیں کھیل کھیل میں بچے دنیا کو جان جاتے ہیں۔ ٹائم میگزین میں ایک اشتہار چھپا تھا کہ آپ یہ نہ دیکھیں کہ پچھلے سال کیا کھلونے تھے بلکہ اس سال آپ کے لئے کیا کیا نئی چیزیں لائے ہیں امریکہ کی ایک کمپنی ... ۵ اقسام کے کھلونے بناتی ہے آج ماں باپ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر ہم بچوں کو دلائیں تو کیا دلائیں۔ ٹی وی کے اکثر پروگرام VIOLENCE سے بھرے ہوتے ہیں اس طرح ہم بچوں کو وہی دے رہے ہیں جو ہم نہیں چاہتے۔ ویڈیو گیم۔ کھلونوں کی دنیا میں ایک لیڈر کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ گیم بچوں کے دماغ کو تیز کرتا ہے بچوں میں

مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

اخبار "دی پیپر" کا کہنا ہے کہ ایک بچہ جو اس کھیل میں مشغول ہو وہ جب تک ویڈیو گیمس کے سامنے سے نہیں ہٹے گا جب تک کہ وہ تمام دشمن مار ڈالے۔ انگوٹھے کے جتنا IMAGE اناب کی حرکت دینے سے حرکت میں آتا ہے اس طرح چار یا پانچ گھنٹے بچے اس کھیل کی نذر کرتے ہیں۔ اسکول کا ہوم ورک، پڑھائی سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ کچھ گیم بچوں پر ایسے اثر لیتے ہیں کہ بچے مار دھاڑ پر اتر آتے ہیں اور آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پگھلتے ہوئے لاوے کی طرح تشدد توڑ پھوڑ بچوں کے مزاج کا جز بنتا جا رہا ہے۔ کیا ہمارا معاشرہ ہمیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دے رہا ہے۔ ماں باپ مایوسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں بچوں کی تربیت کے لئے والدین اور اساتذہ کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج ہم اس مقصد حیات کے شعور سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ امریکہ میں بچوں کے لئے جو پروگرام ہوتے ہیں۔ ان میں بعض پروگرام کمرشیل طریقہ پر تیار کیے جاتے ہیں کھلونوں کے کیمرے۔ بزنس کا استعمال خاص انداز سے کیا جاتا ہے۔ میوزک اور فوٹو گرافی کے سہارے اوسط درجے کے کھلونے بھی جادوگری کی ندرت لیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے تو بچے ہی ہیں بڑے بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو بتایا جا رہا ہے کہ بچے بس کھلونے خریدیں۔ بچوں پر اس کا کیا اثر ہوگا وہ تو الگ مسئلہ ہے بعض بچے ماں باپ کو مجبور

کرتے ہیں کہ وہ بڑی کھلونے لیں گے جو اشتہارات کے ذریعہ بتلائے جاتے ہیں۔
مثلاً ٹورنٹو کینیڈا میں ایک کھلونے کی دکان ہے جو صرف ۱۰۲ ملین کے کھلونے
فروخت کرتی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں ایران اور عراق کی جنگ کے دوران ٹی وی سے
خبریں بتلائی جارہی تھی۔ یہ تقاضا کیا جارہا تھا کہ بچوں کے کھلونے بھی اسی
انداز پر ڈھالے جائیں۔ اس طرح جو خاص خاص ماڈلس مارکٹ میں
آئے ان میں ABRAMSTANK ابرام ٹینک۔ اسکوڈ فرابلیس اور
ہائیلی کوا پیٹریہ خطرہ سامنے آرہا تھا کہ بچے اگر ان سے کھیلیں تو ان کے خیالات
بھی ویسے ہی ہو جائیں گے۔ اس طرح گڑیاں بنانے والی فیکٹریاں بچوں کے
اسلحہ والی فیکٹریاں بن جائیں گی۔ ہائی لیور شاٹر گن اس طرح آوازیں کرتی ہے
جیسے لڑائی ہو رہی ہو۔ گولیاں چل رہی ہوں۔ نارتھ امریکا میں ایسی ہی
ایک گن سے ۱۶ سالہ لڑکے نے کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لندن
میں مجھے بچوں کے ایک سیکالوجی ریسرچ اسکالر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اس
نے کہا۔ " ہم کھلونے دیکھ کر بنیاد بنتے ہیں کہ یہ کھلونا بچوں پر کیا اثر کرے
گا کچھ بچے کھلونے کے اچھے اثرات قبول کرتے ہیں اور کچھ منفی اثرات۔
بعض بچے عجیب حرکتیں کرتے ہیں۔ جیسے بنا کھلونے کے بھی اپنی انگلیوں
کو بندوق بنا لیتے ہیں۔ کچھ بچے مجرمانہ زندگی اپنا لیتے ہیں آج وہ کھلونے
کی بندوق سے کھیلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کل اصلی سے کھیلیں۔ اس طرح
ہم بچوں کو کیا پیغام دے رہے ہیں۔ کیا ہم اُن سے یہ اُمید رکھیں کہ جھگڑا
ایک مذاق ہے۔ مار دھاڑ لڑائی اپنے آپ پر قابو نہ رکھنا ایک بہانہ ہے

ایسے وقت ماں باپ کو چاہیئے کبھی اچانک نہ ہوں اور نہ ہی انہیں اپنے
بچوں کو کھلونے بنانے والی کمپنیوں کے رحم وکرم پر چھوڑنا چاہیئے۔

امریکہ کے قیام کے دوران مجھے ڈاکٹر مطابدہ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔
یہ ایک حیوانات انسٹیٹیوٹ سے وابستہ ہیں۔ دوران گفتگو انھوں نے کہا
بچوں کے لئے جسمانی سزا نوع انسانی کے لیئے ایک لعنت ہے ان میں اکثر کی
یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ محسوس کرتے کچھ ہیں اور ظاہر کرتے کچھ ہیں اور خود
بچوں میں اچھے برے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ ایسے بچے اکثر بگڑ جاتے ہیں
بچوں کے ساتھ میں سب سے اہم مسئلہ نیکی کی تعلیم دینا ہے بچے ہر کھلونے
سے کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں کیونکہ یہ ان سے لگاؤ رکھتے ہیں بڑوں کا۔ بچوں
سے لگاؤ محبت ایسے ماحول میں بچے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں وہ محسوس
کرتے ہیں ان کے جادۂ حیات میں دلچسپی لی جارہی ہے ایسا ماحول بچوں
کے لئے دائمی خوشی فراہم کرتا ہے۔ یاد رہے یہ کھلونے فراہم نہیں کر سکتے
سوپر میان، بیاٹس میان۔ اسی طرح کے کئی کارٹون فلم جو بچوں کے لئے بنائے
گئے ہیں نادان بچے جب سوپر میان کو ایک بلڈنگ سے دوسری بلڈنگ پر
کیمرہ کی مدد سے ٹی وی پر پرواز کرتے دیکھتے ہیں ستم ظریفی یہ ہے کہ ماں باپ
انھیں سوپر میان کا ڈریس پہنا دیتے ہیں۔ معصوم بچے اسی طرح کی نقل
کرنے کی کوششوں میں اپنی جانیں گنوا بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح جاپانی کارٹون
کے فلم جو بچوں کے لئے بنائے گئے ہیں بچے اس کے دلدادہ ہیں۔ فرانس، سوئٹزر لینڈ
کی اکثر بچوں کی ماؤں نے مجھ سے کہا ہم اپنے بچوں کو یہ کارٹون نہیں دکھاتے

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بچوں پر اچھے اثرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں ہر عمر کے بچوں کے لئے الگ الگ کھلونے درکار ہیں معذور بچوں کے لئے خاص قسم کے کھلونے بنائے جاتے ہیں آپ کھلونے کی دوکان میں بچوں کی عمر بتلا دیں آپ کو دوکاندار رہنمائی کرے گا کہ کس عمر کا بچہ کونسے کھلونے سے کھیلنا پسند کرے گا۔ بعض کھلونے کی کمپنیاں ایسے کھلونے بناتی ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کہیں بچے ناامیدی کا شکار تو نہیں ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ماہر نفسیات کا خیال ہے کہ بچوں کی کہانیاں بچوں کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں بچوں کی کہانیوں کا تصور اتنا ہی پرانا ہے جتنا حضرت انسان کا۔ بعض کرداروں کو متعارف ہوئے کئی صدیاں بیت گئیں۔ لیکن اُن کی اہمیت میں آج تک بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ جیسے سینڈریلا۔ اس میں یونیورسل پرابلم یعنی الاقوامی مسئلہ طریقی جس میں حسد، جلن، سوتیلی ماں، بہنوں کا سلوک ہر بچہ پڑھنے کے بعد سوچے گا اگر وہ کامیاب ہو جائے تو کیا کرے گا۔ اچھا اختتام بچوں میں مستقل مزاجی پیدا کرتا ہے کوئی جن فرار ہو گیا یا پھر کوئی جبر میں نے اپنے ہوس کی آگ میں جل کر بربادیاں پھیلانا شروع کر دیں۔ بعض کہانیاں ناقابل یقین ہوتی ہیں لیکن کم عمر قاری اس حد تک اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیتے ہیں جس کہانی کا انجام اچھا ہوتا ہے اُس کا اثر بچوں پر اچھا ہوتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ بچوں سے ہمارا رشتہ صرف پیار، محبت کا رشتہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بہتر مستقبل کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ ایک منٹ میں دنیا میں ۳۰۰ بچے جنم لیتے ہیں لیکن ہر لمحہ ۲۰۰ ڈالر ہم اسلحہ پر خرچ کرتے ہیں۔ کتنی افسوس کی بات ہے ہر بچہ دنیا میں اپنے آنے کا اعلان پھیپھڑوں میں ہوا بھر کر چلاتے ہوئے کرتا ہے۔ اب اس کا دارومدار بڑوں پر ہے کہ یہ چیخ اس کی خوشی کی ہوگی یا پھر درد و کرب کی۔

حرفِ آغاز

(آؤ اقبال سے ملیں)

اللہ کا شکر ہے کہ میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے جب بھی علامہ اقبال کے کلام یا ان کے حالات کا مطالعہ کرتی تو میرا دل چاہتا تھا کہ علامہ اقبال پر کچھ لکھوں۔ اقبال کی شاعری اور فکر پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے لیکن ہر تحریر کے پیچھے کوئی مقصد ہوتا ہے میرے پیش نظر یہ بات تھی کہ ہمارے موجودہ ماحول میں نوجوانوں اور بچوں کے لئے اقبال کی حیات اور شاعری کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جائے تاکہ وہ اس عظیم شاعر کے خیالات کو اپنی زندگی میں مشعل راہ بنائیں

میں اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کے ایک اجلاس میں شریک تھی اس اجلاس میں جناب محمد ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی نے مجھ سے خواہش کی کہ نوجوانوں کے لئے اقبال کی حیات اور ان کے پیام پر ایک کتاب لکھوں۔ اس طرح یہ فرمائش اس کتاب کی اشاعت کی محرک بنی۔

نوجوان اقبال کی امیدوں کا مرکز تھے۔ ان کی فکر میں نوجوانوں کی تربیت کو خاص مقام حاصل ہے اقبال کا شاہین زادہ، مومنانہ عزائم، فاتحانہ کردار اور حرکت و عمل کا پیکر ہے نوجوانوں کے سامنے ان صفات کو پیش کرنے کی ضرورت ہے

میں اقبال اکیڈیمی کی ممنون ہوں کہ درکار کتابیں اور خصوصاً اقبال کے

شعار پر مبنی مرقع چغتائی فراہم ہو سکیں۔ میں مرقع چغتائی سے بے حد متاثر ہوئی۔ اقبال کے شاعرانہ جذبات کو چغتائی نے بڑی خوبی کے ساتھ مصوری میں پیش کیا ہے۔ رنگوں کے دلربا امتزاج اور خطوط کے فنکارانہ حسن نے ان کی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈال دی ہے مجھے اس فن سے دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ میں نے مرقع چغتائی سے متاثر ہو کر چند مرقعے بنائے ہیں جن میں نوجوانوں کے لئے اقبال کے پیام کی عکاسی ہوتی ہے۔

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ نے کہا تھا کہ "اقبال قرآن سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہہ سکتے" لہٰذا اقبال کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ اس مقدس کتاب ہدایت اور محسن انسانیت کی سیرت پاک سے نوجوانوں کو روشناس کرائیں تاکہ وہ اس کی روشنی میں پیام اقبال سے فیض پا سکیں۔

الطاف نے زندگی کے ہر موڑ پر میری رہنمائی کی ان کے ادبی ذوق اور وسعت نظر کی وجہ سے میں اپنا ادبی سفر جاری رکھ سکی۔ اس کتاب کی ترتیب میں اپنی چھوٹی بہن ڈاکٹر اختر سلطانہ کے مشوروں اور تعاون کے لئے ممنون ہوں۔ میں اپنے بھائی نیر (صلاح الدین نیر) کے بے لوث خلوص کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان کی سعی اور تعاون کی وجہ سے ماہنامہ خاتون دکن کا اشاعت کا سلسلہ بارہ سال سے اللہ تک جاری رہ سکا۔ اس کتاب کی اشاعت کیلئے میں اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

جولائی ۱۹۹۹ء صالحہ الطاف

اے رقاصہ تو رقص نہ کر

رقاصہ تو اپنی بزم سجا چکی، لیکن تجھے دیکھ کر میرا دل بے چین ہو جاتا ہے تیرا جسم ایک مجسمے کی مانند ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ساکت ہے اور تو متحرک میرے عمیق دل سے ایک کراہ نکلتی ہے اور میرے لبوں پر آہ آکر رک جاتی ہے جب میں تجھے دیکھتی ہوں تو اپنی ادائے دلبری سے تو اپنے چہرے کو اُس گھونگھٹ میں چھپاتی ہے جس کی لاج لاقیمت ہے تیرے حنائی ہاتھ اس گھونگھٹ کا بوجھ نہیں سنبھال سکتے، میری آنکھ بھر آتی ہے تیرے نازک پاؤں فرش پر ہیں گھنگھروں کی جھنکار میرے دل کو مسل دیتی ہے تو اپنے حنائی پاؤں فرش پر رکھ کر بے خبر سے ہلتے ہوئے اس طرح چلتی ہے جیسے تو پھولوں کے فرش پر محوِ خرام ہو پھولوں کے مسلے جانے کا ڈر ہو پھر تیرے گھنگھروں کی آواز ساز کے تال و سُر سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے فضا میں تو نے اپنا ہاتھ اونچا کیا اور فضا کو مترنم بنا دیا۔ پیروں سے فرش پر نشانِ موسیقی ثبت کر دیئے۔ تیرا نغمہ گونجا۔ پھر تو آمادۂ رقص ہو گئی اپنی نازک کمر کو بل دیتی ہے شرم آگیں چہرہ جس کی رنگت پہ کہکشاں

کی چمک بھی ماند پڑ جائے۔ اے فسونِ ناز تیرا تبسم پھولوں کے کھلنے کا انداز پیش کرتا ہے تیری گہری آنکھیں، مژگاں کے آغوش میں تیری مست و سرشار نگاہیں مجسمہ نور، پیکرِ ضیا اور وہ خواب جو تیری پلکوں کے آغوش میں چھپا ہے لوگوں کا ذوقِ نظر میں برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ یہ ایک کے لئے نہیں۔ تیرے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو صنف کے کھلنے کا انداز پیش کرتے ہیں۔ تیری بلوریں گردن جس پر آہو کی گردن فدا ہو۔ اُس پر بکھرے ہوئے گیسو جس میں ہزاروں خم۔ تیرے بالوں کی بکھری ہوئی خوشبو۔ تیرے آنچل کی ہوا۔ تیرے ہاتھوں میں نازک چوڑیاں۔ میری نگاہیں کانپ جاتی ہیں۔ میں تجھے حالتِ رقص میں دیکھتی ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ بہار کی کلیاں مسکرا رہی ہوں۔ تیرے جسم کی لچک شاخ بلوط کی لوچ کو شرما دے تیرے رقص کی جنبش سے تیرا پورا جسم تھرک اُٹھتا ہے تیرا رقص، روح کا اضطراب ہے تو فن کو مجروح نہ کر۔ بازارِ حسن کو رونق نہ دے۔ تو بام و در سجا چکی۔ کوچہ و بازار کو رونق بخش چکی۔ تیرا رقص جس کی کوئی قیمت نہیں۔ چوبارے میں تیری قیمت گراں، پھر بھی ارزاں، تیری آنکھوں کا سحر جنتوں کا فسوں، ساز میں ڈوبی ہوئی آواز، تیرا لحن پُر سوز، تیرے گھنگھروں کی جھنکار، پاؤں کی جنبش، ہنگام رقص، ایک خاموش صدا تیرے مصائب کا کوئی اجر نہیں۔ ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں۔

تیری خاموشی ساری نسل سے ہمکلام ہے تو نے زندگی کا بہت سا
زہر پیا ہے بہت سے داغ اپنے لوحِ دل پر سجائے ہیں۔
اے حوا کی بیٹی تو حاصل کائنات ہے تو انسانیت کی معمار ہے
تیرے دامن میں بھی کلیاں مسکرائیں گی تو انہیں کیا جواب دے
گی۔ اے شمع محفل فانوس پروانے کو الزام دے گی ابھی
وقت ہے سنبھل جا تو پرستش کے قابل ہے اگر کلی اپنی رعنائی
پر خود فریفتہ ہے تو وہ تو ہے تیری الفت اور جاں نثاری کی
کسوٹی کیا ہے۔ کیا تجھے ایسا نہیں لگتا کہ تیرے چاہنے والے پر لگے
ہیں۔ تو انہیں سرد آہیں بھرتے ہوئے دیکھ کر خوش نہ ہو
تو شمع تماشائی نہیں تیرا فن دلبری کے لئے ہے تو اسے رسوا نہ
کر۔ پلک پلک پر غمِ تازہ کی انجمن جو تو نے سجائی ہے شکستِ
وفا کی جو داستانیں تو نے چھپائی ہیں تیری محرومیوں کا غم مجھے بھی
ہے میں بھی اشک بار ہوں ہوس کار نگاہیں تیرے تعاقب میں
ہیں مجھے احساس ہے زمانے بھر کی رسوائی اور تجھے گردشِ حالات
سے نمٹنا ہے۔ میں جانتی ہوں جتنے بھی لمحے تجھے ملے وہ غم
سے گرانبار ہیں۔ یادوں کے شبستانوں کو مٹا دے خوابوں کے دریچے
بند کر دے۔ میں مانتی ہوں گردشِ حالات سے مجبور رہی ہے تو۔ مجبور
یاں ہیں، زخمی روح تیرا دائمی درپن ہے ہنستا چہرا اس میلے میں حسن اکیلا
تیرا فن دلربائی کیلئے ہے تو اسے رسوا نہ کر۔ اے رقاصہ تو رقص نہ کر۔

یادوں کے بندھن

ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کے دامن سے ہزاروں امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، ماں کے پیار کا دھارا عجیب ہے اس چاہت کی کوئی سیما نہیں، اس کی دل کی وسعت کو آج تک کوئی ناپ نہ سکا ماں وہ ہستی ہے جس کے چہرے میں خدا کا جمال و جلال دیکھا جاسکتا ہے۔

مجھے کچھ خواتین اور لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو اپنی ماں کو کھو چکی تھیں، رنج کے وقت ہر ایک کا حوصلہ الگ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ وقت ایک مرہم ہے جیسے جیسے وقت گذرے گا رنج کم ہو جائے گا یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن جب یاد کرو غم تازہ ہو جاتا ہے۔

زویاد ہر عید کے وقت بے چین ہو جاتی ہے ایک عرصہ گذر جانے کے باوجود وہ ماں کو بھلا نہ سکی، حالانکہ دوسرے اوقات میں وہ اپنے تمام کام بہ خوبی انجام دیتی ہے وہ کہہ رہی تھی، آج ۱۵ سال

بیت گئی ماں کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات مجھے یاد ہیں۔ آہ..
اے مقدس ہستی تمہارے جانے کے بعد بہاریں آئیں اور چلی گئیں
ہے خوشی کے لمحات مختصر ہوتے ہیں۔
۴۲ سال کی جینیفر کہہ رہی تھی، اس کی ماں اس سے اس وقت
بچھڑ گئی جبکہ وہ صرف ۴ سال کی تھی اس کی ماں کی موت کاربن مونو
آکسائیڈ کی وجہ سے ہوئی، جبکہ وہ گیراج میں تھی، گیاس کا کیاپ
(CAP) گر گیا... وہ اس وقت سمجھ نہ پائی تھی جب وہ سن بلوغت
پہنچی وہ اپنے پچھلے یقین پر متزلزل ہوگئی کہ اس کی ماں کی موت
اس طرح واقع ہوئی کہ کیاپ CAP گر گیا اور وہ مرگئی یہ ایک
مضحکہ خیز بات تھی، اس قسم کی کہانی اس کے دماغ میں تھی۔ ا
اسے یقین ہوگیا کہ یہ کہانی غلط ہے بلکہ ماں نے خودکشی کی تھی۔

HIS IS STUPID SHE IS TRYING RECONCILE

آج جینیفر نئے رنج میں مبتلا تھی۔
جینی کہہ رہی تھی، میری ماں میری زندگی سے چلی گئی، میرا
کھو گیا، وہ کہہ رہی تھی، میں اپنی ماں کی موت پر نہیں روئی، آ
بھی میں یاد کرتی ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا، میرے آنکھو
سے آنسو کیوں نہیں نکلے، میری ماں کا انتقال کینسر کی وجہ سے
تھا جب میں FUNERAL سے واپس آئی سیدھے میں گھر کے

صحن میں چلی گئی۔ تب میری آنکھیں کالی گھٹاؤں کا ساتھ دینے لگیں، آنسو کے شرارے ٹوٹ ٹوٹ کر دامن میں جذب ہوتے رہے۔ ڈوبتی زندگی ابھرتی موت و حیات کی روشنی دینے والے خود اندھیرے میں گم ہو گئے وہ اب بھی رو رہی تھی۔

ماں تم اپنا درد ہمیں سونپ کر چلی گئیں لیکن میں اب کس طرح زندگی گذاروں...؟

اضطراب کے بجھتے ہوئے شعلوں سے دھواں اٹھنے لگا۔

وقت کی گرد تلے دبی ہوئی یادیں پل پل میں آنکھوں کے آگے گھومنے لگیں رو ما کہہ رہی تھی، میری زندگی تو اشکوں اور آہوں کا مجموعہ بن گئی ہے زندگی کا یہ طویل سفر راہیں کٹھن، اس بحرِ بیکراں میں ہم تنہا ہم لوگوں کی پرورش کے لئے تمھارے سہارے کی ضرورت تھی ماں ہمارے ہونٹ ماں کے مقدس لفظ پکارنے کے لئے بے قرار، ہمارے کان تمہاری آواز کے لئے بے چین ہیں، تم نہیں تو ماں ہم راستے سے بھٹک جائیں گے، ایسا لگتا ہے جیسے راہِ حیات مسمار ہو گئی۔

اس کی چھوٹی بہن نے کہا میری ماں کی موت نے مجھے منتشر کر دیا اور میں ٹوٹ گئی، گم سُم میں دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی، ان لوگوں کا کہنا ٹھیک ہے۔ ماں باپ کا کھو جانا ہر قدم پہ ان کا غم تازہ ان کے چہروں میں مجھے حسرت و اداسی کا ملا جلا تاثر جوان کی ماں کی محبت کی

ترجمانی کر رہا تھا میں دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی میری پلکوں پر بھی ستاروں کی جلترنگ بجنے لگی۔ میں سوچ رہی تھی زندگی سے کتنے انجانے طوفان وابستہ ہوتے ہیں، سچ ہے محبت کی آنچ میں کتنی لپک ہوتی ہے ماں کائنات کی تاریخ ہے۔ انسانیت کی تکمیل ہے ماں سب کچھ ہے، ماں سب کچھ ہے۔

میں شیبا کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی، صبر کی صدائے بازگشت اس کے چہرے سے عیاں تھی، دیکھنے والی آنکھیں محسوس کرنے والا دل سب ہی بے چین، خزاں کی بدسلوکی کی شکایت کس سے کی جائے، جبکہ باغبانی خود یہاں فریادی تھا میں خود بے قرار اور تڑپ کر رہ گئی، ایسا لگا جیسے سمندر کی لہریں میرے دل میں موجزن ہیں ایک لہر کے بعد دوسری لہر شدت احساس سے میرا جسم کانپ رہا تھا، روح بے چین شدید جذبہ جس کی ترجمانی مشکل۔

لے بی مونا جب وہ پانچ سال کی تھی اس کا یہ خیال، موت کیا ہے بس سو جانا، اب وہ گیارہ سال کی ہے، اب وہ جان گئی کہ ماں کی موت کیا ہے کہ اب وہ کبھی لوٹ کر نہ آئے گی، لیکن اب وہ سمجھ گئی کہ سچائی کیا ہے، اس کے آنکھوں سے موتی گرتے رہے اور اسی کے دامن میں جب جذب ہوتے رہے جب میں شیتل سے ملی، اس نے مجھ سے کہا ہم تمام بچے مشکلات میں گھرے ہوئے تھے ہم سوچنے پر مجبور تھے

کہ زندگی کہاں سے شروع کریں۔ بابا ایکدم بوکھلائے ہوئے تھے
ان پر ہم تین بھائی بہنوں کی دیکھ بھال۔ اگر ماں کا نام بھی لیا جاتا
تو بابا کی آنکھ بھر آتی اور ہمارے آنکھوں کے سامنے بس اندھیرا
ہی اندھیرا تھا۔
قدم قدم پر دکھ نظر نظر میں آنسو، ہم ڈنر ٹیبل پر بیٹھتے، لیکن کچھ
کھایا نہیں جاتا بابا تو بالکل ٹوٹ چکے تھے، ہم لوگ بھی پتھر کی طرح، رات
جب ماں نے اپنی آخری سانس لی، میری آنکھ میں آنسو تھے اور نہ چہرے
سے کچھ ظاہر کر سکتی تھی۔ واپسی پر بابا نے کہا میرا چہرہ سنگ مرمر کی طرح
ہو گیا ماں کے بنا تحفظ کا احساس ختم ہو گیا تھا زندگی طویل اور زیست کا
ماتم بھی طویل، خاموشی جان لیوا اور وہ خاموش ہو گئی، مجھے صرف اس کے
چہرے سے غم بولتا ہوا محسوس ہوا۔
میں جب رفیدہ سے ملی، وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ تھوڑا
دیر بعد جب وہ سنبھلی تو اس نے کہا، ماں کا انتقال ہو گیا پھر سوتیلی
ماں کا سلوک، غیر محفوظ حالات ہر سہارا مجھے دم توڑتا ہوا محسوس
ہوتا ہے۔ آہ۔ ماں تم چلی گئیں، مصیبتوں کا بحر بیکراں اور ناتواں
ہم۔ اپنوں کے تیور بدل گئے۔ میرے تخیلات بھی ایسی دنیا تو نہ تھی
ماں تم تو ہماری پلکوں پر بھی آنسو دیکھنا گوارا نہ کرتیں، لیکن اب
ہم نے زندگی کا زہر گھونٹ گھونٹ پی لینے کی عادت ڈال لی ہے

تم تو ہمارے دامن کو محبت کے موتیوں سے بھر دینا چاہتی تھیں اپنوں کا شکوہ عزیزوں سے کیا کرنا۔ بس دل میں ٹیس اٹھتی رہتی ہے تمہارے جانے سے دل کا دامن محبت کی چنگاریوں سے خالی ہے اور خالی رہے گا، اس کے ساتھ ساتھ میں بھی آنسوں کے پھوار میں بھیگتی رہی اور خالی پن محسوس کرتی رہی۔

چھوٹے بچوں کو بھی اپنے ماں باپ کے بچھڑنے کا غم ہوتا ہے لیکن ان کے اظہار کا طریقہ الگ ہے سانئیلا لوخیٹس کا کہنا ہے کہ بچے اس کو محسوس کرتے ہیں، بچے اپنے غم کا اظہار آہستہ آہستہ کرتے ہیں جیسے جیسے وہ زندگی کی راہیں طے کرتے جاتے ہیں۔ مختلف حالات میں وہ اپنا غصہ اور رنج ظاہر کرتے ہیں، جب بھی کوئی ان سے بے اعتنائی برتتا ہے یہ اپنا غم کبھی اور اپنے عادات و اطوار سے ظاہر کرتے ہیں، غم زدہ ماحول سے بھی وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی اور جذبات کا دھارا آبشار کی طرح گرنے لگا۔ آنکھیں دھندلا گئیں، بلبلوں کے مانند وقت کے شب روز زمانے کی سطح پر ابھرتے اور ڈوبتے رہے۔

زندگی بچھڑتی اور سمٹتی رہی، میں نے بھی اپنے دل کی محراب میں جو شمعیں جلائی تھی۔ وہ ایک کے بعد ایک خاموش ہو گئیں۔

بابا کے جسم کا لمس، ماں... ماں نے نو ۹ ماہ لئے ہمیں دنیا میں

لانے کے لئے زندگی دینے کے لئے گو یہ عہدِ رفتہ کی باتیں ہیں، لیکن پونم کی چاندکی طرح احساس میں آج بھی روشن۔

وہ یادیں آج بھی تڑپاتی ہیں، ہماری دنیا ہماری نظروں کے سامنے مٹ جائے کتنا دل شکن حادثہ ہے۔

کیسے بھلائیں......؟

کس طرح بھلائیں......؟



سُہاگ رات

حُسنہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے اُسے محسوس ہونے لگا جیسے
وہ صحرا میں تنہا کھڑی ہے جہاں ہمیشہ خزاں مُسکراتی ہے اُس کا نام لے کر
پُکارا گیا اور وہ چونک اُٹھی۔
چاچا پوچھ رہے تھے بیٹا حُسنہ تمہارے بابا کہاں ہیں ؟
وہ باہر گئے ہیں بس آتے ہی ہوں گے !
اور تمہاری ماں کہاں ہیں ؟
وہ تو جنت سدھار گئیں۔ وہیں ہیں اور کہاں۔ ؟
مُسکرا کر۔ صحیح ہے بیٹا۔ حالات سے سمجھوتہ کر لے۔ تیری
آنکھوں میں یہ موتی کیسے۔ انہیں سنبھال کر رکھنا۔
وہی تو کر رہی ہوں۔ چاچا
سُنا کہ تم سب شادی میں جا رہے ہو
حُسنہ کے بابا آتے ہیں اور کہتے ہیں
ہاں سوائے حُسنہ کے۔ یہ چلنے کے لئے تیار نہیں اور وہ لے جانے سے بھی

تیار نہیں۔

بابا۔ حسنہ کے قریب آکر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں۔ بیٹا تم تو جانتی ہو اور تم بڑی سمجھدار بھی ہو۔ ہم لوگ رات تک لوٹ آئیں گے۔

حسنہ۔ بابا میں آپ کی مجبوری سمجھتی ہوں۔ آپ کیوں اتنے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ آپ ہو آئیں۔

بابا۔ سرد آہ بھر کر۔ تمہاری ماں کی موت نے میری روح کو زخمی کر دیا ہے۔ ماں کی شفقت اور تقدس تو اللہ کی دین ہے۔ اگر یہ عورت محسوس نہ کرے تو افسوس ہے تمہاری چھوٹی ماں، ماں تو کہلاتی ہے لیکن ممتا کی آنچ اور اس کی لپک سے نا آشنا ہے

اتنے میں چھوٹی ماں اور اس کی چھوٹی بہنیں تیار ہو کر آجاتی ہیں

چھوٹی ماں۔ دیکھو دروازہ بند کر لینا اور ہمارے آنے تک دروازہ مت کھولنا۔

حسنہ۔ جی اچھا

سوائے حسنہ کے سب ہی باہر چلے جاتے ہیں

حسنہ خود سے کہتی ہے۔ آج میں اکیلی ہوں۔ بالکل تنہا تنہائی میں رعنائی ہے۔ آج وہ گھر کی مالکن ہے MISTERS-OF THE HOUSE آج کوئی اسے کرخت آواز میں نہیں پکارے گا۔

اس نے اپنے سامنے آئینہ رکھ لیا اور ڈوپٹے سے اپنے سر کو ڈھانک دیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے ٹی وی کے کئی مناظر گھوم گئے۔ برات سے لے کر سہاگ رات تک ۔۔۔ دلہن بننا یہ کونسا مشکل کام ہے۔

"تصورات کی پرچھائیاں اُبھرنے لگیں"۔

اسے لگا اُس کی سہیلیاں اُس کے اطراف بیٹھی ہوئی ہیں ۔ اُس کے کانوں میں شہنائی کی آواز گونجنے لگی ۔ اُس کے حنائی ہاتھوں کی سرخی ۔ اُس کی مانگ کی افشاں اُس کے آنچل میں سے چمکنے لگے پھر اُس کی سہیلیوں نے بابل کا گیت چھیڑا۔ رخصتی کا وقت آگیا۔ بابا کے آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ وہ اُن کے گلے لگ گئی ۔ اُس کی آنکھوں سے بھی ساون بھادو کی جھڑی لگ گئی ۔ وہ اپنی چھوٹی ماں کے پاس آئی۔ اُس نے دل میں کہا جاؤ آج میں نے تمھیں معاف کیا۔

مگر یہ کیا ۔۔۔ ؟ اُن کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے

ہاں ہر عورت ماں ہوتی ہے

بارات جانے کے لئے تیار تھی۔ سب کہہ رہے تھے دلہن بہت خوبصورت دکھائی دے رہی ہے۔ دلہا بہت خوش قسمت ہے۔

وہ اسی طرح اپنے خواب سجاتی رہی۔ اتنے میں سجا سجایا اُس کا اپنا گھر آگیا۔ بینڈ باجے کا شور ۔۔۔ اُسے سجی سجائی سیج پر لاکر بٹھا دیا گیا۔

آج ۔۔۔ آج اُس کی سہاگ رات ہے۔

وہ ٹی وی میں دیکھے ہوئے سین کی طرح بیٹھ گئی تاکہ وہ اپنے من مندر کے دیوتا کا استقبال کر سکے۔ دولہا نے پھولوں کی چلمن ہاتھوں سے ہٹائی اور کہا۔

حسنہ تم میری نگاہوں کی جنت ہو۔ تمہاری یہ ہلالی بھویں، تمہارے یہ مدھ بھرے نین، تمہارے چہرے کی یہ شفق۔ تمہاری مانگ کی یہ افشاں

حسنہ تم تو نام کی طرح حسین ہو۔

دروازے پر دستک دی گئی۔ دستک نے اُسے ایکدم چونکا دیا۔

اُس نے دروازہ کھولا۔

بیٹا تم نے چراغ بھی نہ جلایا۔ اندھیرے میں بیٹھی ہو۔ چھوٹی ماں بہن بھی اندر آگئے۔ وہ سب کہہ رہے تھے شادی بہت اچھی ہوئی۔

اُس کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا

اُس کی سجائی ہوئی تمام پرچھائیاں اندھیرے ہی میں اُس کا ساتھ چھوڑ گئیں ۔۔۔

(مرکزی خیال عربی افسانے سے)

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

میں ائیر پورٹ پر بیٹھی ایئر انڈیا کے آنے والے جہاز کا انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی جان پہچان والے شائد ملیں۔ ہوا بھی یہی۔ مہر مجھے دیکھتے ہی قریب آ گئی۔ ملنے اور مزاج پرسی کے بعد ہم دونوں بیٹھ گئے۔ وہ اپنے IN LAWS کو اور اپنے بچوں کو لینے آئی تھی۔ ہمیشہ سے حسن پرست مہر کو دیکھ کر میں سوچا کرتی تھی ماں باپ نے اس کا نام ٹھیک تجویز کیا ہے بڑی پیاری سی، نازک سی، سرو قد چہرے پر بلا کی کشش، بس اسے دیکھتے رہنے دل چاہتا۔ ہم ایک ساتھ ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔ میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی اور اپنی یادوں کو سمیٹ رہی تھی۔

اس سے باتیں کرتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں ابھی چھلک پڑیں گی۔

میں نے مہر سے پوچھا آج کل کیا کر رہی ہو۔۔؟" اس نے کہا کچھ بھی تو نہیں۔

میں نے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا "دیکھو میں اس اسکول کی
انچارج ہوں۔ پرسوں صبح آجانا مجھے ایک ٹیچر کی ضرورت ہے اگر تم
نے قبول کر لیا تو کچھ اور ساتھ رہنے کا موقع مل جائے گا" اُس کے
IN LAWS کسٹم سے باہر آگئے تھے وہ اُن سے ملنے چلی گئی۔
وہ اسکول وقت پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے کچھ ٹیچرس کا تعارف
کرایا۔ یہ مسز فاروق ہیں۔ یہ مس سکینہ۔ یہ دینیات کی اُستاد
ہیں۔ یہ مسز ڈگلس اور یہ مس پیٹریشیا۔ اور باقی ٹیچرس سے
INTERVEL میں مل لینا۔ چلو میں تمہیں تمہاری کلاس دکھا دوں
کلاس میں میں اور مہر داخل ہوئے۔ ابھی بچے آرہے تھے۔ میں نے
کہا "تمہیں دو ایک دن دقت ہوگی لیکن تم بہ خوبی سنبھال لوگی" میں
اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے چہرے پہ
مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ مہر میں چلی ہوں۔ ٹھیک ہے
مل سے پہلے جب میں مہر کی کلاس میں گئی۔ میں نے دیکھا وہ ٹیچر سے زیادہ
خدمت گار کی طرح بچوں سے برتاؤ کر رہی ہے۔ اسکول کا وقت ۹ بجے سے
۱۲ بجے تک کا تھا۔ ٹیچرس اور مہر میرے کمرے میں آئے۔ باقی ٹیچرس
خود ہی اپنا تعارف مہر سے کرایا۔ سب رخصت ہونے لگے۔ میں نے مہر
سے کہا اگر تم بس ڈرائیور سے کہہ دو تو وہ تمہیں گھر پہنچا دے گا۔ اگر جلدی
ہو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ سیلبس اور کاپیاں نکال دی
ہیں ساتھ لے جانا اور دیکھ لینا۔ مہر نے کہا میرا گھر تو پاس ہے

میں تو تبدیل آئی ہوں ۔ میں تمہارا نام دیکھ چکی تھی ۔ میں خود ملنا چاہ رہی تھی ۔ اتفاق سے ملاقات ہو گئی ۔ چلو اچھا ہوا ۔ اس نے پوچھا بتلاؤ تمام کیسے ہیں ۔۔ ؟ میں نے تفصیل بتلائی وہ خوش ہو گئی ۔
اسکول خالی ہو چکا تھا ۔۔۔ میں نے مہر سے پوچھا سناؤ کیسی ہو ۔۔ ؟ کیونکہ وہ مجھے اُلجھی اُلجھی بے چین لگ رہی تھی ۔
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ ایسے لگ رہا تھا ۔ اُس کے پاس سسکیوں اور آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ اُس کے چہرے سے اُس کی تڑپ آنکھوں میں دُکھ کی گہرائی جو آنسوؤں سے اور گہری دکھائی دے رہی تھی ۔ اُس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے ۔ میں خود بھی اپنے آنسوؤں کی بوچھار میں بھیگ رہی تھی میری آنکھیں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں ۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ساری کائنات ان ڈبڈبائی آنکھوں کی اُوٹ میں رک گئی ہو ۔
ایک گلاس پانی دیا ۔۔۔ وہ کچھ ذرا سنبھلی ۔۔۔ اور کہنے لگی ۔ میری تمام دعائیں بے اثر ہو رہی ہیں ۔ میرے جسم و جاں دونوں جل رہے ہیں بس وہ مجھے چاہتے ہیں ۔ میرے دکھی دل کو ڈھارس بندھ رہی ہے وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہی تھی ۔۔۔ میری کوئی خطا ضرور ہے جس کی وجہ سے میری گود خالی ہے ۔ اُن کے لوگ چاہتے ہیں کہ دوسری شادی کریں ۔ زبان کے دھارے سے ہر چیز کٹ جاتی ہے ۔ جو غم اپنے دیتے ہیں وہ بہت گہرے ہوتے ہیں ۔

یہ تمام سن کر میں آہ بھی نہ کر سکی۔ میں سوچ رہی تھی اس کی زندگی میں یہ بھنور کہاں سے آ گیا۔ میں نے کہا اتنی سی بات پر تم اتنی مایوس کیوں ہو۔ کسی ڈاکٹر سے صلاح کی جا سکتی ہے۔ اللہ سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک بات تم نے کہی وہ تمہیں چاہتے ہیں یہی کیا کم ہے۔ تمہارا دل دکھا ہوا ہے۔ اللہ تمہاری ضرور سنے گا۔
سچ ہے دل کے زخم دیکھے نہیں جاتے، مگر محسوس کیئے جاتے ہیں کافی دیر ہو چکی ہے چلو میں تمہیں چھوڑتے ہوئے گھر جاؤں گی وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اداسی کا رنگ گہرا ہوتا گیا دوسرے دن جب میں اس کی کلاس کے سامنے سے گزر رہی تھی تو میں نے دیکھا کر دو تین بچے اس کا آنچل پکڑے کھڑے ہیں ایک بچہ رو رہا تھا جو اس کی گود میں تھا۔
میں نے دعا کی یا اللہ اس میں تمنا جاگ اٹھی ہے اسے اولاد سے نواز دے۔ بچوں کے تعلیمی سلسلے کی وجہ سے میں کئی سال انڈیا سے باہر نہ جا سکی۔
ایک دن اس کا فون آیا۔ فون کے درمیان۔ آیا دیکھنا بچہ گر جائے گا ارے بیٹا سیکل آہستہ چلاؤ نہیں تو گر پڑو گی۔ میں ہلو ہلو۔ دوسری جانب سے ہاں یہ بچے بڑے شرارتی ہیں۔ ہاں کب آ رہی ہو۔ اچھا اچھا میں انتظار کروں گی۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی بتلا نہیں سکتی۔ میں نے اندازے سے کاٹن فراک، بابا سوٹ

کھلونے چاکلیٹ لئے اُس کے گھر پہنچی۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی
ملنے کے بعد میں نے تمام ہاتھ اُس کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔ یہ لو
یہ تمہارے تحفے منوں کے لئے ہیں ـــ گھر بہت صاف ستھرا ڈرائنگ
روم میں ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ میں بے چینی سے پوچھ بیٹھی۔ مجھے
کہاں ہیں ـــ؟ اُس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ابھی آ جائیں گے۔
ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہم نے چائے مل کر پی لی۔ اُس نے کہا چلو
بچوں کے آنے کا وقت ہو گیا۔ زینے طے کرتے ہوئے ہم گھر کی دوسری جانب
چلے۔ بڑے سے کمرے پر خوبصورت بورڈ لگا تھا KINDER CARE
والدین اپنے بچوں کو لا کر مہر کے حوالے کر رہے تھے کوئی ماں کہہ رہی تھی
اس نے ناشتہ نہیں کیا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ یہ بغیر کپڑے بدلے آ گیا ہے
وہ تمام کے درمیان خوش خوش کسی کو کنگھی کر رہی ہے کسی کے کپڑے
بدل رہی ہے آیا دودھ اور بسکٹ لانا۔ منا بھی مانگ رہا ہے۔ دیکھو
بچو یہ تمہاری آنٹی ہیں۔ بہت سے کھلونے اور ٹافیاں تم لوگوں کے لئے
لائی ہیں ـــ اچھا تو تم نے کپڑے نہیں بدلے۔ آنٹی کے لائے ہوئے
کپڑے پہن لو۔ وہ بچوں کی خدمت میں معروف تھی۔ اُس کے چہرے پر
کوئی الجھن نہ تھی۔ کوئی سلوٹ۔ کوئی آزردگی نہ تھی ایسے لگ رہا تھا جیسے
برگد کی گھنی چھاؤں تلے سکون مل گیا ہو ـــ مجھے ایسے لگا یہاں تو آہنی
قلب بھی پگھل جائے ہے۔ بچے کیسے لپند نہیں۔ بنا بچوں کے گھر کا آنگن کو
لگتا ہے۔ میں بھی بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔ لیکن وہ میرا تجسس

بھانپ گئی۔
اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ـــــ میں اپنا EXAM
کروا چکی۔ پھر وہ پُر سکون لہجہ میں کہنے لگی۔ سب کچھ اللہ کے ہاتھ
ہے ـــــ

یوں چلی مہکے گُل بوٹے

مشیت کے ہاتھوں لکھا قضا اور قدر کے ترازو میں تُلتا اعمال نامہ۔ درد کی اذیت پھر بھی میں مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی ڈاکٹروں کا کام حتی الامکان زندگی بچانا ہے دواخانے کا یہ وارڈ جس میں کئی بیڈ پڑے ہوئے ہیں کئی نرسیں دواؤں کی ٹرے اور ٹرالیاں لا اور لے جا رہی ہیں۔ میں اس ماحول سے مانوس ہوں۔ ایک نرس ملکوتی حسن اور خدمت گزار انداز میں میرے قریب آئی۔ ڈاکٹر صرف ایک پرک، اُس نے مجھ سے اجازت طلب کی۔ نرم محبت بھرے ہاتھوں نے میری رگ میں سوئی چبھو دی۔ میرے ہاتھوں کو تھپتھپایا اور کہا۔ سو جانے کی کوشش کریں

میرے بازو کے مریض کو خون دیا جا رہا تھا لال لال قطرے اُس کے جسم میں جذب ہو رہے تھے۔ انسانی خون اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ درد کی شدت میں ہم بھی تو مریضوں سے کہتے ہیں سو جاؤ۔ مگر درد ہو تو نیند کہاں آتی ہے، میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یادوں کو سمیٹنے لگی۔ جذبات کی طغیانی۔ مجھ میں زندگی کے تنزل کو

دیکھنے کی تاب کہاں۔ معصوم روحیں، مائیں اپنی صبر آزما زندگی نبھاتی رہی ہیں، بلکتی بلبلاتی رہی ہیں۔ اسلام نے دنیا کو اس عذاب سے نجات دے دی۔ لیکن آج کی بڑھتی ہوئی آبادی حیات کے سلسلے کو مٹانے کی کوشش کیوں کر رہی ہے۔ اس طرح درد کا درماں کیوں ڈھونڈا جا رہا ہے۔

مجھے MIDWIVES سے INTERVIEW لینا پڑے گا اور رپورٹ دینی تھی۔ میں کام شروع کرنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر جی ان میں ہم بے قصور ہیں۔ میں نے کہا تم ڈرو نہیں۔ پھر بھی وہ کانپ رہی تھی۔ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے کہا۔ تم مجھے بتلاؤ تم ایسا کیسے کرتی ہو۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے۔ گھٹی گھٹی آواز اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے وہ کہنے لگی۔ جب لڑکی ہوتی ہے مائیں روتی ہیں خاندان والے کہتے ہیں لڑکی نہیں چاہیے تو ہمیں حکم دیا جاتا ہے مار ڈالیں۔ ہم کیا کریں؟ ہمیں بھی تو اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنا ہے ہم ایک مٹی کا گھڑا لیتے ہیں اور اس میں ڈال کر اس کا ڈھکن بند کر دیتے ہیں — وہ اپنے دامن سے آنسو پونچھنے لگی — اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آنسوؤں کو پلکوں پر روک لیا۔ تاکہ وہ بہہ نہ سکیں۔ میں BELL دباتی ہوں تاکہ دوسری دایا آسکے۔ نام — پتہ —؟ وہ جواب دینے میں ہچکچا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی تھی

گاؤں کی سیدھی سادی دہقانی عورت ۔ میں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ کھڑی ہی رہی۔ میرے سوالات کے جوابات میں وہ کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹرنی اماں ۔ ہم مجبور ہیں۔ ہمیں اپنے آقاؤں اور اَن داتاؤں کا حکم تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمیں دیجیئے ہم پال لیں گے۔ لیکن وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہو سکتا ۔ میں دل میں کہتی ہوں ۔ ہاں یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اونچی ذاتیں نیچی نسلیں جو ہو جائیں گی ۔ اچھا تم جا سکتی ہو ۔ یہ ظلم یونہی ہوتا رہے گا۔ یہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ پھر بھی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی رہیں گی ۔ امرت دھارا سے سینچتی رہیں گی ۔ اپنا خون پلاتی رہیں گی وہ کبھی نہیں تھکیں گی ۔ انسانیت کی روح کو داغدار کرنے والو تم کب باز آؤ گے ۔ ؟ میری روح بے چین اور مضطرب ایک معصوم سی عورت کا چہرہ میری آنکھوں میں گھومنے لگا۔ کچھ ہی عرصہ پہلے وہ بھی ایسے ہی حادثے کا شکار ہوئی تھی ۔ اُمنگوں اور مسرتوں کی تصویر اُس نے تخلیق کی، لیکن اُس کی تخلیق اور اُس کے خون کو بھی خاک و خون میں ملا دیا گیا۔ مجھے لگا جیسے انسانیت کے چشمے سوکھ گئے ہوں ۔ ایک مریضہ کی آنکھوں میں آنسو لیکن ہونٹ خاموش میں اُسے دیکھ رہی تھی۔ لیکن مجھے اُس کی سسکیوں کی بازگشت فضا میں محسوس ہو رہی تھی ۔ زمانے کی ستم ظریفی ۔ آنسو اور خاموشی مجھے ایسا لگا جیسے زمین کی گردش رُک گئی ہو کائنات کی نبض ڈوب رہی ہو معصوم روحیں ۔ کیوں اِس طرح روندی جاتی ہیں ۔ باری تعالیٰ

نے دنیا کو ہر نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ لیکن زمین کے حکمراں خود انسانیت
کو ریزہ ریزہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں انسان جو کائنات کا پاسبان
ہے اتنا گر چکا ہے کہ حیات کے سلسلے کو بھی درہم برہم کر دیا ہے ۔
بازو کے پلنگ سے کراہنے کی آواز دھیمے دھیمے بڑھنے لگی۔ میں نے
اپنی آنکھیں کھولیں اور بازو کے پلنگ پر لیٹے ہوئے مریض کو دیکھنے
لگی مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ماں نے اپنا شفقت بھرا ہاتھ میری پیشانی
پر رکھ دیا۔ نرس جو قریب ہی تھی اُس نے مجھ سے کہا۔ انہیں ہوش آگیا
ہے اب فکر کی بات نہیں۔ آپ تھوڑا آرام کریں۔ گلوکوز قطرہ قطرہ
میرے جسم میں داخل ہو رہا تھا۔ ماں کی مسحور کن مسکراہٹ نے مجھے بھی
مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ماں نے کہا تھوڑا آرام کرلو۔ میں نے اپنی آنکھیں
پھر بند کرلیں۔ لوحِ ذہن پر ماضی کے نقوش پھر ابھرنے لگے اور یادیں
بازگشت بن کر ذہن میں گونجنے لگیں۔
ایک مریضہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر مجھے طلاق ہو گئی ہے۔ طلاق
ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ تم ہی کہو ڈاکٹر سرزنش کا
یہ کونسا انداز ہے۔ مجھے پتہ تھا یہ ذہنی مریضہ ہے۔ میں نے آہستہ سے
اُس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ تمہیں ماضی پریشان کرتا ہے؟ اُس
نے کہا میں اِس معاشرے کو خیرباد کہہ چکی ہوں۔ میں نے کہا۔ تم بہادر
ہو۔ تمہیں ہمت نہیں ہارنا چاہیئے۔ وہ ایکدم خاموش ہو گئی
مجھے ایسا لگا جیسے وہ دریائے سکوت میں غوطہ زن ہو۔ ایسی خاموشی

جس میں ناجی کے کانٹوں کی حفاظت ہو جو کچھ اُس کے ساتھ ہوا اُس پر اب اُس کو صبر کرنا آگیا تھا۔ میں نے اُسے کچھ گولیاں دیں جسے اُس نے ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔

ایک اور معصوم کم عمر مریضہ جس کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے کسی شدید آندھی نے اُس کے معصوم چہرے پر ابھی تباہی کے نقوش چھوڑ دیئے ہوں۔ اُس کے آنکھوں میں استغفار کے دیپ جلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سوچ کے دروازے پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہوں۔ وہ زندہ رہ کر بھی بے جان میں نے اُس کی تکلیف کے بارے میں پوچھا۔ وہ خاموش رہی۔ اُس کے بازو میں، میں نے انجکشن لگایا۔ پھر بھی وہ خاموش رہی۔ اُسے دیکھ کر میرا دل پارہ پارہ ہو گیا۔ اُس کی آغوش بھی خالی کر دی گئی تھی۔

ایک اور مریضہ۔ میرا ہاتھ ALTRA SOUND کے ڈائل کو گھما رہا تھا۔ قدرت کا کرشمہ ایک ننھا وجود اپنی نشو نما کی منزلوں کو پورا کرتا ہوا۔ اُس کے جسم میں نشو نما پا رہا تھا۔۔۔ مریضہ نے مجھ سے پوچھا ڈاکٹر۔۔ میں نے اُسے تسلی دی۔ گھبرانے کی بات نہیں تم ٹھیک ہو۔ اُس کے چہرے کی خوشی میں آج بھی بھلا نہ سکی مسکراہٹ کی شعاعیں اُس کے پورے چہرے سے عیاں تھیں۔ اُس مریضہ کی خوشی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ مجھے ایسا لگا جیسے زندگی کے سایے اندھیرے اجالے میں بٹ گئے ہوں۔

دھیرے دھیرے گلوکوز کے قطرے میرے جسم میں داخل ہوتے رہے۔ بائٹل ختم ہو گئی اور دوسری لگا دی گئی۔ ڈاکٹر کی آواز پر میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی مسحور کن مسکراہٹ اُس کے چہرے پر رقصاں تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے اندازہ ہے تم بہت CO-OPRATIVE ہو۔ اسٹریچر لایا گیا۔ میں اب آپریشن تھیٹر میں تھی۔ ڈاکٹر نے کہا "تم خود ڈاکٹر ہو۔ میں نے کہا" ڈاکٹر میں پُرسکون ہوں۔ راضی بہ رضا۔ کئی چہروں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ سب ہی میرے شناسا تھے۔ میں نے اپنی زندگی اپنے بنانے والے کے ہاتھوں سونپ دی ہے۔ مشیّت ہی سب کچھ ہے۔

انیس تھیسیا۔ ریڑھ کی ہڈی میں انجکشن نیلی لکیر۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پھر اندھیرا۔ صرف میرے وجود کی گہرائی کا درد۔ وہاں تو درد ہی درد تھا۔ دواؤں نے درد کو مٹا دیا تھا۔ شاید انیس تھیسیا کا اثر ختم ہونے لگا تھا۔ مجھے لگا میرے جسم میں روح پھر داخل ہو رہی ہے سانس لینے میں مجھے دقت محسوس ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر میرے گال کو تھپتھپاتے ہوئے میرا نام لے کر پکار رہی تھی میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ دل کی گہرائیوں سے مانگی ہوئی ماں کی دعائیں میری دعائیں نجانے کن کن کی دعائیں قبول ہوئیں۔ ماؤں کی ترستی ہوئی نگاہیں میرے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں۔ نرس ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے ایک نئی زندگی کو لئے کھڑی تھی۔ میں نے اپنی کانپتی ہوئی باہیں اُس کی جانب پھیلا دیں۔

ڈرامہ

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن

کردار :-

علی سکندر جگر	۔	شاعر عمر ۲۵ سال
شیراز ن	۔	شیراز عمر ۱۶ یا ۱۷ سال
اغماضی	۔	شیراز کی چھوٹی بہن
سیٹھ دھرم داس	۔	تجارت پیشہ رئیس مستقل گاہک
نائکہ	۔	ماں جی
سازندے	۔	
سامعین	۔	اَن گنت
مقام	۔	مین پور
زمانہ	۔	اواخر۔ انیسویں صدی

تعارف :۔ علی سکندر جگر۔ رنگت گندمی۔ جسم دبلا پتلا بال سیدھے کسی قدر جھکی ہوئی سر پر مخملی ٹوپی۔ شیروانی پہنے ہوئے۔ چہرے پر مسکراہٹ، نیاز مندانہ لہجہ۔ طبیعت میں انکساری، آداب محفل کا بے حد خیال، بیاض پر ہمیشہ پھول بوٹے بنائے ہوئے یا پھر اشعار لکھتے ہوئے

اکثر ہاتھ میں عینکوں کا ڈبہ۔ مشغلہ عینک کا کاروبار۔ ہمیشہ شراب میں پناہ لیتے تیار ہیں جہاں بیٹھ گئے میخانہ وہیں چلا آتا۔ نہ بھی پیتے تو ایسا لگتا جیسے غرق جام شراب ہیں یہ ہیں علی سکندر جگر۔ یا۔ جگر مرادآبادی

شیرازن ـــ شیراز خوب صورت نازک سی لڑکی۔ چہرے پر ذہانت و تقدس کے آثار۔ ماہ پیکر بھی وہی شمع محفل بھی وہی۔ لیکن بجھی بجھی، انداز و ادا میں بانکپن۔ رقص و سرود نہیں بلکہ شعر و نغمہ کی محفلیں جگانے والی۔ جگر کے لیے یہ شیراز بھی ہے اور سرکار بھی جس کا آشنا نہ جگر کے لیے طور۔ سال ہا سال جگر نے جس کی پرستش کی۔ اس سراپا حسن نے جگر کی شاعری کو زندگی بخشی۔ عمر کی طوالت کے ساتھ تمام بانکپن، زاہدانہ تقدس میں بدل گیا۔

وہ کہتے ہیں سب دل کے انداز کہیے ؛ محبت کا انجام و آغاز کہیے
ہر ایک راز، بے پردہ راز کہیے ؛ کہاں تک غم عشق شیراز کہیے

اغماض :۔ شیراز کی چھوٹی بہن ـــ چھوٹے بھائیوں اور تمام کی ذمہ دار بڑی بہن پر۔

پہلا سین

مکان کی پہلی منزل۔ کافی بڑا کمرہ۔ اس کے سامنے کھلا برانڈا۔ قرینے سے تمام سامان رکھا ہوا۔ فانوس۔ قالین پر کئی گاؤ تکیے

گلاب پاش۔ خاص دان میں قرینے سے گلوریاں سجی ہوئیں۔ ساز اور ساز ندے کبھی کبھار۔ یہاں شعر و سخن کی محفلیں جمی ہوئی۔ شام میں سامعین کا جمگھٹا رہتا۔
دن چڑھے جگر صاحب نپے تلے قدموں سے زینے چڑھتے ہوئے
"کیا سرکار موجود ہیں"؟
جگر — یہ لو چند غزلیں اور اپنے فن کا جادو جگاؤ!
شیراز — آپ کو میری گائیکی اچھی لگتی ہے؟
جگر — بہت اچھا گانے لگی ہو۔ تمہاری آواز تو ایسی ہے جیسے شیشے کے گلاس میں اصلی موتی بجیں۔ تم جب گاتی ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے تاروں میں سوئے ہوئے خوابیدہ نغموں کو چھیڑ کر جگا دیا ہو۔ جگر گنگناتے ہیں

ع کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی

جگر بیٹھ جاتے ہیں۔
جگر — کچھ حسین یادیں، چند خوبصورت گھڑیاں جو گزر گئیں
لوٹ کر نہ آنے کیلئے یہ زندگی کا سفر یونہی رواں دواں ہے
شیراز: ان ہی لمحات کی درازیٔ عمر کیلئے دعائیں مانگتی ہوں۔
جگر: آپ یہاں مانگو تاکہ یہ گھڑیاں زلف گرہ گیر کی طرح طویل، شب ہجراں کی طرح طویل ہو جائیں گردش صبح و شام کی سر افتادہ ہے بے نیاز۔ رنج ہے حوصلہ فرما کہاں سے لائیں ڈر ہے آتش سوزی کی چنگاری خرمن دل کو نہ پھونک ڈالے

شیراز : بات کیا ہے آج آپ کا پورا وجود دکھ میں ڈوبا ہوا ہے۔
جگر : "آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے"
اغماض : کمرے میں داخل ہوتے ہوئے۔ جگر صاحب آداب۔ آپ ایک طویل عرصے بعد تشریف لائے۔ کہاں رہ گئے تھے۔
جگر : کل ہی الہ آباد سے آیا ہوں۔
اغماض : کیا آپ تھوڑی چائے پینا پسند کریں گے
ماں جی : ہاں ہاں چائے تو سب ہی پیئیں گے لیکن جگر صاحب ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔
جگر : آپ لوگوں کے خلوص کو میں انکار سے صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ آپ جو بھی کھلا دیں جو بھی پلا دیں۔ مجھے

"ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا"

اغماض : کل شام آپ نے آپ کی غزلیں گائیں کل کی محفل بہت اچھی رہی۔

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی کہاں گزرے

اور پھر

انجام سے بے پروا آغاز سے بیگانہ
پروانے کی دنیا ہے بیتابیٔ پروانہ

سامعین نے آپ کی یہ غزل پسند کی پروانے کی مناسبت سے آپ نے

آپ کی ایک اور غزل دُ

پوچھو نہ ہم نشینو مجھ سے مرا فسانہ
جلتا رہا نشیمن دیکھا کیا زمانہ

جگر، بہت خوب آج میں نے بہت اچھی غزلیں سنی ہیں چاہتا ہوں سنوں
اعجاز: سازندے تو موجود ہیں اگر آپ چاہیں تو سن سکتے ہیں
شیراز: آپ کے کہنے کے بعد انکار کی گنجائش کہاں۔ شیراز غزل شروع کرتی ہے

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ⁂ لیکن اپنا اپنا دامن
آج نہ جانے راز یہ کیا ہے ⁂ ہجر کی رات اور اتنی روشن

جگر: بہت خوب۔ بس ٹھہر یہاں ہم تو ہر طرف پھول ہی پھول کھل اُٹھے ہیں
شیراز: جگر صاحب کا دوسرا کاغذ ہاتھ میں لئے پہلے دھیمے سُروں میں گنگناتی ہے
سازندے سُر ملا لیتے ہیں۔ پھر شیراز کی آواز واضح طور پر سنائی دیتی ہے

تیری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

غزل ختم ہوتی ہے۔
جگر: بہت خوب۔ آپ گاتی ہیں تو ایسا لگتا ہے گل و گوہر کی بارش ہو رہی ہے۔ "بس گردش میں ہے زمانہ"۔ جگر اپنا ایک شعر خاص ترنم سے پڑھتے ہیں۔ پہلا مصرعہ آہستہ اور دوسرا ذرا بلند آواز سے اور کھینچ کر اپنی سحر کار آواز میں خود ہی ڈوب جاتے ہیں

نغمہ ترا نفس نفس جلوہ ترا نظر نظر
اے مرے شاہدِ حیات اور ابھی قریب تر

شیراز: شگفتہ مزاجی، رنگینیٔ طبع، والہانہ انداز، جذبہ کا نکھار، محبت کا معصوم انداز جیسے آپ کی یہ غزل ہے

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا
جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

آپ کی غزل کا شعر سنانا چاہوں گی

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت عام نہیں

بس آپ کی غزلوں میں حسن ہی حسن ہے

جگر: آپ کو میری کافی غزلیں ازبر ہیں دراصل زندگی نے تجربات و حوادث کی شکل میں جو کچھ مجھے دیا اشعار کی صورت میں، میں نے وہی کچھ زندگی کو لوٹا دیا۔ میری ہستی تو فنا ہو گئی صرف احساسِ محبت باقی ہے راہ داری میں شمع روشن کر دی جاتی ہے۔

سیٹھ دھرم داس کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ جگر صاحب اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں۔

دوسرا سین

وہی کمرہ ۔ سب کچھ ویسا ۔

صرف اغماض اور شیراز بیٹھے ہیں

اغماض: آپا مجھے ایسا لگتا ہے علی سکندر جگر آپ کو چاہتے ہیں۔ آپا مجھے اندازہ ہے اس بادۂ شیراز میں کس کی نگاہِ مست موجِ شراب بن کر چھلکی ہے وہ ایک پیکرِ مجسم سے عشق کرتے ہیں وہ مطربۂ خوش نوا آپ ہیں

شیراز: مجھے معلوم ہے لیکن یہ بھی انہیں معلوم ہے۔ میں انہیں نہیں چاہتی

اغماض: آپ اُن کی غزلیں اتنی احتیاط سے کیوں رکھتی ہیں

شیراز: اگر میں ایسا نہ کرتی تو شعلۂ طور کی اشاعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری تو صرف آواز ہے لیکن میری شہرت لوگوں تک زیادہ آنا اُن ہی کی غزلوں کی وجہ سے ہے ؎

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر ۔ نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

اغماض: آپا کیا سیٹھ دھرم داس کو معلوم ہے کہ جگر صاحب آپ کو چاہتے ہیں

شیراز: ہاں یہ انہیں اندازہ ہے۔ لیکن انہوں نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے مجھے رنج ہو۔

بڑی پیاری غزلیں کہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے روح کی روشنائی میں ڈبو کر غزل لکھی ہو۔

شیراز: ہاں اُن کی غزلوں میں صبر ہے جفا نہیں، لطافت ہے۔ محبت
میں نیت ہے جذبۂ عشق ہے یہ وہ جذبہ ہے جو برسوں سینہ میں
چھپائے رکھنے پر پیدا ہوتا ہے دل نے جو محسوس کیا وہی الفاظ میں
ڈھل کر شعر بنے۔ زبان میٹھی رس بھری۔ لیکن اس میں شعور کی
تلخی بھی گھلی ہوئی۔ جوشِ بیاں، جدت، ادائے حسن و
خیال، شدتِ احساس، وسعتِ تخیل، جگر کی غزلوں میں کیا کچھ نہیں۔

اے رحمتِ تمام میری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

جگر صاحب گنگناتے ہوئے داخل ہوتے ہیں

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگے پاؤں ڈگمگاتے ہوئے

شیراز تھوڑی دیر تک جگر صاحب کو دیکھتی ہے پھر شیراز اور اغماض
اندر چلے جاتے ہیں۔

اغماض: آپ اس طرح چلے آئے وہ کیا خیال کریں گے۔ اُن کی حالت تم نے دیکھی نہیں
جگر صاحب کی آواز سنائی دیتی ہے

اِن لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
مُنہ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

شیراز: اغماض سے۔ جگر صاحب جانتے ہیں مجھے شراب سے نفرت ہے

گانے بجانے سے بھی مجھے کوئی لگاؤ نہیں۔ مجبوری ہے جس کی وجہ سے میں
یہ کرتی ہوں جیسے ہی اس قابل ہو جاؤں یہ تمام چیزیں ترک کر دوں گی

بہت دیر بعد شیراز اندر آتی ہے
جگر مکمل ہوش میں شرمندہ سے بیٹھے ہوئے

جگر : آپ نے میری جسارت کو برداشت کر لیا جو میں یہاں آتا ہوں
شیراز : کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟
جگر : خونِ دل پینے کا نام ہی بادہ خواری ہے یا لذتِ جگر خواری
شیراز : یہ آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں
جگر : میں نے شوق کے چراغ جلائے ہیں اور ان چراغوں کو جگر کا عرق
پلایا ہے۔
شیراز : خواہش کے نازک شیشے کبھی چور چور بھی ہو جاتے ہیں اپنوں سے
کہا جاتا ہے اور یہ علامت خلوص کی ہے
جگر : جب ہی تو کہتا ہوں ع
اِن جفاؤں سے خوشبوئے وفا آتی ہے
شیراز : مجھے آپ کا اجارہ تسلیم نہیں۔ آپ نے غلط اندازہ لگایا۔
جگر : مجھے آپ کی مجبوری کا علم ہے مگر میں تو آپ کا حلقہ بگوش ہوں

تیسرا سین

کافی عرصہ گذر چکا ہے شیراز حج سے واپس آئی ہے وہی کمرہ۔ لیکن

ساز نہ سازندے۔ کمرے میں تین چار تخت قرینے سے رکھے ہوئے
اور ان پر چادریں بچھی ہوئی ہیں۔
جگر آتے ہیں اور مبارکباد دیتے ہیں۔ جگر۔ میں اپنے حصہ کا
تبرک لینے آیا ہوں۔
شیراز: معاف کرنا۔ آپ آب زم زم پینا چاہتے ہیں
"شراب سے آلودہ حلق سے زم زم اُتر جائے"۔
کیا آپ میں اتنی جسارت ہے؟
جگر: تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور پھر اُٹھ کر چلے جاتے ہیں
تھوڑی دیر بعد داخل ہوتے ہیں ایسا لگتا ہے نہا کر آئے ہیں
بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی ہیں
جگر: اب میں شراب نہیں پیئوں گا
شیراز: یہ وعدہ آپ کئی بار کر چکے۔
جگر: اب میں نے ارادہ کر لیا ہے
شیراز: رندھی ہوئی آواز میں توبہ توڑنے کا عزم پھر لوٹ آئے تو۔
شیراز: جگر صاحب زندگی ایک آئینہ ہے
میں نے سیٹھ دھرم داس کا نمک کھایا ہے۔ میں نے
اُن سے التجا کی ہے کہ اب میں نے اپنے اللہ سے لَو لگالی ہے آپ
بھی اپنے بھگوان کو یاد کریں۔

مجھے یہی خواہش ہے کہ آپ بھی اسی تقدس کے پابند ہو جائیں اور
اس طرح زندگی کی کتاب کا ایک ورق الٹ دیں۔

(ماخوذ محمد عبدالعلیم فیروزآبادی کے مضمون سے ادریا ماہنامہ نگارش سے غرض لیں)

لیڈر

(مرکزی خیال فرانسیسی افسانے سے)

کردار :

رومان : لیڈر
شیما : نازک سی لڑکی
نریندر سنگھ : } دوست
جارج : } دوست
راجا : } دوست
برٹش جیلر
برٹش سپاہی

زمانہ ۱۹۴۴ء کے آس پاس : ہندوستان کی جنگِ آزادی

پہلا سین

رومان، شیما، نریندر سنگھ، جارج اور راجا۔ کالج سے ہاتھوں میں کتابیں لیے نکلتے ہیں

نریندر سنگھ اور جارج سیکل پر نکل جاتے ہیں راجا بس میں

سوار ہو جاتا ہے رومان اور شیما پارک کی جانب مڑ جاتے ہیں

(چمن کی روش پر چلتے ہوئے رومان اور شیما)

رومان : جس کے چہرے پر پُر وقار تاثر ہے

رومان : شبنم میری زندگی کا حاصل ہو

شیما : مُسکرا کر اور تم میری حیات کا مرکز

رومان : بے انتہا مخلص دوست اور وفادار ساتھی کا متلاشی تھا اور یہی خصوصیات میں نے تم میں پائی ہیں۔

شیما : واہ خوب میں نے بھی تو اپنی زندگی کی راہیں تمہارے ساتھ متعین کی ہیں۔

رومان : یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں بے انتہا چاہتا ہوں یہ یاد رہے کہ میں ایک سپاہی بھی ہوں ۔ لیکن جنگ مجھے پسند نہیں۔

(رومان چہرے پر تفکر لیئے ہوئے) شیما جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو امن اور سلامتی کے لیے جدوجہد تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ اور آزادی قربانی بھی مانگتی ہے۔

شیما : رومان۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ ہمارا وطن ہے یہاں ہم پیدا ہوئے۔ ہم نے یہاں اپنی ماں سے میٹھی میٹھی لوریاں سنیں۔ پلے اور بڑھے۔ ہمارا وطن (زمین کی طرف اشارہ کر کے) دنیا کا خوبصورت ملک۔ یہ ہمارا عظیم ہندوستان۔

رومان : لیکن انگریزوں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے؟ دفعتاً جذباتی ہو کر شیما۔ شاید آج کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں.. اگر مجھے کچھ ہو جائے تو تم مجھے بھول جانا۔ شیما کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر۔ تمہیں تو میرا میرا انتظار کرنا... نریندر، جارج، راجا ہمارے ساتھی ہیں وہ میری خیریت تم تک پہنچا دیا کریں گے۔

شیما : رومان۔ ہندوستان کا حق صرف تم پر ہی نہیں۔ مجھ پر بھی ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے میں شیشہ کی طرح نازک ضرور ہوں لیکن پتھر کا جگر بھی رکھتی ہوں۔ میرے پاس بھی فرہاد کی تیشہ ہے جس سے میں ہر چیز توڑ سکتی ہوں۔ آزادی کے پرچم تلے حب الوطنی کی یہ جنگ اپنے فرزندوں سے اُس کی اپنی چہیتی چیزیں مانگ رہی ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ رومان کچھ لمحے رک کر مجھے پتہ ہے۔ میدانِ کارزار میں پھول نہیں لاشیں ملتی ہیں۔ کل جب جنگ کے بادل چھٹ جائیں گے تو آنے والی نسلیں ہماری بہادری پر ضرور ناز و فخر کریں گی۔

پس منظر میں اِس شعر کی صدا گونجتی ہے ؎

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن ؛ تو اِس آنچل سے اِک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

دوسرا سین

جیل خانے کا کمرہ۔ روشن دان جس سے روشنی چھنتی ہوئی قیدیوں پر پڑتی ہے۔

شیما : نرسیندر سنگھ، جارج اور راجا۔ پایہ زنجیر اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں (وہی روشنی متحرک ہوتے ہوئے) برٹش جیلر کا کمرہ۔ کرسی پر جیلر بیٹھا ہوا۔ اس کی وردی اس کے تمغوں سے سجی ہوئی سامنے میز پر کچھ کتابیں، قلم دوات رول۔

پریس بل PRESS BELL وغیرہ۔

جیلر فائیل دیکھنے میں مشغول

دو برٹش سپاہی شیما کو لئے اندر داخل ہوتے ہیں۔

جیلر : دونوں سپاہیوں کو جانے کا اشارہ کرتا ہے

جیلر : اپنی آنکھیں شیما پر مرکوز کرتے ہوئے اور فائیل کے کاغذ پلٹتے ہوئے۔ انگلش لہجہ میں تمہارا نام (تمھارا نام) شیما ہے

شیما : اشارے سے ہاں۔

جیلر : انگلش لہجے سے تمہیں اپنے جرم کا اکبال (اقبال) ہے کہ تم نے امن کو درہم برہم کیا۔

شیما : کوئی جواب نہیں!

جیلر : WELL جواب دو

جیلر : جھنجھلا کر " دیکھو لڑکی جواب دینا ما نگتا ۔ ہمیں زبان کھلوانا
آتا ہے بتلاؤ تم کس کے لئے کام کر رہی ہو تمہارا سرغنہ کون ہے
شیما : خاموش رہتی ہے
جیلر : BELL دبانا ہے سپاہی داخل ہوتے ہیں
جیلر اشارہ کرتا ہے وہ شیما کو لے جائیں ۔
سپاہی شیما کو بے دردی سے دھکیلتے ہوئے لے جاتے ہیں

تیسرا سین

جیلر کا وہی کمرہ ۔ سامان وہی ترتیب سے رکھا ہوا
شیما کو دو سپاہی تھامے ہوئے لاتے ہیں
شیما کے کپڑے پھٹے ہوئے ۔ چہرے پر خراشیں اور کوب
کے آثار ۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ۔ سر گھماتی چال

جیلر : شیما کی حالت دیکھ کر چونکتا ہے اور پھر نرم لہجہ میں آؤ آؤ
مجھے تمہیں دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے ۔ تمہیں ایک آدمی
کو پہچاننا ہے !

جیلر : سامنے چلتا ہے دونوں سپاہیوں کے ساتھ ۔ شیما پیچھے
پیچھے چلتی ہے سب ایک ہال میں داخل ہوتے ہیں جہاں
صرف ایک میز رکھی ہے جو سفید کپڑے سے ڈھکی ہوئی ہے

جیلر : رک کر میز پر سے کپڑا اٹھاتا ہے میز پر رومان کی نعش

رکھی ہوئی ہے۔ شیما رومان کی نعش دیکھتی ہے لیکن اِس
کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔

"اُس کی خود پسند آواز اُس سے مخاطب ہے"

جنگیں ناقابلِ فراموش اور ہولناک ہوتی ہیں جنھیں
انسانیت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ میدانِ کارزار میں
پھول نہیں لاشیں ملتی ہیں اور اپنے گہرے نقوش
چھوڑ جاتی ہیں۔ مگر میرا ہر قدم فتح اور آزادی کے لئے ہوگا
رومان۔۔۔ تم یہی چاہتے تھے نا۔۔۔

انسانیت کو غلام بنانے والے ظالمو! تم جنون میں دانت
پیستے رہو۔ لیکن میں تمہیں کچھ نہیں بتلاؤں گی

شیما : گم سُم اور ساکت چہرے پر کوئی تاثر یا صدمے کے کوئی
آثار نہیں۔

جیلر : بتلاؤ اِسے پہچانتی ہو

شیما : نہیں (اشارے سے)

جیلر حیرت زدہ سا رہ جاتا ہے۔

چوتھا سین

ہندوستان کو آزادی مل چکی ہے پرچم لہرا دیا گیا ہے تمام قیدی
چھوڑ دیئے گئے۔

جیلر کا وہی کمرہ۔ سامان اُسی ترتیب سے رکھا ہوا۔
جیلر خاموش اور رینز مردہ بیٹھا ہوا

شیما : برٹش جیلر کے کمرے میں داخل ہوتی ہے اور برٹش جیلر کو مخاطب کر کے کہتی ہے "تم نے جس کی لاش مجھے بتلائی تھی اُس کے متعلق میں نے اُس وقت تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن اب بتلاتی ہوں۔ وہی ہمارا سردار اور ہمارا لیڈر تھا۔"

شیما کے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ جیل خانے کے دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔

(کہیں دُور ریڈیو سے)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔ ہمارا

صالحہ الطاف کے نام خطوط

بیٹی صالحہ

بہت سارے پیار بے شمار دعائیں۔

میں جب سے کراچی آئی ہوئی روز ایک کارڈ لکھوا رہی ہوں روز خط کا انتظار رہتا ہے تم تا تھا نہ آیا۔ صمد کے والدی سے دو خط آئے اختر کی خیریت نہ معلوم ہوئی۔ وہاں کی پریشانی نہیں ہے۔ تمہارے پاس سے خط نہیں آیا جس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اختر حیدرآباد آگئی ہوں گی سب کی خیریت معلوم کراؤ۔ اختر سے کہنا خیریت لکھا کرو ہم بہت جلد حیدرآباد آجائیں گے۔ کراچی زندگی میں ایک بار ضرور دیکھنا بہت اچھا مقام ہے بابا بہت یاد آتا ہے۔ اختر کے بچے بہت یاد آتے ہیں تمہاری ساس آئی ہیں کیا معلوم کرو میری طرف سے سلام کہنا۔ انھیں آنے تک جانے مت دو۔ بچے تم دونوں بہنوں کو بہت یاد کرتے ہیں صبیحہ کو بخار ہے یہاں سردی بہت ہے جوڑوں میں بہت درد ہوتا ہے میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ابھی ہم لاہور نہیں گئے وہاں سردی بہت ہے معلوم ہوا۔ دو روز کے لئے جاکر آئیں گے۔ خط پر ۱۴ ر کے ٹکٹ لگا کر ڈالو بہت جلد ملتا ہے۔ فوراً جواب دے کر دوسرا کام کرنا سب کو دعا سلام کہنا۔

تمہاری ماں

20/3/64

عزیزی

دعا ـــــ خاتونِ دکن غزل نمبر ماشاء اللہ ایک کامیاب کوشش
ہے پرچہ دن بہ دن معیاری ہوتا چلا جا رہا ہے اس کو برقرار رکھئے مجھے
موجودہ سائز بے حد پسند آیا۔ اس سلسلہ میں عوام کی رائے دریافت فرمائیے
اور اگر عوام متفق ہوں اور آپ کو کوئی کاروباری دقت نہ ہو تو مناسب
ہے کہ آگے پرچہ اسی سائز پر جاری رکھا جائے۔

عرصہ سے آپ حضرات کی کوئی خیر و عافیت معلوم نہ ہو سکی۔ حالانکہ
میں نے عید کارڈ کے علاوہ صبیحہ کے نام خط لکھا تھا اور ہاشم و باسط
نے صمد میاں کو خطوط لکھے تھے کبھی کبھار خیر و عافیت کے دو حروف ضرور
لکھا کریں۔ بھاوج صاحبہ کو سلام کہیئے۔ بہنوں بھائیوں کو پیام۔ الطاف
صاحب کو سلام کہنا اور نوین کو پیار۔ خلیق، ہاشم اور باسط بفضلِ خدا
ہیں اور پیام رساں۔ فقط

مصطفیٰ محی الدین کمال

ماضی کا ایک ورق

صالحہ الطاف مدیر خاتون دکن

جیسا کہ میں نے ایک اور مضمون میں لکھا ہے کہ بانو طاہرہ سعید نے اپنی قیام گاہ پر ایک پر تکلف عصرانہ میں کچھ مخصوص شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ بعض ایسی ممتاز شخصیتوں کو بھی مدعو کیا تھا جن سے ان کے شخصی مراسم تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس محفل میں سید ہاشم علی اختر (وائس چانسلر عثمانیہ و علی گڑھ یونیورسٹی) بھی اپنی فیملی کے ساتھ شریک تھے۔ (جو اس زمانہ میں ڈپٹی سکریٹری جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ تھے)۔ جناب منظور احمد منظور بھی وہاں موجود تھے۔

صالحہ الطاف سے میری پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ اس زمانے میں بانو طاہرہ سعید، عظمت عبدالقیوم اور روحی علی اصغر (جو پاکستان چلی گئیں) کے پاس بھی مخصوص شعری محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ ان محفلوں میں میری شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی مجھے اس طرح کے تمام گھرانے پسند تھے نہایت شائستہ، معتبر اور پُر وقار شاعر ہونے کے علاوہ یہ تینوں محترم شخصیتیں اپنے خاندانی پس منظر، رکھ رکھاؤ اور شخصی وقار کی وجہ سے بھی ممتاز تھیں یہ محترم شاعرات مجھے اپنا ایک پسندیدہ شاعر کے علاوہ

ایک مہذب انسان بھی سمجھتی تھیں۔

بانو طاہرہ سعید نے صالحہ الطاف سے میرا تعارف اس پُر اعتماد
اور پُر خلوص انداز میں کرایا کہ صالحہ الطاف مجھ سے متاثر ہوئیں اور
مجھ سے گھر آنے کی خواہش کی۔ صالحہ الطاف کا "خاتونِ دکن" منظرِ عام
پر آنے والا تھا۔ بانو طاہرہ سعید نے مشورہ دیا کہ نیر صاحب کا تعاون
آپ کے رسالے کے لئے نہایت مفید رہے گا۔ اس ملاقات کے کچھ
دن بعد رویندرا بھارتی تھیٹر میں "خاتونِ دکن" کے پہلے شمارے کی
رسمِ اجراء تقریب ہونے والی تھی۔ رسمِ اجراء تقریب سے ایک دن
پہلے صالحہ الطاف کے شوہر سید الطاف حسین دعوت نامہ دینے کے لئے
سکریٹریٹ آئے جہاں میں محکمہ پنچایت راج میں سیکشن آفیسر تھا
میں اپنی عادت کے مطابق چائے نوشی کے لئے کینٹین لے گیا دورانِ
چائے نوشی الطاف صاحب نے دعوت نامہ دیتے ہوئے اگلے شمارے
کے لئے غزل کی فرمائش کی۔ میں حسبِ وعدہ دوسرے دن رویندرا بھارتی
تھیٹر چلا گیا۔ رسمِ اجراء تقریب نہایت شاندار پیمانے پر ہوئی۔ اس
وقت کے گورنر آندھرا پردیش نے رسمِ اجراء انجام دی تھی۔ میرے خیال میں
حیدرآباد میں کسی ادبی رسالے کی تقریبِ رسمِ اجراء اس شاندار پیمانے
منعقد نہیں ہوئی۔ اس محفل میں حیدرآباد کے بہت سے شعراء، ادیب
صحافی اور ممتاز شہری موجود تھے۔ تقریب کے بعد مبارکباد دینے کا سلسلہ
شروع ہو گیا۔ میں مبارکباد دے کر خدا حافظ کہنے ہی والا تھا کہ صالحہ

نے مجھ سے پھر اپنے گھر آنے کی خواہش کی۔ میں ۳، ۴ دن کے بعد صالحہ الطاف کے مکان واقع مکڑی کی باؤلی (میر عالم منڈی) پہونچا۔ جیسے ہی میں نے بل دی۔ ملازمہ باہر آئی۔ میں نے اپنا نام بتایا۔ وہ اندر چلی گئی صالحہ الطاف کو میری آمد کی اطلاع دے کر حسب ہدایت ڈرائینگ روم میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد صالحہ الطاف آگئیں۔ آداب و سلام اور رسمی گفتگو کے بعد "خاتونِ دکن" کے بارے میں گفتگو رہی۔
رسالے کے سلسلے میں اس پہلی تفصیلی گفتگو کے دوران صالحہ الطاف نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے مجھے پہلی دفعہ ڈاکٹر اختر احمد کے مکان میں منعقدہ ایک مشاعرہ میں کلام سناتے ہوئے دیکھا تھا۔ (ڈاکٹر اختر احمد سے ان کے خاندانی مراسم تھے) صالحہ الطاف نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر اختر احمد نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ پرچہ کی اشاعت، ترتیب و تزئین کے سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کریں۔ اس نشست میں صالحہ الطاف نے مجھ سے تعاون کی خواہش کی۔ میں نے وعدہ کرتے ہوئے پرچہ کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہیں تو میں چاہوں گا کہ رسالہ کی ساری ذمہ داری مجھے سونپ دیں۔ البتہ تخلیقات کے انتخاب اور دیگر انتظامی امور میں ہم دونوں کا مشورہ شامل رہے گا۔ میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ میں بلا معاوضہ کام کروں گا مجلسِ ادارت میں بھی میرا نام نہیں رہے گا۔ البتہ اعزازی مدیر رسول نا لیکن میرا نام پرچہ پر کہیں نہیں رہے گا۔ اس وقت ۲، ۳ کا تعین

رسالہ کی کتابت کرتے تھے۔ میں نے کتابت کے لئے محمد مظہر صاحب سے گفتگو کی۔ رسالہ بند ہونے تک صرف انہوں نے ہی کتابت کی۔ مظہر صاحب اُن دنوں حیدرآباد کے ایک معیاری ادبی رسالہ ماہنامہ "صبا" کی کتابت کرتے تھے وہ روزنامہ "نظام گزٹ" سے بھی وابستہ تھے (میرے پہلے مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" کی کتابت بھی مظہر صاحب نے ہی کی ہے) "خاتونِ دکن" بلا وقفہ تقریباً ۱۲ سال تک شائع ہوتا رہا۔ جب میں نے خاتونِ دکن کا مکمل جائزہ حاصل کیا تو صالحہ الطاف سے یہ بھی کہا کہ شاعروں اور ادیبوں سے میں خود خط و کتابت کروں گا۔ آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ میں نے اردو کے نئے اور پرانے قلمکاروں کو خطوط لکھے اور مجھے اُن کا تعاون حاصل ہوتا رہا۔ مجھے صالحہ الطاف نے بتایا کہ خاتونِ دکن کی اشاعت کے سلسلے میں حیدرآباد کے بعض شاعروں اور ادیبوں نے اپنے طور پر تعاون کا پیش کش کیا تھا لیکن نہ جانے کیوں آپ کو اہمیت دی ہے۔ آپ میں، میں نے کچھ ایسی بات محسوس کی ہے کہ میں آپ پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ جب پرچہ کا کام بڑھنے لگا تو مجھے اکثر دفعہ صالحہ الطاف کے گھر جانے کا اتفاق ہونے لگا۔ (چونکہ خاتونِ دکن کا آفس اُن کے گھر میں تھا) اُن دنوں صالحہ الطاف کو اُن کی تمام چھوٹی بہنیں، اختر سلطانہ، طیبہ سلطانہ، صابرہ سعید اور عذرا سعید، باجی کہا کرتی تھیں۔ اُن کے بھائی سلطان محمود اور صمد فاروقی بھی باجی ہی کہا کرتے تھے لیکن میں نے اپنی الگ شناخت کے لئے باجی کے بجائے صالحہ آپا

نہا پسند کیا۔ اس مقدس، پاکیزہ، اٹوٹ رشتہ سے میں صالحہ آپا کی
زندگی تک وابستہ رہا۔ رفتہ رفتہ مجھے اس گھر سے کچھ ایسا تعلق پیدا
ہوگیا کہ جیسے میں اس گھر کا ایک فرد ہوں اور دو لڑکیاں میری حقیقی بہنیں
ہیں۔ صالحہ آپا کے غیر معمولی اعتماد نے مجھ پر کچھ اس قدر گہرا اثر چھوڑا
میں خاتونِ دکن کی بہترین سے بہترین اشاعت کے لئے اپنے آپ کو
وقف کر دیا۔ صالحہ آپا نے مجھے مکمل اختیار دیا تھا کہ میں پرچہ کو اپنے
ڈھنگ سے شائع کروں لیکن مجھے ہمیشہ اُن کا مشورہ اور تعاون حاصل
رہا تھا رسالہ کا جائزہ لینے کے بعد میں نے کسی وقت بھی صالحہ آپا کو
پریس کے چکر لگانے کی زحمت نہیں دی۔ نہ ہی شاعروں اور ادیبوں سے
خط و کتابت میں اُلجھایا۔ رسالہ کا سارا کام وہ گھر پر ہی دیکھ لیا کرتی تھیں
ایک صالحہ آپا نے شاعروں اور ادیبوں کے وہ سینکڑوں خطوط دکھلائے
جو اُن کے نام آئے تھے۔ میں نے اُن تمام خطوط کو تلف کیا اور نئے سرے
سے کام کا آغاز کیا۔ میں نے جب خطوط لکھنا شروع کیا تو مجھے حوصلہ افزا
تعاون حاصل ہوتا رہا۔ ملک بھر کے نمائندہ شاعروں اور ادیبوں کے قلمی
تعاون سے پرچہ دن بہ دن مقبول ہوتا گیا۔ اس پرچہ کو نام کی مناسبت
سے صرف خواتین کی تخلیقات کے لئے ہی مختص نہیں کیا گیا بلکہ خاتونِ
دکن کو خالص ادبی رسالہ کی شکل دی گئی (جس میں مرد و خواتین قلم کاروں
کی تخلیقات شائع ہوتی تھیں) میری فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری کو
صالحہ آپا نے ہمیشہ سراہا اور پرچہ کی اشاعت میں مجھ سے مکمل تعاون کیا۔ ہر

ادبی رسالہ کی بقاء کے لئے اشتہارات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اگر اس سلسلہ میں الطاف بھائی کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہوتا تو شائد یہ پرچہ ۲۱ سال تک جاری نہ رہ پاتا۔ میں تقریباً ہر شام خاتونِ دکن کے آفس جاتا اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا۔

صالحہ آپا کی والدہ محترمہ میرا بہت خیال رکھتی تھیں۔ (خدا انہیں جنت نصیب کرے) اس گھرانے نے مجھے پیار، محبت اور بے لوث خلوص سے سرشار کیا۔ اس گھر کے ماحول نے مجھے اس بات کا احساس ہی ہونے نہیں دیا کہ میں اس گھر کے لئے ایک اجنبی ہوں۔ میں خوشیوں سرتوں کے علاوہ اس گھر کے دکھ درد میں بھی برابر کا شریک رہا ہوں۔ صالحہ آپا نے اپنی بے لوث چاہت اور سچے خلوص میں کبھی کمی نہیں کی۔ ان سے جب کبھی بھی ملتا ہوں تو مجھے شدت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک مہذب، شائستہ خاتون سے مل رہا ہوں جنھوں نے اپنے منہ بولے بھائی کے لئے اپنی ساری محبت، ساری شفقت نچھاور کر دی ہے صالحہ آپا کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ میں خاتونِ دکن کا کام نہایت ذمہ داری اور اپنائیت کے ساتھ کر رہا ہوں۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ میں انہیں بہت چاہتا ہوں، اتنا زیادہ کہ خونی رشتے بھی ماند پڑ جائیں۔ صالحہ آپا کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ خاتونِ دکن، کا یہ معاوضہ کام کرنے کے صلے میں مجھے تحفتہً ہی سہی کچھ نہ کچھ ملتا رہے (لیکن میں نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی) اس کے

باوجود صالحہ آپا نے بغیر محسوس طریقے سے مجھے ایک ایسے مقام پر شکست دے دی کہ میری ساری انا اور خود داری دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئی صالحہ آپا نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ میں ہمیشہ کے لئے ان کے احسانات کے نیچے دب کر رہ گیا۔

معاشرہ میں ان رشتوں کی زیادہ قدر کی جاتی ہے جو انسانی زندگی میں بغیر محسوس طریقے سے مختلف اوقات میں، مختلف انداز اور مختلف روپ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں (کائنات کے سارے کاروبار ایسے ہی نازک رشتوں پر قائم ہیں)

اللہ کا احسان ہے کہ میں معاشی طور پر ہمیشہ مطمئن رہا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں نے یہ طے کیا تھا کہ اپنی زندگی اپنے انداز سے گزارنی چاہیئے۔ میں نے ساری زندگی میں نہ تو کسی کے سامنے سر جھکایا نہ دست سوال دراز کیا۔ ہمیشہ اپنی خودداری کا بھرم قائم رکھا۔ میں نے حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ یہ بات صالحہ آپا جانتی تھیں کہ میں کس قدر خوددار انسان ہوں۔ صالحہ آپا اس کوشش میں رہتیں کہ میری زندگی کے صبح و شام آسودگی کے ساتھ ساتھ باوقار اور پُر اعتماد انداز سے گزرتے رہیں۔ معاشی طور پر میں اور زیادہ مستحکم رہوں۔ میرے بارے میں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ سوچتی رہتیں۔ ان ہی دنوں میرا پہلا لڑکا شمس الدین عارف مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے فرسٹ ڈویژن میں ایم ایس سی میں کامیاب ہوا۔ عارف کی یہ خواہش تھی کہ وہ آئی اے ایس کے امتحان کی تیاری

شروع کردے یا ڈاکٹری کی تکمیل کے لئے اپنے ماموں کے ہاں امریکہ چلا جائے۔ حیدرآباد میں الطاف بھائی نے عارف کو کچھ عرصے اپنے بزنس میں شامل کرلیا۔ اُس نے ذمہ داری سے اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ الطاف بھائی دوحہ قطر چلے گئے اور صالحہ آپا نے جانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ عارف کو دوحہ قطر بلوانے کی راہ فراہم کی۔ اُس وقت (۱۰ سال پہلے) ایک ویزا کے حصول کے لئے تقریباً ۲۵ ہزار روپے خرچ ہوا کرتے تھے۔ لیکن صالحہ آپا نے میری محنت، میرے خلوص کا یہ اثر انداز میں جواب دیا۔ عارف کے لئے ایک کمپنی میں ملازمت کا انتظام کیا۔ ایک دن عارف کا ویزا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ آگیا اور وہ دوحہ قطر چلا گیا۔ یہ سب کچھ کمپنی کی جانب سے ہوا عارف کا کچھ خرچ نہیں ہوا۔ آج الحمدللہ عارف کی ملازمت کی وجہ سے ہمیں عصری ضروریات کی وہ تمام سہولتیں مہیا ہیں جو ایک خوشحال گھرانے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ عارف کمپنی کے ایک مینیجر کی حیثیت سے پُرسکون اور مطمئن زندگی گزار رہا ہے میری منہ بولی بعض بہنوں کا خیال ہے کہ میں جب کسی کو زیادہ چاہتا ہوں تو مجھے اُن سے لڑنے میں کچھ زیادہ ہی مزہ آتا ہے۔ صالحہ آپا سے کبھی کبھی میں اُلجھتا رہتا تھا۔ یہ بات گھر کے سبھی لوگ جانتے تھے۔ ایک دفعہ میری اہلیہ نے بتایا کہ صالحہ آپا کی والدہ مجھے بہت عزیز رکھتی ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میاں صالحہ سے کبھی کبھی اُلجھتے رہتے

ہیں۔ خفا خفا سے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ صالحہ کے پاس آتے ہیں۔ تیرہیں بڑی محبت والے، میرے گھر کے ایک فردِ خاندان کی طرح۔ ایک دن صالحہ آپا اور اُن کے گھر کے لوگوں نے جب یہ جاننا چاہا کہ میرے گھر میں کون کون رہتے ہیں۔ تو ایک روز ابتدائی تعارف کے طور پر میں نے اپنے تیسرے بیٹے منہاج الدین خسرد کو (جو اُس وقت ایک سال کا ہوگا) صالحہ آپا کے گھر لے گیا اور اُس کو دروازہ پر چھوڑ دیا۔ منہاج الدین خسرد کم سنی میں بے حد خوبصورت اور صحتمند تھا۔ (آج بھی وہ ویسا ہی ہے) جب وہ گھر میں داخل ہوا تو خوشی سے گھر کے تمام لوگ اُس کو پیار کرنے لگے۔ پھر انہوں نے یہ جاننا چاہا کہ اتنے خوبصورت بچے کو کون چھوڑ گیا ہے۔ بچہ کو گھر کے دروازے پر چھوڑ کر میں خاموشی سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا تھا جب گھر والوں کو یہ معلوم ہوا کہ میرا بیٹا ہے تو صالحہ آپا نے ایک تحفہ اُس کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر اُسے میرے پاس لے آئیں۔ منہاج کو خوب پیار کیا منہاج تھا بھی اس قدر خوبصورت، پُرکشش اور صحتمند کہ جو بھی اُس کو دیکھتا اُس سے پیار کرنے لگ جاتا۔ میرے خاندان سے اُس پہلے تعارف کے بعد میری اہلیہ صالحہ آپا کے گھر کبھی کبھی جایا کرتیں۔ (خاص خاص موقع پر)

اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی صالحہ آپا کی محبت اور اُن کے

لوک میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی صالحہ آپا بعد میں میرے علمی و ادبی
موں میں دلچسپی لینے لگیں۔ میری شاعری کی جہاں وہ مدّاح ہیں وہیں
ہ مبصر اور نقاد بھی ہیں میرے پہلے مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" کی ترتیب و
زئین کی ساری ذمہ داری صالحہ آپا نے اپنے سر لی تھی۔ ایک ایک
زل کا جائزہ لیا اور مناسب انداز سے مجموعہ ترتیب دیا۔ کتاب
و مزید دیدہ زیب بنانے کے لئے اپنی چھوٹی آرٹسٹ بہن عذرا
سعید سے مرقعے بنوائے مرقعوں کی مناسبت سے مجھ سے شعر کہلوائے
بہترین سرورق تیار کروایا اور بہترین گٹ اپ کے ساتھ گلِ تازہ"
شائع ہوا۔ صالحہ آپا کے مشورہ سے کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ
رکھی گئی تا کہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہے۔ کتاب
کی ایک ہزار جلدیں دو ڈھائی مہینے میں آؤٹ آف اسٹاک ہو گئیں
صالحہ آپا نے "گلِ تازہ" کی تقریباً تمام غزلیں مصرع طرح دے کر لکھوائیں۔
صالحہ آپا کو شعر و سخن کا نہایت عمدہ اور نکھرا ستھرا ذوق مسلم یونیورسٹی
اپنے ورثے میں ملا ہے صالحہ آپا کے والد محترم احمد سعید صاحب علی گڑھ
کے فارغ التحصیل تھے جو واڑی (گلبرگہ) میں سنگ سیلو کے تاجر اور
معدنیات کے مالک تھے روزنامہ "میزان" کے ایڈیٹر حبیب اللہ اوج،
صالحہ الطاف کے حقیقی چچا ہیں (جو پاکستان کے شہری ہیں) صالحہ الطاف
کا سارا گھرانہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے سارے گھر پر مشرقی آداب اور دینی
ماحول کا گہرا اثر ہے۔ وہ ایک اچھی ادیب اور ڈرامہ نگار بھی ہیں

ادبی و مذہبی کتابوں کا مطالعہ میں اُن کا وقت گزرتا ہے۔ نہایت بُردبار، سنجیدہ، سلیقہ شعار اور پُروقار شخصیت کی مالک ہیں میرے تمام شعری مجموعوں کی ترتیب و تزئین میں صالحہ آپا کی مشاورت شامل رہی ہے۔ الطاف بھائی ایک بزنس مین ہیں انہیں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں سید اویس سرمد سوئٹزرلینڈ میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے انہوں نے ایک نہایت خوبصورت و خوب سیرت اسپیشن اسپین کی رہنے والی لڑکی مریم سے شادی کی ہے الطاف بھائی کی پہلی لڑکی نوشابہ ارنیب، ڈاکٹر ہے جو بنگلور میں مقیم ہے دوسری لڑکی تطہیر اعلیٰ پی ڈی ایس کی طالبہ ہے یہ بھی بنگلور میں مقیم ہے صالحہ آپا ان دنوں محل لے سی گارڈ کے ایک مکان میں رہتی ہیں۔ الطاف بھائی کا آفس بھی اسی گھر میں ہے۔ الطاف بھائی اور صالحہ آپا میں ذہنی ہم آہنگی ہے وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں نہایت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے اپنے جذباتی اور پاکیزہ رشتہ کے تسلسل کی برقراری کے لئے اپنے آٹھویں مجموعۂ کلام " یہ کیسا رشتہ ہے " کا انتساب صالحہ آپا کے نام کیا ہے۔

(سلسلہ پھولوں کا ۱۹۹۲ء)

سید الطاف حسین کے نام

6-9-66

ڈیر الطاف

آپ جہاں بھی رہیں خوش رہیں۔ ع

اللہ رے وہ عالم رخصت کہ دیر تک
تکتا رہا ہوں یوں ہی تیری رہ گذر کو میں

جب آپ ریل میں سوار ہو رہے تھے تو خواہ مخواہ یہ شعر میرے دماغ میں گونج رہا تھا اور اب رات کے دس بجا چاہتے ہیں آپ BOMBAY سے IRAN کے لیے نکل رہے ہوں گے اب تک بھی مجھے آپ کے TRUNK کا انتظار تھا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ BOMBAY سے نکلنے سے بات کریں گے اس لیے میں یہاں سے TRUNK نہیں کی۔ بے بی اور اویس آپ کو خوب یاد کر رہے ہیں۔ اسری تو حمد کو دیکھتے ہی چلے جا رہی ہے اور موٹر سیکل کی آواز پر فوری اُٹھ جاتی ہے۔

اس وقت خوب بارش ہو رہی ہے وہی اپنا کمرہ ہے چاروں طرف خاموشی۔ صرف گھڑی کی ٹک ٹک اور بارش کی آواز سکوت کو توڑ رہی ہے۔ اویس اور منی سو رہے ہیں۔ کل انشاء اللہ یونس سلیم صاحب کے

پاس ہیں اور صمد جائیں گے اور ہو سکے تو کھنٹکیسر بھی۔ بشیر بھیا کا کوئی خط گھر پر نہیں آیا۔ آفس یا لکڑی کے پُل پر آیا ہو تو کہہ نہیں سکتی۔ کل دریافت کر لوں گی۔ آپ کا سفر کیسا رہا۔ ڈاکٹر ماموں سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔
کمال چچا اور عادل چچا اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔
جناب وہاب بھائی کیسے ہیں انھیں اور مسز وہاب بھائی کو تسلیمات کہنا۔ منیر اور تمام کو سلام کہیئے۔ وہاب بھائی کی FAMILY کی تصویر ضرور لیتے آیئے۔ وہاں کا موسم تو بہت رنگین ہوگا۔ بغداد کب جا رہے ہیں۔؟
"بغداد کی چاندنی" اور "یروشلم کی دھوپ" مشہور ہے جہاں بھی جائیں اگر وہاں نیشنل میوزیم ہو تو ضرور دیکھئے اور خاص خاص چیزیں نوٹ کرتے جایئے تاکہ وہ چیزیں کبھی دماغ سے محو ہو بھی جائیں تو یادداشت کے طور پر نوٹ رہیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیئے۔ خط ضرور لکھیئے۔ اور بس
آپ کی صالحہ

ادیس کا خط آپ کو بشیر بھیا کے پہنچنے پر ملے گا۔

●

22-9-66

ڈیر الطاف
خلوصِ بیکراں
پتہ نہیں میرے خطوط آپ کو ملے یا نہیں۔ سچ مچ یادیں بھی کتنی تکلیف دہ ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ وہ جو سب سے زیادہ خوشگوار ہو۔ پینز

نہیں آج کیوں بار بار پیا یاد آ رہے ہیں ۔ آپ کو یاد ہے نا انہوں نے کہا تھا کہ "اگر تلوار میان میں ہو تو اُس کے جوہر نہیں کھلتے۔ پانی ایک جگہ ٹھہر جائے تو گندا ہو جاتا ہے اور انسان ایک جگہ ہی رہے تو اُس کے خیالات میں وسعت پیدا نہیں ہوتی۔ انسان کی زندگی وطن سے دُور ہی بنتی ہے اور آخر میں کہا تھا کہ بابا باہر جا کر اپنے وطن کی چیزیں نہ بھول جانا" آج یہ تمام باتیں سپنے کی طرح معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن ابا کے بعد ہماری یہ خوشیاں کتنی موہوم، اصلیت سے خالی، خواب و خیال کی طرح ۔۔ اور رنج کس قدر تلخ، سخت اور اصلی معلوم ہوتا ہے جسم روح، دماغ سب مضمحل اور پریشان۔ اُن کی ہستی کی کمی کتنی بڑی لگتی ہے ہمالیہ کی بلندیوں سے بھی زیادہ اور عظیم۔

آپ کی صحت کیسی ہے؟ بغداد گئے تھے یا نہیں؟ اگر شہر دمشق قریب ہو تو ضرور جائیے۔ میں سفر نامے کافی پڑھ چکی ہوں۔ لیکن جتنا اس الف لیلا کے شہر دمشق کے بارے میں پڑھا ہے اُتنا عرب کے کسی اور شہر کے بارے میں نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں راہ چلتے لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ انقلاب اُن کا پیچھا کر رہا ہے شہر دمشق کی ہر شئے چاند اور سورج کی طرح ہے جو ازل سے طلوع و غروب ہوتے ہوئے بھی پُرانے نہیں۔ یہاں پہنچ کر ہر ایک نے یہی محسوس کیا ہے کہ وہ الف لیلوی طلسم ہوشربا کی بھول بھلیوں میں بھٹک گیا ہو۔ یہاں دیکھنے کے لائق کافی چیزیں ہیں۔

اگر دمشق نہ بھی جا سکیں تو کوئی پرواہ نہیں مگر مکہ اور مدینہ ضرور جائیے

اویس اسکول میں ہندی کے پرچے کے دن گر گیا تھا تمام پرچوں میں
اُس کو خوب بڑھا چڑھا کر اسکول بھیجوائی گئی ٹیچر نے کہلا بھیجا ہے کہ
تمام پرچوں میں اچھے نمبرات یعنی ۱۰/۸ - ۱۰/۹ - ۱۰/۱۰ لیا ہے آج سے تعطیل
ہے اس لئے امی، محمود، رخسانہ، عذرا تمام کے ساتھ اورنگ آباد گیا ہے
صمد کا EXAM ہے اس لیے بی بی اور ریحانہ یہاں رہ گئے ہیں تو ین
کا تقاضہ ہے کہ BOMBAY صمد کے ساتھ آپ کو لینے کے لئے آئے گا
شکار کا سوٹ جلدی سلوا دیں نہیں تو سنبیا درزی دیر کر دے گا۔
منی کو بھی نمونیہ ہو گیا تھا اب اللہ کا فضل ہے اب ٹھیک ہے
چل رہی کیا بلکہ دوڑ رہی ہے۔ پنسل چاک سے پتھر اور کاغذ پر لکیریں
کھینچنا، جو پھول پتے سر میں لگا لینا، بکریوں کو پتے ڈالنا آج کل یہ
مشغلے زیادہ ہو گئے ہیں کچھ کچھ باتیں کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔
بشیر بھیا کو بھی ایک خط لکھی ہوں۔ عائشہ منی کیسی ہے؟ اُس کی زرینہ اور
بشیر بھیا کی تصویریں لینے آئیے۔ کچھ اچھے کھلونے وہیں سے خرید کر آپ
لے بی عائشہ کو دیں۔ اور خوب پیار کریں تاکہ اُس کے گال سویٹ ہارٹ کے سیب
بن جائیں۔ زرینہ کو سلام کہیئے۔
گھٹکیسر میں چاروں مشین چل رہے ہیں یونس سلیم نقلوں کے لیے
مزید روپیہ منگوائے تھے جو بھیجوا دی ہوں بنگلور میں اماں وغیرہ کے
پاس خیریت ہے آپ فکر نہ کریں۔

آپ کا لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا خط ملا۔ مگر بہت تاخیر سے ۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ لیپ BUSINEES کا مارکٹ وہاں پر ہے آپ کی محنت ٹھکانے لگی تو بس ہے ادر کیا چاہیئے ہمیں ۔ سمیع اللہ، محبوب علی، محمود تمام ٹھیک ہیں ۔ صمد روزانہ ایک چکر لگاتے ہیں ثمینہ، انجم اور نوید آپ کو خوب یاد کرتے ہیں ہر ایک یہی پوچھتا ہے کہ کب آ رہے ہیں میرے اکثر ساتھیوں کو بھی آپ کے جانے کی اطلاع ملی ہے اس لیے تمام نے سیٹھ روان کے سوداگر کو سلام کہا ہے ۔ خط جلد لکھئے ۔ جلد آ جائیے اور بس ۔۔

آپ کی صالحہ



2.10.66

الطاف

رہ رہ کر آپ کا خیال آتا ہے بس دن اور رات ایسے عالم میں کٹتے ہیں جسے نہ تو اضطراب کہہ سکتے ہیں اور نہ سکون بس ایک الجھن ہے بقول کسی شاعر کے ؎ شب انتظار کی کشمکش نہ پوچھ کیسے سحر ہوئی

کبھی ایک چراغ جلا دیا کبھی ایک چراغ بجھا دیا

لیکن موجودہ دور تو برقی کا ہے آپ کا ۲۱ تاریخ کا خط مجھے مل گیا لیکن آپ نے میرے کسی خط کا ذکر ہی نہیں کیا ۔ حالانکہ بشیر بھیا کے پتے پر میرا چوتھا خط ہے پوسٹ والوں پر اتنا غصہ آ رہا ہے سب سے بڑھ کر کوفت اس بات کی ہو رہی ہے کہ میرے خطوط نہ ملنے سے آپ کو کتنی

ہوئے سہو رہی ہوگی۔ اِس خط کو ڈالنے سے پہلے ہی ایک دفعہ فاتحہ پڑھ دیتی ہوں تاکہ اگر یہ خط آپ کو نہ ملے تو کم از کم یہ خط غرق ...... اسی لیے تو شاعروں تک نامہ بر کو سراہا ہے نامہ بر موجود ہو تو خط کے گم ہونے کا اندیشہ ہی نہیں۔ ع لے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

یہاں تو زبانی پیغام کا سوال ہی نہیں۔ لکھا ہوا پیغام پہنچنا محال ہوگیا ہے۔ خیر چھوڑئیے ان باتوں کو اور سنائیے کیا حال چال ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے؟ بشیر بھیا بہن زرینہ اور چھوٹی منی کیسے ہیں بشیر بھیا اور زرینہ آرہے ہیں یا نہیں۔ نہیں تو آپ ایک ترکیب کیجئے وہ یہ کہ عائشہ کو لینے آجائیے، بشیر بھیا اور زرینہ خود بہ خود آجائیں گے۔ بی بی عائشہ کے لیے کچھ اچھی چیزیں زرینہ کی پسند سے لے کر دیں۔ اگر زرینہ کو یہاں دکن کی ساڑیاں کتان زرین یا FANCY WORK جو کام یہاں بہت اچھا ہوتا ہے اگر انھیں پسند ہوں تو رنگ معلوم کر لیں یا پھر عائشہ کے فراک پر جس قسم کا کام ہے فراک کے لیے چاہیئے تو آرڈر دیکر اچھے سے اچھا یہاں بنوا سکتے ہیں اور کوئی جانے والے ہوں یا پوسٹل پارسل سے روانہ کر دیں گے اور یہاں کے خاص قسم کے زیور جو زرینہ دکان پر اختر اور میرے پاس دیکھ چکی ہیں اُس کے لیے پوچھ لیں یہاں کی چیزیں اتنی اچھی تو نہیں کہہ سکتے مگر پھر بھی بشیر بھیا کو کچھ کاٹن

پسند ہو تو بھیا کے ناپ کی ایک بیکار قمیض لیتے آیئے اُنھیں یہاں کی سلائی تو پسند آئی تھی میں سلوا کر بھجوا دیتی ہوں۔ اِس کے آگے کیا لکھ سکتے ہیں یہ تو اُن کے ہی دیش کی چیزیں ہوں گی جہاں اُن کا بچپن گذرا ہے وطن کی یاد تو ہر ایک کے گوشۂ دل میں چھپی رہتی ہے اس کی تلخی، شدت احساس کبھی کبھی ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ جب میں بشیر بھیا سے ملی تھی تو یہ چیزیں میں نے محسوس کی ہیں۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ اختر شیرانی کی وہ نظم جو مجھے بھی بہت پسند ہے لکھ دوں۔ "وہ دیش سے آنے والے بتا"۔

مدینہ منورہ میں آپ نے کیسا محسوس کیا۔ ہر مسلمان کی یہی آرزو ہوتی ہے زندگی میں ایک مرتبہ اُس سرزمین کی سیر کرے جہاں اسلام کے بانی اور دوسرے بزرگانِ دین محوِ خواب ہیں۔

نوین اور تنگ آ مادہ سے آ گیلے ہے ڈائری میں تمام دیکھی ہوئی چیزیں نوٹ کیا ہے آج کل PAINTING کا شوق ہو گیا ہے کل جب میں بولی کہ یہ کیا فضول چیزیں بنا رہے ہو تو کہنے لگا کہ ممی یہ تو ماڈرن آرٹ ہے اور اپنی بنائی ہوئی تصویر سمجھانے لگا۔ اسری کو نمونیہ ہو گیا تھا جس کا ذکر میں نے پچھلے خط میں کیا تھا مگر اب بالکل ٹھیک ہے ہر اپنی بات منوانے کی کوشش کرتی ہے گانا گاؤ کہتے ہی ملہار راگ شروع ہو جاتا ہے اور موسے مرسک حرکتیں کرتی ہے آپ دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور اسکول کھل گیا ہے۔ دیکھئے اپنی تمام اُمنگیں تو ان ہی کے طرف

میں تو کوشش کرتی ہوں کہ اویس اچھا پڑھے۔ وہ اچھا ہی پڑھ رہا ہے
اور آئندہ بھی اچھا ہی پڑھے گا۔ سالنامہ کا اعلان کر چکی ہوں۔ کافی مضامین
آ گئے ہیں، دو تین ماہ کا کام ایک ساتھ کر کے رکھ دی ہوں۔ ابھی کاغذ نہیں
آیا۔ شاید کچھ دنوں میں آ جائے۔ کب آ رہے ہیں۔ جلد آ جائیے۔ صمد
کا امتحان ختم ہو گیا ہے ویسے نوین کا تقاضہ ہے کہ BOMBAY سے
آپ کو RECEIVE کرے گا کہہ رہا ہے کہ اسری کو بھی لیکر چلیئے وہ ابھی تک
سمندر نہیں دیکھی۔ دیکھئے ان لوگوں کی باتیں بھی کتنی پیاری اور معصوم ہوتی
ہیں۔ میں پھر اُس کو سمجھائی کہ وہ دیکھے بھی تو اُس کو یاد نہیں رہے گا۔ حمی بھائی
اتوار کو آئے تھے ۵ تاریخ کو چاند پھپھو کے فاتحہ میں کمال چچا اور عادل چچا
آنے والے ہیں۔ مجھے بیٹھ کر لکھنا ہی نہیں آتا اس لیئے یہ خط لیٹ کر لکھ
رہی ہوں ذرا کوشش کر کے پڑھ لیں۔ اور آخر میں میرا لکھا ہوا نام
بھی پڑھ لیں۔ بس

فقط آپکی صالحہ

●

12-9-72

ڈیر الطاف

سفر مبارک ہو۔ یوں تو لوگ دنیا میں بستے ہیں آپ تو دل میں
بسے ہوئے ہیں آپ کے لیے میں کیا لکھوں۔ آپ کا BOMBAY سے لکھا
وہ خط ملا۔ اُس کے بعد کوئی خط نہیں آیا تمام آپ کے بارے میں پوچھ
رہے ہیں بچے اس قدر یاد کر رہے ہیں کہ بیان سے باہر۔ اسری اپنی

کلاس میں سب سے آخر میں جارہی ہے اس لیے کہ آپ نہیں ہیں اسماء
بکو یاد کر کے رو رہی تھی اس لئے محمود اسریٰ اور اسماء کو لے کر دن کے
لیے وہاں ہی چلے گئے تھے اویس کہتا ہے کہ پتہ نہیں پپا کب آئیں گے؟ جلیحہ کی طبیعت
ٹھیک نہیں ہے وہ اپنے دکھوں کے باوجود بھی بچوں کا اتنا خیال
رکھتی ہے جلیحہ اور محمود تو میرے لیے کعبہ کے جیسے مقدس ہستیاں ہیں۔
آپ کے جانے کے بعد اماں کے پاس دوبارہ گئی تھی وہاں سب ٹھیک ہیں
کہیے بشیر بھیا اور زرینہ کیسے ہیں بشیر بھیا کو اگر کرتے چھوٹے بڑے
ہو گئے ہوں تو لکھیے میں دوسرے تیار کر دوں گی کریم صاحب ستار صاحب
کے بھائی عنقریب دوہا جانے والے ہیں ان کے ذریعہ بھجوا دوں گی اور
کوئی چیز بشیر بھیا اور زرینہ کو چاہیئے تو لکھیئے۔ عائشہ، عما اور شاہین
کیسے ہیں کیا بچے آپ سے مانوس ہو گئے بشیر بھیا اور زرینہ کو سلام
کہیئے۔ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ آپ اتنی دور چلے جائیں گے۔ آپ
کے باکس میں جو دوائیں ہیں برابر کھا لیا کیجئے۔ چاند خالو آئے تھے
انہوں نے کہا ہے کہ مظہر آپ کو ریاض میں ٹھہرنے کے لئے کہے ہیں بشیر بھیا
کب آرہے ہیں انھیں بھی ساتھ لیتے آئیے۔ ستار صاحب اور ان کی
والدہ، والد کیسے ہیں؟ ہو سکے تو خط لکھیئے ورنہ کوئی شکایت نہیں ویسے
میں آپ کو خط تو لکھتی ہی رہوں گی آفس کے متعلق کچھ خاص بات ہو تو
کبھی لکھ دیجیئے میں پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔ اسریٰ، اسماء دن

میں مرے موٹے کاغذوں پر دو تین خط لکھنے ہیں جو آپ آنے کے بعد پڑھ لیجیئے۔ آپ کی صالحہ

الطاف

بے اختیار جی چاہ رہا ہے کہ کچھ دیر آپ سے باتیں کروں بس ہم باتیں کریں گے آپ سنتے جایئے۔ حیراں ہوں کہ آپ نے اب کی دفعہ اتنی جلدی جلدی خط کیسے لکھ دیئے۔ آپ اسے شکایت کے بجائے التجا سمجھ لیجئے آپ نے اپنے خط میں اس کا ذکر کیوں کیا۔ آج ہی آپ کا خط دوہا سے ملا یہ جان کر خوشی ہوئی کہ دو بھائی اب ایک جگہ ہیں۔ پتہ نہیں آج آپ اور بشیر بھیا کیوں بار بار یاد آرہے ہیں اور ماضی کے بیتے ہوئے دن بار بار ہجوم کر کے دل و دماغ کو اپنے گھیرے میں لے رہے ہیں آپ تو اس دوری کی بنا پر دل میں ایسے پیوست ہو گئے ہیں جیسے جسم میں جان یا رگوں میں خون۔

میں ایک خط بشیر بھیا اور آپ کے نام پوسٹ کر چکی ہوں ملا یا نہیں۔ کچھ پتہ نہ چل سکا۔ حالانکہ میں آپ کو اس سے پہلے بھی پانچ چھ خط لکھ چکی ہوں۔ آپ نے صرف ۹ تاریخ کے لکھے ہوئے خط کا ذکر کیا۔ باقی خط ــــ؟

اگر میرا پچھلا خط ملا ہو گا تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اویس اورنگ آباد

میں سے محمود تمام کو چھوڑ کر ہفتہ کے دن ہی لوٹ آئے۔ نوین کو جانے وقت ایک ڈائری دی تھی اور کہی تھی کہ تمام دیکھی ہوئی چیزیں اس میں لکھتے جائیں۔ محمود کہہ رہے تھے کہ وہ برابر لکھ رہا ہے۔ دولت آباد اور غار ہائے ایلورہ ایک دن دیکھے اور اجنتہ کی گپھائیں دوسرے دن جس کی وجہ سے وہ کافی تھک گیا۔ محمود اور اپنا باورچی اُسے گود میں لینا چاہے تو انکار کر دیا جب اُس کا موڈ بدلا ہوا دیکھے تو اس کو محمود نے کچھ رنگین تصویریں وغیرہ لے کر دیئں۔ جب ذرا آگے بڑھے تو پھر سیڑھیاں تھیں تو ایک دم غصہ میں آکر کہنے لگا کہ پھر سیڑھیاں آگئیں۔ محمود کہہ رہے تھے کہ اُس کا یہ انداز وہ کبھی نہیں بھول سکتے۔ نوین کی کہنی اور پیٹ پر جو مار لگا تھا وہ کم ہو گیا۔ البتہ گھٹنے کا زخم تھوڑا باقی ہے چونکہ گھر میں امی وغیرہ کوئی نہیں ہیں اس لیے اسری ہر کمرے میں جا کر ہاتھ کے اشارے سے کہتی ہے کوئی بھی نہیں ہیں۔ ثمینہ آج اُسے اپنے گھر لے گئی تھی اختر کہہ رہی تھیں کہ پور ز پچے کو دیکھ کر خوب تماشے ہوئے امی اور تمام جمعہ کو آ رہے ہیں۔

تاج اور رفیق ابھی نہیں آئے اس سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ ٹھیک ہی ہوں گے۔ آپ نے گرانی اور گراں قیمت کے بارے میں جو لکھا ہے اُس کا اندازہ تو خود یہاں اپنے دیش کی بڑھتی ہوئی آبادی اور معاشی پستی سے لگا سکتے ہیں۔ پھر آپ تو ایک ایسے دیش کا ذکر کر رہے ہیں

جہاں ڈر کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ وہاں پر آپ نے جس چیز کو محسوس کیا ہے وہ یقیناً ٹھیک ہے۔ شعر اسباب زندگی کی ہر اک چیز ہے گراں
بس ایک زندگی ہے کہ ارزاں ہے آج کل
آپ کے خطوط سے ایران اور دوسرے مقامات کے معاشی، مذہبی اور تہذیبی حالات کا علم ہوا۔ یہاں پر محبوب علی۔ افسر اور نیز عفانی صاحب اکثر دریافت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس سے خطوط آئے یا نہیں۔ اور آپ کیسے ہیں بہر حال "کس کا ہے کتنا ظرف مجھے آزمانے دو"
انشاء اللہ دو تین دن بعد گھٹکیسر جاؤں گی اس لیے کہ اپنی کارمیں رہی ہے ڈبل مشین اور دوسرے مشین برابر چل رہے ہیں گھٹکیسر میں کام برابر چل رہا ہے ڈبل مشین درمیان میں خراب ہو گئی تھی اسماء کے پرچے بہت اچھے ہوئے رسالے کے کاغذ کے بارے میں آج ہی خط آیا کہ مزید معلوم کرائے کے بھیجوا ئیے گا انشاء اللہ کل پرسوں تک ڈرافٹ بنوا کر بھیجوا دوں گی۔ ارادہ ہے کہ تمام کاغذ آپ کے آفس پر رکھوا دوں۔
فلٹرس اور تھرمیٹر دل کی صفائی وغیرہ میں کام آسکتے ہے مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ جو بھی مال یہاں سے بھیجوائیں گے اُس کی کاسٹ کیا ہوگی آپ تو انتھک کوشش کر رہے ہیں خدا کرے کہ بارآور ہوں۔ آمین
میں تمام باتوں میں آپ سے یہ پوچھنا بھول ہی گئی کہ آپ کی صحت

اب کیسی ہے؟ دیکھئے جو لوگ باہر جاتے ہیں موٹے اور صحت مند ہو کر
آتے ہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں۔ آپ بھی خوب اچھے ہو کر آجائیے۔
آج کل چنبیلی کے پھول خوب کھل رہے ہیں اسریٰ بھی دن تمام توڑتی اور
لگاتی رہتی ہے اس وقت بھی اُس کے کچھ پھول میز پر پڑے ہوئے ہیں
جو آپ کو بہت پسند ہیں۔ اِن کی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے۔
اسریٰ بار بار آکر [illegible] کہہ رہی ہے کہ بی عائشہ کیسی ہے اُن کو دعائیں
بشیر بھیا اور زرینہ کو سلام کہیے۔ مکہ اور مدینہ کو نکلنے کا قصد آپ
نے کونسی تاریخ کو کیا ہے۔ صمد ابھی ابھی باہر سے آئے ہیں اور آپ
کو لکھنے کے لیئے کہہ رہے ہیں کہ اگر ہو سکے تو موٹر سیکل کے لیے ایک
عینک جس کا نام TWIST یا MOON LIGHT لائیں۔ کاغذ ختم
ہو گیا ورنہ اور لکھتی۔ اس لیئے پھر۔

EVER YOURS SALEHA

ڈیر الطاف

امید کہ آپ تمام بخیر ہوں گے آپ عید کے دن بات کرتے کیسے
خبر تھی کہ آپ اتنے دور چلے جائیں گے رات کے ایک دو بجے تھے آپ اور
بشیر بھیا بات کیئے عید دبے پاؤں آئی اور چلی گئی۔ امی کے بعد تو اب
کوئی خوشی منانے کو دل نہیں چاہتا۔ ہم کتنے بے بس ہیں سب کچھ ہوتے

ہوئے امی ادر ابا کو نہ بچا سکے صرف آدم کی طرح اپنی جنت کو دور
اور دور ہوتے ہوئے دیکھا کیئے۔ سچ ہے سبکچھ اسی کا ہے اسی کی طرف
لوٹ کر جاتا ہے۔

نوین اور اسریٰ خود خط لکھنے کے لئے جاگی تھیں اور اب سو گئی ہیں
بچے آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اماں ٹھیک ہیں میں گئی تھی محبوب علی
صاحب کو آپ کا پیام پہنچا دی ہوں۔ یہاں پر خشک سالی کے آثار ہیں
محمود کافی لمبے عرصہ کے بعد حیدرآباد آگئے۔ بچوں کے امتحان اس ماہ کے
LAST میں ہیں اسریٰ گیم میں Ist آئی اور PRIZE بھی ملا۔
آپ کی صحت کے لئے تشویش ہے مدینہ شریف کے لئے کب نکل رہے ہیں؟
بشیر بھیا کو ضرور ساتھ لینے جائیے انھیں سکون کی ضرورت ہے

FACTORY کا پیڈ بہت اچھا ہے آپ ان چیزوں کے
SELECTION میں بہت آگے ہیں خدا آپ کے ہر کام کو آگے
بڑھائے۔ ادریس کل کرنل حبیب کے گھر گئے تھے پتہ چلا کہ وہ صاحب
ابھی نہیں آئے۔ آپ کا لندن اور یورپ کا پروگرام کہاں کہاں کا
ہے ضرور لکھئے۔ فون پر آواز بہت بھاری معلوم ہو رہی تھی خیال
رکھئے۔ کام کا بار زیادہ مت لیجئے۔ ہم تمام کے لئے آپ کی صحت افضل ہے
کچھ نہ ہو صرف آپ ٹھیک رہیں یہی میرے لیے بس ہے۔ خدا حافظ

صالحہ

•

خلیق چچی

السّلام علیکم

ماضی کا پرندہ اپنے پر پھیلائے پھڑ پھڑا رہا ہے اور ذہن کے آنگن میں پرانی یادوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور مجھے سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ مگر باؤلی کا گھر جس کی یاد آج بھی تشنہ باقی ہے وہ بیتے دن۔ وہ محفلیں بھی پیارا۔ اماں جان چاند پھپھو کمال چچا حامد چچا میں کس کس کا نام گنواؤں کیسی کیسی ہستیاں تھیں اماں جان مجسم صبر۔ چاند پھپھو کی مزیدار باتیں۔ کمال چچا کا خلوص۔ پھول مرجھا جاتے ہیں خوشبو باقی رہ جاتی ہے وہ یادیں آج ہماری آنکھوں کے ایسے آنسو بن گئی ہیں جو آنکھوں میں ہی خشک ہو جائیں، جو بہہ بھی نہ سکیں۔ ان تمام کی یادیں دل میں بسی ہوتی ہیں۔ باری تعالیٰ تمام کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

کل آپ سے بات ہوئی۔ چچی اتنا سکون محسوس ہوا بتلا نہیں سکتی۔ ہاشم کا یہاں آنا۔ اس میں ہمارے خاندان کا خلوص کوٹ کوٹ کر

پھر ایسے اللہ اس کو نظرِ بد سے بچائے سب ہی کا خیال کرتا ہے
آج کل کے بچوں میں یہ بات کہاں۔ ماشاء اللہ سے مذہبی رجحان اور
اسلام کی تڑپ اس میں ہے آپ خوش قسمت ہیں میں بھی خوش ہوں کہ
خاندان میں ایک ایسا بھائی بھی ہے

دلدس اسما کیسی ہیں۔ تمام بچے اچھا پڑھ رہے ہیں سن کر خوشی
ہوئی ہے باسط کیسے ہیں میری طرف سے دعائیں کہنا۔ بالکل ہاشم کے
OPPOSIT ہے اللہ سب ہی کو اچھا رکھے

اویس۔ بچے۔ مریم ٹھیک ہیں شاید مریم جولائی میں آئے۔ اسماء
شاید فبروری میں۔ اسماء جب آئے گی تو شاید اویس بھی آئیں۔ اسریٰ
ڈیڑھ سال کے لئے امریکہ اور انگلینڈ گئی تھی اب واپس آگئی ہے اور دواخانہ
بھی جا رہی ہے۔ اس کے بچے جمعہ، ہفتہ، انوار یہاں آجاتے ہیں تو
گھر میں رونق رہتی ہے۔ عذرا، علیم، رخسانہ، عرشی، ارمان، اختر
بچے اور محمود، دردانہ، سعید تمام ٹھیک ہیں ملاقاتیں اور فون پر بات
چیت ہوتی رہتی ہے۔

میری ایک کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" شائع ہوکر کچھ ہی دن
ہوئے ارسال کر رہی ہوں۔ یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی ہوں تاکہ
علامہ اقبال کا پیکر بچوں کے ذہن میں ڈھل جائے۔ اقبال اکیڈیمی
والے ہی اس کتاب کو چھپوائے ہیں اور یہ کتاب ادبی حلقوں میں

کافی مقبول ہوئی ہے آپ دلی میں اس ادبی سلسلہ پڑھیں۔

بہاں تم اس کتاب کو وہاں کے ادبی حلقوں میں متعارف کراؤ۔ یہاں پر اسکول میں یہ کتاب کو شائع کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ تمہارے کوئی دوست کی دکان ہے تو تیسرا ایڈیشن جلد ہی آنے والا ہے۔ تمہارا خط رخسانہ کو پہنچا دی تھی تم نے خط لکھے کہ اب غالب کا یہ شعر یاد آ گیا۔ ع سنتا نہیں ہوں بات، مکرر کہے بغیر

فون پر بچوں سے بات ہو جاتی ہے اس طرح خطوط لکھنے کی ہی عادت چھوٹ گئی۔ میں سمجھتی ہوں۔ حمید یہ کتاب ضرور پڑھے گا اور مجھے لکھے گا۔ بچی تو بہت یاد آتی ہیں۔ بس عذرا جب بھی ملتے ہیں پرانی یادیں ضرور ورد زبان رہتی ہیں۔ حافظ صاحب کو سلام کہنا۔ یہ کتاب کہنا کہ کسی سے پڑھ کر سنیں اور اپنی رائے لکھیں باری تعالیٰ سب ہی کو بہ صحت ایمان پر قائم رکھے۔

دعاؤں کے ساتھ۔ دعاؤں کی طالب

صالحہ الطاف

صہیب کے نام

آج تمہاری سالگرہ ہے۔ اللہ تمہیں ایسی کئی سالگرہیں منانا نصیب کرے۔ تم ممی پپا کے دامنِ عافیت میں پروان چڑھنا۔ اپنی ممی اور پپا کا پیار اور چاہت تمہیں یوروپ کے کسی اسکول میں نہیں

ملے گی۔ اُن سے اچھی اچھی باتیں سیکھو۔ تم بہت ہونہار ہو۔ اللہ
تمہارا دامن خوشیوں سے بھردے۔ اچھا پڑھو اور اسلام کی خدمت
کرو۔ سب کو پیار۔ فقط پاپا سن ممی
(صالحہ)
حیدرآباد

صالحہ الطاف کے کچھ خطوط
صلاح الدین نیّر کے نام

از بنگلور ۔ ۸؍اپریل ۱۹۸۷ء

سنتے تھے وہ آئیں گے سنتے تھے سحر ہوگی ۔

نیّر بھائی ! سچ مچ آپ سے نہ ملنے کا دکھ ہے ۔ آپ تو گھر بھی آئے ۔ بس قسمت کو ہی منظور نہ تھا ۔ ایک بھائی ۔ بہن کے گھر آئے اور بغیر ملے ہی چلا جائے ۔ آپ کے لئے نوشہ اور چائے کا انتظام کی تھی آپ نے کہا تھا کچھ دیر کے لئے جانے سے پہلے آجاؤں گا جس دن آپ آئے ۔ اُس کے ایک دن پہلے گاڑی خراب ہوگئی تھی ہم سمجھے میکانک بنا دے گا ۔ گھر سے کافی دور یعنی ۳۵ میل پر گاڑی تھی ۔ گاڑی میں کچھ کام زیادہ نکل گیا بنوا کر آنے میں دیر ہوگئی آتے ہی آپ سے بات کی ۔ مشاعرہ میں آنا چاہ رہی تھی الطاف بھی کہہ رہے تھے اگر جانا ہے بھلا تو چلو ۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر آجائیں گے ۔ میں نے کہا نہیں کل نیّر بھائی گھر آکر مل لیں گے ۔ اسٹیشن اور ہمارے گھر

گا فاصلہ کوئی دو امنٹ کا ہے پھر بھی ملاقات نہ ہو سکی۔ کیا کریں۔
لکھنے دل نہیں چاہتا۔ قلم اٹھانا تلوار اٹھانے کی طرح لگتا ہے
بس یوں سمجھئے خیالات کو زنگ لگ گیا ہے۔
آپ کا کہنا یاد آتا ہے۔ آیا۔ قلم اٹھائیے۔ آپ کو پڑھنے
سے زیادہ لکھنا چاہیئے۔ آپ نے کیا سچی بات کہی تھی۔ ہر
ہفتہ "امینِ وطن" کو لیڈیز کے کالم کے لئے لکھ رہی تھی پھر دو ہفتے
سے وہ بھی نہیں لکھ سکی۔ پتہ نہیں اخبار والے کیا خیال کریں۔
آپ نے اخبار کی کٹنگ بھجوائی۔ پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی
کہ بتلا نہیں سکتی۔ خدا کرے کہ وہ دن بھی آئے کہ آپ کتابوں
کی رسم اجراء انجام دیں۔ آپ نے کتاب بڑے سلیقہ سے اور
خوبصورت چھپوائی۔ یوں تو تخیل کی ساری بلندیاں اور فراست
کی گہرائیاں اللہ نے انسان کو بخشی ہیں۔ ع

حمد و ثناء ہو تیری کون و مکان والے
بن مانگے دینے والے عرش و قرآن والے ۔۔۔ بات کی تہہ
تک آپ پہنچ گئے ہوں گے۔ یعنی آپ کی کتاب ایک خوبصورت
انگوٹھی کے مانند ہے

علم کی بارگاہ میں سجدہ ریزی ضروری ہے ہر
کتاب پر لکھنے والے کا نام آپ ضرور ڈھونڈھ نکالیں۔ لیکن

ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس پر لکھنے والے کا نام نہیں۔
۱۴ سو سال سے یہ کتاب اسی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔
میری خواہش ہے اب آپ اس کو ترجمے سے ہی نہیں بلکہ تفسیر
بھی پڑھیں۔ آپ کی زبان اور آپ کے خیالات کی گرہ ایسی
کھل جائے گی کہ اہلِ دکن ہی نہیں بلکہ اہلِ ہند انگشت بہ دنداں
ہو جائیں گے۔ ہمارے سامنے اقبال کی مثال موجود ہے۔ آپ اقبال
کے اکثر اشعار پڑھ کر کہہ سکتے ہیں۔ لکھنے والے نے قرآن کی
اس آیت کو اپنے شعر میں سمو دیا ہے۔ یہ سب کچھ میں اس لیئے
لکھ رہی ہوں کہ آپ کا قلم اسی طرح اُٹھے۔ اب آئیندہ جب آپ
کی کتاب چھپے گی تو انشاء اللہ ترتیب میں دوں گی۔ سب
سے پہلے حمد و باری تعالیٰ ہونا چاہیئے۔ ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں
اور بعد میں ہندوستانی، روسی، ایرانی آپ ضرور لکھیں کہ میرے
خیالات سے آپ کو اتفاق ہے کہ نہیں

بنگلور کی آب و ہوا اچھی ہے لیکن سردیوں میں الطاف
کی اور میری صحت ٹھیک نہیں رہتی بہر حال وقت کے دھارے
میں ایک بے نام لہر کی طرح کنارے کی تلاش میں سرگرداں نشانِ
منزل کی کھوج میں رواں دواں ہیں۔ وقت کے کتنے ہی سنگ میل

یاد آتے ہیں اور کبھی آنکھوں کے سامنے وہ سنگ میل بھی ابھرتے ہیں جس کو ٹیک لگائے بیا می کھڑے ہوں۔ بہرحال وقت کے دھارے پر زندگی رہے ہیں وقت گذار رہے ہیں۔

آج کل بنگلور میں اردو پر کام زیادہ ہو رہا ہے۔ لوگ سوچ رہے ہیں کہ سائنس، ٹکنالوجی، کمپیوٹر وغیرہ کو اردو میں ترجمہ کریں۔ اور درسی کورس میں شامل کریں تاکہ یہ زبان زندہ رہ سکے۔ غزلیں۔ نظمیں۔ افسانے۔ اب اردو کو سہارا نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ کالج اور تمام علمی چیزیں اس میں پڑھائی نہ جائیں اور ایسے کالج قائم نہ کئے جائیں۔ کچھ لوگ کوشش کر رہے ہیں۔ اب سنائیے آپا بچے کیسے ہیں۔ کون کون کہاں ہیں۔ عشرت، سلطانہ تمام کیسے ہیں۔ الطاف میسور گئے ہوئے ہیں۔ چار دن بعد واپس آئیں گے۔ آنے کے بعد انشاءاللہ حیدرآباد آنے کا ارادہ ہے رخسانہ کو اطلاع دے دیں تو مناسب ہے آپا کو سلام کہنا۔ ایک عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ انشاءاللہ اس دفعہ میں گھر آنے کی کوشش کروں گی۔ آپا سے کہنا دعاؤں میں یاد رکھیں۔ رخسانہ کو خط لکھی تھی پتہ نہیں ملا کہ نہیں۔ ابھی ابھی آپ کا خط آیا جبکہ میں خط ختم کر رہی ہوں۔

آپ ہمیشہ خط لکھتے ہیں میں ہی جواب دینے میں تاخیر برتتی ہوں

آپ اِس کو میری عادت سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔

اسریٰ، اسماء دونوں ٹھیک ہیں اسماء کے کالج کا ابھی کچھ نہیں ہوا یہاں پر اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں حیدر آباد میں A ... ایکسٹرا نل کا امتحان ہونا ہے کب ہو گا۔ فیس کب داخل کرنا ہے آپ بار زحمات۔ بلکہ آپ خود یونیورسٹی کو فون کر کے معلوم کر لیں۔ اسماء امتحان دینا چاہتی ہے یہ کام بہت اہم ہے اور مجھے لکھیں۔ ریڈیو سے مشاعرہ پر پروگرام پیش کیا گیا۔ اخبار میں اطلاع آئی تھی۔ میں نے ... نہیں۔ کافی اخباروں اور پوسٹروں میں آپ کا نام میں دیکھی ... تمام بچوں کو دعائیں کہنا۔ کتاب کا ایک اور نسخہ چاہیئے ... عالم کو دینا ہے جو کانپور کے ہیں۔ خدا حافظ   صالحہ الطا...

نیر بھائی ۔ اسلام علیکم

کیسے ہیں آپ؟ آپ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ صرف کاہلی کی وجہ سے جواب نہ دے سکی۔ ویسے آپ کے بے لوث خلوص کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔ آپ مجھ سے مل نہ سکے کوئی بات نہیں۔ خطوط سے آدھی ملاقات ہو سکتی ہے ایک بات آپ تمام میں اچھی ہے وہ یہ کہ ... لوگ مصروف ہیں لیکن میں بیکار۔ بیکاری کی وجہ سے کاہلی ... ہو جاتی ہے اور الجھنیں بھی زیادہ۔ ادیں وہاں اسماء ... طرف ہیں اور اسریٰ۔ خدا نہ کرے ایسا شیرازہ کسی کا بکھ...

بہت خاموش طبیعت کی ہے جب ایک بچی کی طبیعت آپ کو معلوم ہو تو
پھر آپ کو شکایت کی گنجائش نہیں رہتی۔ فون پر بھی اُس سے
بات کر لیں اُس کی خیریت آپ دریافت کر سکتے ہیں۔ الطاف
سے ملا کیجئے۔ اسریٰ اپنے کالج میں مصروف رہتی ہے اُس کا کالج
۹ بجے سے ۴ ½ ۵ بجے تک ہے۔
یہاں بارش زیادہ ہے موسم سرد۔ ہر طرف ہرا بھرا۔ بنگلور
کو سٹی آف گارڈن کہتے ہیں انگلش اور کنڑ بولنے والے ہیں۔
شاید الطاف بنگلور آئیں۔ لیکن کب آئیں گے یہ پتہ نہیں۔ میرے
آنے کا ابھی ارادہ نہیں ہے اسماء کا بھی کالج شروع ہو گیا ہے اس
لیے وہ بھی وہاں سے نکل نہیں سکتی۔ اُسی کے لئے مجھے آنا ہے
آنے کے بعد میں آپ کو فون سے اطلاع دوں گی۔
میں سوچ رہی ہوں مجھے کچھ کرنا چاہیئے۔ لیکن "گلِ تازہ"
کا پیش لفظ کا یہ نشان؟ مجھے بھی پریشان کیے ہوئے ہے
آپ کی غزل اچھی ہے۔
رخسانہ کی خیریت الطاف اور اسماء کہہ دیتے ہیں تو سکون
ہوتا ہے کبھی کبھار اُس کے پاس جایا کریں۔ اُس کو اور بچوں کو
دیکھ کر کلیجہ جی کو آجاتا ہے۔ اجازت دیں خدا حافظ
آپ کی بہن   صالحہ الطاف

● نیّر بھائی ۔ اسلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ کتاب کی رسم اجرا بہ خیر و خوبی انجام پائی۔ نشانِ منزل دور ہے ابھی آپ کو کئی کتابیں منظرِ عام پر لانا ہے۔ جب میں ضرور شریک رہوں گی۔ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے آپ مایوس بالکل نہ ہوں ایسی اور کئی کتابیں اور مجموعوں کے آپ خالق بنیں گے۔

آپا اور بچوں کو سلام و دُعا کہنا اور میری طرف سے مُبارک کہنا۔ الطاف کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے میں کافی پریشان رہی۔ انشاء اللہ جلد ہی حیدرآباد آرہی ہوں۔ خدا حافظ

صالحہ الطاف

نوٹ :۔ عذرا یہ خط رخسانہ تک پہونچا دینا۔

● ۱۴ر مئی۔ از بنگلور

نیّر بھائی۔ سلام مسنون دُعائے خیر و برکات

اس پوری مدت میں ذہنی بے چینی مسلط رہی۔ کبھی الطاف کی طبیعت ٹھیک نہیں کبھی بچوں کی۔ اسماء کے ایڈمیشن کا مسئلہ ابھی بھی حل نہیں ہوا۔ بہر حال عجیب صورتحال سے ہم دوچار ہیں بہر کیف مشیت ایزدی۔ ایک اضطراب کا عالم ہے سراپا اشتیاق بن کر مائل و متحرک بہ ارتقائی منزل رہنے کی تلقین اللہ نے کی ہے

جس کو علامہ اقبالؔ نے بہت ہی خوبصورتی سے شعر کا پیراہن پہنایا ہے

ع پلٹ کر جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانا

بہر حال زندگی کی نیا کو جو بے پتوار ہے کھیتے، چلانے کی کوشش کر رہے ہیں کشتی کنارے پر پہنچے گی یا نہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دعاؤں میں شامل رکھئے۔

اور سنائیے حیدرآباد کے حالات کیسے ہیں؟ پانی کی قلت یہاں بھی ہے۔ سچ جانیئے حیدرآباد آنے کا کب سے سوچ رہے ہیں شاید اس ہفتہ نکلنا ہے یا آئندہ بس اس طرح یہ تمام مہینے گذر گئے۔ حیدرآباد میں کافی سامان بکھرا پڑا ہے بے یار و مددگار۔ بالکل آپ کی آپا کی طرح۔ ان تمام کو ایک جا کرنا ہے وہاں پر کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔

کاتب تقدیر کے ہاتھوں کو چومنے دل چاہتا ہے اور اس قلم کو بھی دعائیں دینے دل چاہتا ہے جو کاتب کے اختیار اور مرضی کا ال ہے قلم اپنی ہستی کو کاتب کے ہاتھ میں ضم کر دیتا ہے جو تحریر ہے وہ قلم کی نہیں بلکہ کاتب کے اختیار و مرضی کی ہے کتنا اچھا مصرعہ ہے۔ ع "اے کاتب تقدیر مجھے اتنا بتا دے"

ع دنیا میں ہم آ گئے ہیں تو جینا ہی پڑے گا

کونسی نئی نئی غزلیں آپ نے لکھیں۔ جواب آئے یا نہ آئے مجھے آپ کا
خط تو ضرور مل جاتا ہے اور اب کتاب بھی مل گئی۔ جن کو میں آپ
کی کتاب دینا چاہ رہی ہوں یہ صاحب قرآن شریف کا آسان ترجمہ
اردو میں کیئے ہیں رہنے والے ناگپور کے ہیں نام عبدالکریم پارکھ
شاید جون کے دوسرے ہفتہ میں بنگلور آرہے ہیں بہت ہی اچھے
مقرر ہیں۔ ایک زمانے بعد کچھ اچھے مقرروں کو سننے کا موقع ملا۔
یہاں پر اردو والوں نے ایک تحریک چلائی ہے کہ خط پر پتہ
اردو میں لکھا جائے۔ پوسٹ آفس والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ
خطوط کو صحیح جگہ پہنچائیں۔ اگر تمام لوگ اردو میں لکھیں تو پوسٹ
آفس والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اردو جاننے والوں
کو ڈپارٹمنٹ میں رکھیں۔ رخسانہ کو ابھی خط لکھ کر بند کی ہوں
یہ لکھنا بھول گئی کہ اس وقت حیدرآباد میں کچی کیریاں
ملتی ہیں GREEN MANGOS ۔ ۲ یا ۲۵ کیریاں نمک میں ڈال
دیں جب میں آؤں گی تو لے لوں گی۔
آپا کیسے ہیں۔ انہیں سلام کہنا۔ اور تمام بچوں کو بھی۔ میری
طرف سے دعا کہنا۔ دونوں بچے کب آ رہے ہیں عارف سلیم کو میرا
پتہ دیں تاکہ وہ لوگ مجھے خط لکھ سکیں۔ پرویز کا کارخانہ کیسا چل رہا ہے
عشرت، سلطانہ، کوثر، تنویر، بچے کیسے ہیں۔ تمام کے فوٹو اگر ہیں

تو روانہ کریں سب ہی کو دیکھنے دل چاہتا ہے۔

آپ کا "راؤن" ابھی بھی حیدرآباد پر مسلط ہے مسلمانوں کو اللہ غلبہ عطا کرے۔ آمین۔ خدا حافظ صالحہ الطاف

● تنویر بھائی۔ اسلام علیکم

پہلے آپ اور آپا میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کریں۔ دعا ہے کہ خوشبو کا سفر' دنیائے ادب میں خوشبو بکھیرے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کا ایک اور مجموعہ قدرشناس ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ" اتفاق دیکھئے اُس دن آپ نمائش گاہ میں مل گئے۔ گو وہ کتاب میرے لئے نہیں تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے خلوص کا ثبوت دیا اور مجھے کتاب دی۔ مگر اتفاق دیکھئے کہ وہ کتاب مجھ سے الطاف نے لیئے اور اُن ہی کی کتابوں میں وہ کتاب رہ گئی۔ تیسرے دن میں بینگلور آگئی۔ میں چاہتی تھی کہ پڑھ کر آپ کو کچھ لکھوں اتنے میں دعوت نامہ ملا۔ مجھے اور خوشی ہوئی۔ آپ ایک سنجیدہ شاعر ادب و سخن کے رسیا ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ کوشش اُردو ادب میں گرانقدر اضافے کا باعث بنے بس یوں سمجھیئے آپ کی بہن کی دعائیں ہر دم آپ کے ساتھ ہیں الطاف کو بھی دعوت دیں انشاء اللہ وہ ضرور شرکت کریں گے اِس طرح آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوگی۔ عارف کیسے

ہیں۔ سلیم کب جا رہے ہیں؟

دو چار دن سے اخبار میں یہ اطلاع آ رہی کہ لندن میں یا د یاراں اور برف کے جھکڑ چل رہے ہیں اس لئے میں پریشان ہوں۔ اللہ سب کا نگہبان ہے۔ اسریٰ کے امتحانات چل رہے ہیں ۱۲ فروری تک ختم ہو جائیں گے انشاء اللہ ایک ماہ کے لئے میں حیدر آباد آؤں گی۔ جب ملاقات رہے گی۔

نیر بھائی ایک بات کہوں گی کہ میں نے یہ آپ کی کتاب پڑھی نہیں۔ لیکن آپ کے گل تازہ کی تازگی اردو ادب میں ہمیشہ برقرار رہے گی۔ آج کل لوگ کتابوں کی قیمتیں زیادہ رکھتے ہیں لیکن گل تازہ قیمت بھی کم GET UP کے ساتھ ساتھ۔ غزلوں اور نظموں کا مجموعہ پھولوں کی سیج کی طرح۔

بہر حال کچھ بھی ہو۔ آپ کی شاعری گلِ تازہ ہی سے شروع ہوئی انشاء اللہ اسریٰ کی تعلیم کے بعد جب میں پھر دوبارہ حیدر آباد میں رہنے لگوں گی تب گل تازہ دیوان کی شکل میں دوسرے ایڈیشن کے طور پر چھپے گا۔ خط بہت جلدی میں لکھ رہی ہوں تاکہ جلد پوسٹ ہو سکے۔ میری طرف سے تمام بچوں کو دعائیں۔ آپا کو سلام کہنا۔ اب کے میرا قیام حیدر آباد میں زیادہ رہے گا انشاء اللہ آپا سے ضرور ملوں گی۔ اسماء سے کبھی کبھار بات کریں۔

●

● نیئر بھائی ۔ آداب عرض ہے

ساتھ ہی عید کی مبارک باد بھی قبول کریں۔ آپ کا خط مجھے مل گیا تھا آپا کی خدمت میں بھی میری طرف سے مبارکباد پیش کریں۔ تمام بچوں کے لئے دعائیں اور نیک تمنائیں۔

عارف کیسے ہیں اس کے پاس سے خطوط آ رہے ہوں گے ۷، ۸ دن پہلے فیروز دوحہ سے آئے ۔ بتا رہے تھے کہ عارف ٹھیک ہیں اور صحت بھی اچھی ہے آپ اور آپا فکر نہ کریں۔

ع آئینہ گرا تو نہیں پھر یہ بال کہاں سے آ گیا

کچھ اس طرح کا ہے مجھے آپ کا یہ شعر پسند آیا۔ اس کی غزل بتا رکھئے انشاء اللہ ۲۸ جولائی کی رات بنگلور سے نکل کر ۲۹ کو حیدرآباد آ رہی ہوں کیونکہ اسریٰ کا امتحان آج ختم ہو گا۔ حیدرآباد آنے کی بے چینی اس لئے بھی ہے کہ وہاں صمد کو امریکہ سے آئے ہوئے ۱۵ دن ہو گئے۔ الطاف اور اسماء یہاں عید کے لئے آئے تھے الطاف یہاں پر تھے تو گھر میں رونق تھی آپ بھی بنگلور آئیں یا پھر خاص طور پر پروگرام بنائیں اور یہاں رہیں مجھے خوشی ہو گی۔

آپ کی شکایت سر آنکھوں پہ آپ کا ایک خط جس میں لکھا ہوا ہے کہ "مجھے فرصت کہاں جو میں آپ کو خط لکھوں" مجھے خط لکھتے

آپ کو فرصت نہیں۔ صرف وہ خط رکھ کر باقی ماندہ تمام خطوط میں عارف کو دے کر آئی ہوں۔ صرف آپ کے خطوط عارف کو دی ہوں کیونکہ آپ حیدرآباد کے ایک لٹریری شخصیت ہیں جس پر مجھے ناز ہے۔ لیکن ساتھ میں تھوڑی عقل کم ہے۔ جس کے لئے مجھے کڑھنا پڑتا ہے ٹھیک ہے ویسے جلد انشاءاللہ ۲۹ تاریخ کو ملاقات ہوگی میں فون وغیرہ نہیں کروں گی آپ خود مجھ سے ملنے چلے آئیں۔ کچھ اچھے شعر جو مجھے پسند آئے لکھ رہی ہوں۔ ع اشعار میرے یوں تو زمانے کے لئے ہیں
کچھ شعر فقط اُن کو سنانے کے لئے ہیں
(جاں نثار اختر)

ٹک دیر جو آجانے میں جاناں نے لگا دی

یہ پوری غزل بہت اچھی ہے میں حیدرآباد میں آپ کو سناؤں گی۔ ٹک کا استعمال میر اور مصحفی کے بعد آج کانوں کو مجھے بہت اچھا لگا۔ آپ استعمال کریں۔

لاکھوں پروانے جلے راز یہ پانے کے لئے
شمع جلنے کے لئے ہے یا جلانے کے لئے

آپ تو غیروں کی بات کرتے ہیں
ہم تو اپنوں کو آزمائے ہیں

تمام اشعار میں باتیں سیدھی سادھی ہیں لیکن خوب ہیں
آپ کو پسند آئیں گے۔
آپ نے دو مرتبہ صدارت کی دعوت دی۔ اُردو کے لئے
مجھے معذرت کہنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔ پتہ نہیں عظمت آپا کیا خیال
کیجئے ہوں گے۔ لیکن میں بنگلور کے لئے نکل رہی تھی اِس لئے
مجبوری تھی۔ خدا حافظ آپ کی بہن
صالحہ الطاف

● نیّر بھائی - اسلام علیکم
ماضی کی چند بھولی بسری یادوں کا عکس زمانۂ حال کے
آئینہ میں دیکھ کر ایک آہ بھرنے کو جی چاہتا ہے۔
"خاتونِ دکن" میرے لئے دبستان اور گلستاں کے مترادف
تھا جس کو گل ہائے گوناں گوں کا گلدستہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔
جس میں "گلِ تازہ" کی جھلک بھی شامل ہے مضامین، غزلوں
نظموں، افسانوں، ڈراموں کی چھان بین ـــ مگر بادلی کا گھر
آپ کو خط لکھنے ہوئے۔ وہ تمام باتیں یاد آرہی ہیں۔ آج
وہ نقوش مٹتے جارہے ہیں۔ بعض وقت افسوس ہوتا ہے
سرزمین دکن کو چھوڑ کر میں کہاں آگئی۔
پھر اپنے آپ کو تسکین دے لیتی ہوں کہ فرض کو میں نبھا رہی

ہوں۔ الطاف اگر بہت بندھانا چھوڑ دیں تو آپ سمجھیں میں کبھی کی ٹوٹ چکی تھی۔

الطاف اور اسماء قریب ہوتے ہوئے بھی مجھ سے اور اسریٰ سے دور۔ اسماء، الطاف کئی وقت بہت بیمار رہے۔ ادیس الطاف، رخسانہ اختر تمام فون پر بات کر لیتے ہیں اس لئے خط لکھنے کی عادت ہی چھوٹ گئی۔ ادیب مشرقی جیسے کتنے بے ربط سے جملے ہیں آپ کو شکایت ہیں خط نہیں لکھتی۔ لکھنے کی عادت ہی چھوٹ چکی ہے خیر بتلائیے۔ نئی غزلیں آپ نے کتنی کہیں، سرزمین دکن کے ادبی ماحول کا کیا حال ہے۔ کبھی کبھار الطاف اور اسماء کو فون کر کے خیریت معلوم کریں۔ رخسانہ سے بات کرتے رہیں۔ اسریٰ کا امتحان جنوری ۱۵ سے شروع ہے انشاء اللہ میں فروری میں کچھ دنوں کے لئے آؤں گی۔ اس زمین میں شاید آپ کی ایک غزل ہے جس میں آخر "یخفر مجھے اس طرح یاد پڑتا ہے۔ کچھ مصرعے ہیں اِن پر غزل کہیئے اگر غزل ہو جائے تو مجھے بھیجوا دیں

کون آیا ہے میرے زخم کا مرہم لے کر

یوں دل میں تیری یاد کی شبنم ٹپکی

آہ کیوں ٹوٹ گئی دل کی جھلکتی گاگر

زیرِ لب سب نے تیرا نام لیا ہے اکثر

غیر تو غیر تھے اپنوں نے بھی مارے پتھر
آپا کو سلام کہنا ۔ آپ کی صالحہ الطاف

عنبر بھائی اسلام علیکم
آپ سے بات بھی نہ ہو سکی اور ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ نکلنے سے پہلے ۵، ٦ مرتبہ عارف سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن بات نہ ہو سکی۔ ہمارا بھروسہ صرف باری تعالیٰ پر ہے۔ انشاء اللہ عارف ہمارا خط ملنے تک آپ کو خوشخبری سنائیں گے۔ رخسانہ سے بات ہو تو کہہ دینا۔ بمبئی میں مسلسل بارش رہی جس کی وجہ سے الطاف کو COLD ہو گیا۔ دعا کریں کہ جہاز کا سفر اچھا گذرے تمام کو میری طرف سے دعائیں کہنا۔ عارف کو خط لکھنے کہنا۔
خدا حافظ ۔ آپ کی بہن صالحہ الطاف

•

مکرمی و محترمی جناب غلام یزدانی صاحب ایڈوکیٹ

السلام علیکم

آپ نے اپنے حالیہ بیان "مسلمان اپنے اختلافات ختم کردیں" اتحاد وقت کی اہم ضرورت کے تحت اپنے دل کی گہرائیوں سے ملت کا درد رکھتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے میں سمجھتی ہوں کہ ہماری موجودہ انتشار سے دوچار اُمت کو ایک لڑی میں پرونے والی بات بہت اہم ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی بات اُمت کے ہر فرد کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اسی اجلاس میں آپ نے میری ناچیز کوشش "آؤ اقبال سے ملیں" کو باعثِ افتخار سمجھا۔ یہ میرے لئے بڑا اعزاز ہے۔

بقول آپ کے اقبال شناسی کے مختلف پہلوؤں پر ہر دور میں ضخیم کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ لیکن نئی نسل اس سے ناآشنا ہے اس شدتِ احساس نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب

لکھنے پر مجبور کیا تاکہ نئی نسل کو اقبال کی کاوشوں سے روشناس کیا جاسکے۔

مجھے یقین ہے آپ جیسے نباضِ ملت کی توجہ دہانی سے یہ میری کوشش نوجوانوں میں پہنچے۔ بھائی ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی کی ممنون و مشکور رہوں کہ انہوں نے میری اس کوشش کو ایک اچھی سی کتاب کی تزئین میں میری رہنمائی کی اور بارِ اشاعت کے مراحل کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

طالبِ دعا صالحہ الطاف

۲۳ جولائی سنہ ۱۹۹۹ء

▲ محترمہ بہن ناصرہ صاحبہ

السلام علیکم — آپ کا اخلاص نامہ ملا۔

صحت کی خرابی کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ کا قابلِ قدر تبصرہ پڑھ کر مجھے بےحد خوشی ہوئی۔ میں آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے کتاب پڑھی اور اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کیا۔ تبصرہ پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ آپ کی دُور رس نگاہ کافی گہری ہے اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔

"ڈاکٹر اقبال سے ملیں" ایک چھوٹی مختصر سی کتاب ہے جو اقبال کے شایانِ شان نہیں ہے علامہ اقبال کے فکر کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔

کلام سے علم و حقیقت کے چشمے پھوٹتے ہیں چونکہ یہ کتاب بچوں کے
لئے لکھی گئی ہے بچوں کے ذہنی نشو و نما اور ان کے ادبی ذوق
کی رہنمائی اقبال کی آہ سحرگاہی اور نوجوانوں کے لئے اُن کی نورِ بصیرت کی
تمنا اسی کو موضوع بنا کر یہ کتاب لکھی گئی ہے تاکہ معصوم ذہنوں میں اقبال
کا پیکر ڈھل جائے اس میں، میں کہاں تک کامیاب ہوں یہ تو آپ
جیسے قارئین ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ شاکرہ آپا سے ملاقات ہو تو
میرا سلام کہیئے۔ خط ملنے پر فون سے اطلاع دیں۔ شکریہ

خدا حافظ۔ صالحہ الطاف ۳۰ر نومبر ۱۹۹۹ء

سید الطاف حسین

چند نامکمل یادیں

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک بندہ کو ایک دوسرے کی زندگی کی تکمیل کے لیے بنایا ہے۔ ایک دوسرے کے لیے جوڑے بنائے اور اپنے بندوں کو ازدواجی بندھن میں باندھنے اور ان کے لیے آپسی تعاون اور ذمہ داری کے احساس کو مستقل صورت دے دی۔ یہی بندھن زندگی کے نشیب و فراز سے گذرتا ہے اور انسان کی اپنی زندگی اور نونہالوں کی پرورش کے لیے منشائے ایزدی کے سانچہ میں ڈھلتا ہے۔ صالحہ سے میری شادی 8-3-1959 میں ہوئی۔ وہ اکتالیس سال ایکماہ چھ دن میرے ساتھ زندگی کے سفر میں شریک رہیں۔ زندگی کے اس طویل سفر میں وہ بے نیازانہ و قلندرانہ زندگی کا نمونہ بنی رہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر میری مشیر، میری رہنما کی حیثیت سے اپنے فرائض بڑے اہتمام کے ساتھ انجام دیتی رہیں۔ میرے مختلف کاروبار چاہے وہ کتہ داری کے کاروبار ہوں کہ معدنیات اور اکسپورٹ کے کاروبار ہوں، بیرونی ممالک کے دورے ہوں کہ حج و عمرے کی سعادتیں ہوں وہ ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ رہیں

بچوں کی تعلیم و تربیت، اپنے ہوں یا عزیزوں کے یا ملازمین کے بچے ہوں
گھر پر کام میں ہاتھ بٹانے والے ملازمین سب میں یکساں دلچسپی لیتی تھیں
ان میں محنت کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ چالیس سالہ رفاقت میں کبھی
بھی کوئی فرمائش خود کے لیئے کم کیں دوسروں کی فرمائش کے لیئے بضد رہیں
میرے دوحہ قطر میں قیام کے زمانے میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالیں اور اس
کی نگران کار رہیں۔ صالحہ نے زبان و ادب کی خدمت کے لیئے ایک عمدہ
ادبی رسالہ ماہنامہ "خاتونِ دکن" کے نام سے شروع کیا جو بارہ سال تک جاری
رہا اور خود اپنے زرِ خاص سے رسالہ شائع کرتی رہیں۔ دوحہ میں میرے
ساتھ رہنے کے لیئے پرچے کی اشاعت روک دینی پڑی۔ بچوں کی تربیت
کے دوران ایک قابلِ احترام شخصیت مولوی رقیب صاحب کی نگرانی میں
درسِ قرآن و حدیث کا انتظام کیا اور خود بھی بڑے اہتمام کے ساتھ درس و
تدریس کی محفل میں شریک ہوتیں۔ بچیوں کے ساتھیوں کو بھی اس درس
میں شرکت کی دعوت دیتیں۔ اس طرح بچوں کی تربیت میں خاص دلچسپی
لیتیں میرے مختلف قسم کے کاروبار میں میرے ساتھ مشیر کی حیثیت سے
میری رہنمائی کرتی رہیں۔ مجھ سے وابستہ تمام لوگوں، رشتہ داروں وغیرہ
سے انتہائی خلوص سے پیش آتیں۔ ہر ایک کی مدد کے لیئے پیش پیش رہتیں
اور سبھوں کے حقوق کی ادائیگی کا خاص خیال رکھتیں۔ اپنے رشتہ داروں
کی کیفیت لیتیں اور بذاتِ خود ان کے گھروں پر جاتی تھیں، مرحومین کے لیئے

ایصال ثواب کا اہتمام کرتی تھیں۔ ہر ایک کے لئے دعا کرتیں۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتیں اور کلام اللہ کا ورد ہمیشہ جاری رکھتی تھیں۔ یہ چند خصوصیات تھیں جن پر آخری دم تک قائم رہیں۔ مختلف مشکل سے مشکل کاروبار میں میں نے قدم رکھا وہ ہر وقت، ہر مرحلے میں میرے ساتھ تھیں اور ہمت باندھتی تھیں، امریکہ ہو کر یورپ عمرے و حج کے سفر میں ہم دونوں ساتھ ساتھ رہے۔ وہ اپنا سفر نامہ لکھا کرتی تھیں۔ ملک کی آزادی کے سورماؤں و شہداء کا اکثر ذکر کرتیں اور ان کے تعلق سے مواد اکٹھا کرنا ان کا مشغلہ تھا ٹیپو سلطانؒ اور شہنشاہ ظفرؔ کے کارناموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ بہترین کتابیں جمع کرنا اور مطالعہ جاری رکھنا خاص مشغلہ تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھتے تھے ایک دوسرے کی مدد کرنا اپنا وتیرہ و فرضِ عین سمجھتے تھے۔ حتی المقدور وہ دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتیں وہ نام و نمود کی سختی سے مخالف تھیں۔ ان کی طبیعت میں گہرائی تھی حد سے زیادہ مسکرانا اور چہرے پر طمانیت کی دلدادہ تھیں لیکن وہ اپنی خفگی کا کسی کو بھی احساس نہ ہونے دیتیں تھیں۔ بناؤ سنگھار کی ایک قلیل حد مقرر تھی ہر تقریب میں شرکت کرنے کا ایک خاص انداز ہوتا تھا۔ پُر وقار خاموش طبیعت کی مالک تھیں۔ اُن کی یہی خصوصیات ہر ملنے والے کے دل پر گہرے نقوش چھوڑتی تھیں۔ اپنی اس طویل زندگی کا

ایک ایک پل میرے احساسات و جذبات کا آئینہ دار ہے۔ صالحہ کی محبت اور اُن کی مجھ سے والہانہ وابستگی کے اظہار کے لیئے الفاظ نہیں ملتے۔ خدائے پاک سے میری یہی دُعا ہے کہ وہ صالحہ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر اختر سلطانہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے؟

کہتے ہیں کہ آسمان، چاند، ستارے، سورج سب بے حس ہوتے ہیں نہیں سورج تو بے حس نہیں ـــ اس نے تو میرے غم کا احساس کیا تھا اور اس کو محسوس کرتے ہوئے اس دن اس نے پورے آسمان پر شفق رنگ انڈیل کر اسے سرخ بنا دیا تھا۔ جب کہ میرے ابا اِس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

رات، دن پر اپنی چادر ضرور ڈالتی ہے کیونکہ شام کے بعد تو رات ہی آتی ہے ـــ رات آتی ہے تو اپنی چادر میں بہت سارے ستارے بھی سمیٹ لاتی ہے جو یکایک چمک کر سارے آسمان کو روشن کر دیتے ہیں۔ اِن میں سے کچھ ٹوٹتے بھی ہیں۔ ان کا ٹوٹنا برحق ہے۔ وہ پھر کبھی آسمان پر نظر نہیں آئیں گے۔ میری امی نے جب زندگی کی آخری سانس لی تھی تو ایک بڑا سا تارا ٹوٹا تھا۔ کیا اِن دونوں حادثات کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق تھا ـــ؟ موت بھی برحق اور ستاروں کا ٹوٹنا بھی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ زندگی میں کچھ بھی نہیں رہ گیا۔ راتیں اور دن بوجھل قدموں سے اپنے آپ کو گھسیٹتے رہے اور جب وقت کی رفتار تیز ہوئی تو ہم سب زندگی کی راہوں پر بکھر گئے۔ اور صورتیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

میری چھوٹی بہن صبیحہ۔ جب وہ امریکہ سے آئی تو کینسر جیسے موذی اور مہلک مرض میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اس کی زندگی کے صرف تین ماہ باقی رہ گئے تھے اس آنے والی حقیقت سے وہ لاعلم تھی۔ میں اس کی جدائی پر کیوں نہ روؤں ـــ؟ اس کی عمر مرنے کی تو نہ تھی۔ اپنی پلکوں تک آنے والے آنسوؤں کو روکنا چاہتی ہوں کہ وہ بہنے نہ پائیں۔ مگر اس کی یاد کے ساتھ دل میں اٹھنے والی طغیانی ہر بند کو توڑے ڈالتی ہے۔ اُس رات ـــ کیا اندھیرا تھا ـــ؟ ہر رات اتنی تاریک تو نہیں ہوتی۔ حالانکہ اُس رات چاند کو نکلنا تھا شاید اُسے بھی اس کا علم ہو چکا تھا کہ کوئی رخصت ہو رہا ہے اور اُس نے اپنے آپ کو بادلوں میں چھپا لیا تھا۔ پوری فضا پر سناٹا طاری تھا ـــ جیسے وقت تھم سا گیا ہو ـــ اور وہ منظر میری آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے قید ہو چکا ہے جبکہ اس کی آتی جاتی سانسیں اس کے سینے میں اُلجھنے لگی تھیں اور وہ ہمیں تین گھنٹوں سے قبل ہی داغ مفارقت دے گئی تھی اس دنیا کے لیے اُس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ ہمارے دل تیزی سے

دھڑک اٹھے تھے اور ان سوالات نے ذہن میں شور سا برپا کر دیا تھا کیا زندگی سفر ہے۔ اور منزل موت ـــــ ؟ تو پھر انتہا کیا ہے ـــــ ؟ کیا معت سے ہمکنار ہو کر وہ اس حقیقت کو جان چکی ہے ایک لمحہ قبل جو اس دنیا میں تھی، اور دوسرے پل وہ اس دنیا کے سفر پر روانہ ہو گئی۔

اور تب احساس ہوا کہ انسان کی زندگی ایک سفر مسلسل ہے اور وقت کی رو تیز ـــــ انجانی راہیں آگے پھیلی رہتی ہیں جس پر وہ رواں رہتا ہے۔ وجود تھکتا ہے تو ہمیشہ کے لئے سو جاتا ہے وقت جب بھی ماضی میں پرواز کرتا ہے تو نہ جانے کیوں اس کی گردش میں گم ہو جاتا ہے ـــــ ؟

میرے ابا۔ میرے چچا۔ میرے ماموں اور میرے کزنس سب تعلیم یافتہ تھے گھر کی خواتین نے اسکولوں کی صورت نہیں دیکھی تھی لیکن پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ گھر پر نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی تھی جس میں نیچے بڑے سب ہی شریک ہوتے تھے۔ صبح آنکھ کھلتی تو امی کی دلکش شیریں اور سریلی آواز سنائی دیتی جو بڑی ہی خوش الحانی سے کلام پاک کی تلاوت کیا کرتیں۔ میں اور باجی (صالحہ الطاف) دونوں کوشش کرتے کہ ان کی طرح قرآن مجید کی آیات کو دہرائیں لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ باجی کو بچپن میں ڈپٹھیر یا ہوا تھا اس کے بعد ان کی آواز

بڑی آہستہ اور باریک سی ہوگئی تھی۔ وہ کسی کے سلام کا جواب بھی دیتیں تو اس قدر آہستہ کہ صرف ہونٹ ہلتے نظر آتے اور میری آواز کوئی خاص نہیں تھی۔

دادی اماں کے پاس ایک ہزار دانوں کی بڑی سی تسبیح تھی۔ ان کے ہاتھ اس کے دانوں پر محو گردش رہتے۔ ہم دونوں ان کے نزدیک بیٹھ کر یوں ہی دانوں کو "اللہ" اور "بسم اللہ" کے الفاظ کے ساتھ نیچے گراتے رہتے۔ ہمارا زیادہ وقت ان کے پاس گزرتا تھا کیونکہ وہ ہمیں انبیاء کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔

اور مجھے وہ سارے اپنے یاد آتے ہیں جو اس گھر میں رہتے تھے جس کا نام "محمود منزل" تھا اور وہ "بڑا گھر" کہلاتا تھا جس میں دو دالان، کئی کمرے اور ایک بڑا سا آنگن بھی تھا۔ جہاں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی بڑی سی انگور کی بیل تھی جس پر انگور کے موسم میں ہرے ہرے عنب شاہی انگوروں کے لٹکتے ہوئے خوشے بڑے ہی خوبصورت دکھائی دیتے۔ جن کو کھانے کے لئے صبح صبح زیادہ تر بلبلیں، طوطے اور دوسری چھوٹی چڑیاں آتی تھیں جن کی چہکاریں بڑی بھلی معلوم ہوتیں۔ باجی آنگن میں آنے والی اس چھوٹی پر چپ چاپ بیٹھی انھیں دیکھا کرتیں۔ وہ انھیں اڑاتی نہیں تھیں۔ کوئی نئی چڑیا آتی تو مجھے بلا کر ضرور دکھاتی تھیں۔

نیلا کھلا آسمان، شفق کی سرخیاں، طلوع اور غروب ہوتا ہوا
آفتاب۔ تاروں بھرا آسمان۔ زمین کی ہر شئے پر چاندنی بکھیرتا مہتاب
سرسبز و شاداب دھان کے کھیت، رنگ برنگے پھولوں سے لدے
پیڑ پودے۔ دور تک پھیلا ہوا نیلا پانی۔ یہ وہ قدرتی مناظر تھے جن کو
دیکھ کر وہ لطف اندوز ہوتیں۔ بصری لذتیں جب بھی جہاں بھی ملتیں وہ
انھیں رگ و پے میں اتار لیتی تھیں۔

دالان کے اونچے چبوترے سے لگا۔ چنبیلی کا منڈوا تھا موسم بہار
کے اوائل میں اس پر ڈھیروں سفید پھول کھلتے۔ شام میں سفید اور گلابی
لمبی لمبی کلیاں ہرے ہرے پتوں سے جھانکتی رہتیں۔ اور صبح میں منڈوے
تلے سفید سفید کھلے ہوئے پھولوں کی چادر بچھی نظر آتی۔ جہاں تک میرے
ہاتھ پہونچتے۔ میں کچھ کلیاں توڑ کر پرونے کے بعد اپنے بالوں میں لگا لیتی تھی
باجی کو گجرا بنا کر دیتی تو وہ اسے ہاتھ پر باندھ لیتی تھیں اور وقفہ وقفہ سے
سونگھتی رہتی تھیں۔ ان کے بال لانبے، گھنے، گہرے چاکلیٹی رنگ کے جو
کمر سے کافی نیچے تک پہونچتے تھے۔ وہ سیدھی مانگ نکالتی تھیں۔
پھولوں میں گلابی رنگ کے دیسی گلاب، چنبیلی۔ موتیا۔ جوہی۔ اور ہار
سنگھار۔ انھیں بہت پسند تھے۔ موسم گرما میں جب آنگن میں پلنگ بچھتے
تو رات میں باہر سے آنے والے کوئی بھائی۔ چاچا۔ ماموں۔ موتیا کے پھول
ضرور لاتے تھے جن کو وہ سب کے بستروں پر ڈال کر کچھ اپنے سرہانے بھی رکھ

لیا کرتیں۔ انھیں کھلے آسمان کے نیچے بڑے سے چاند اور ان گنت ستاروں کو دیکھتے ہوئے سونا بہت پسند تھا۔

آنگن میں امرود کے دو بڑے پیڑ بھی تھے۔ میری اکثر دوپہریں ان کے اوپر گزرتیں۔ لیکن وہ درخت پر کبھی نہیں چڑھتی تھیں۔ گھر سے باہر وسیع کھلا میدان تھا۔ ہم وہاں سائیکل چلاتے یا کھیلتے رہتے تھے۔ بھاگ دوڑ کے کھیل انھیں پسند نہیں تھے۔ گڑیوں اور کھلونوں سے بھی انھیں کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ جب ہم چور، چور، چار پتھر، آنکھ مچولی، لکڑی پاشا اور گھڑیال وغیرہ جیسے کھیل کھیلتے تو وہ پتھر کی بنی ہوئی باؤلی کی گگر پر بیٹھے ہوئے ریفری کے فرائض انجام دیتیں میدان سے لگے گھروں میں قریبی افرادِ خاندان ہی رہتے تھے۔ اس لیئے باہر ہم عمر بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ کھیلنے میں ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ میدان میں بکھری ہوئی ٹوٹی چوڑیوں کے رنگ برنگے ٹکڑے جمع کرنا بھی ہم دونوں کا محبوب مشغلہ تھا "سونا بائی" نامی چوڑیوں کے سہرے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے سروں کو ہم موم بتی پر گرم کر کے جوڑتے اور بڑی سی جھالر بنا کر دروازوں اور دالان میں ٹانگ دیتے تھے۔

گھر کے بیرونی دیوان خانے میں کتابوں کی الماریاں تھیں جن کے نیچے مشہور و معروف "مگر کی باؤلی" تھی جو پاٹ دی گئی تھی۔ شاید ایک سال بارش بہت زیادہ ہوتی تھی۔ الماریوں میں رکھی ہوئی بہت

سی خوبصورت رنگ برنگی مجلد کتابیں نم ہوگئیں تھیں۔ جنھیں دھوپ دکھانے کے لئے آنگن میں پھیلا کر رکھا گیا تھا جو زیادہ بھیگ گئی تھیں وہ ردی کے نذر ہونے والی تھیں۔ میں اور باجی نے دادی اماں سے اجازت لے کر تین چار خوبصورت فیروزی اور چاکلیٹی رنگ کی موٹی مجلد کتابیں لے لی تھیں۔ ان کے نام سنہری حرفوں میں تحریر تھے تین علامہ اقبال کے دیوان تھے۔ زبورِ عجم۔ پیامِ مشرق اور ضربِ کلیم اور دیوانِ غالب مرقع چغتائی کے ساتھ۔ ان کتابوں میں کیا لکھا تھا۔ اس کا ہم کو علم نہیں تھا کیونکہ ہم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ جب پڑھنے کے کچھ قابل ہوئے تب بھی یہ کتابیں ہم دونوں کی سمجھ سے بالاتر ہی رہیں۔ کیونکہ وہ فارسی اور دقیق اردو میں تھیں۔ یہ کتابیں آج بھی باجی کی الماری میں محفوظ رکھی ہوئی ہیں۔

یادیں جو کوئی مفہوم نہیں رکھتیں۔ پھر بھی زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملاتے چلتی رہتی ہیں۔ ماضی کی یادوں کے تُند ریلے مجھے پھر بہائے لے جا رہے ہیں۔ کتابیں پڑھنے کی وہ بھی شوقین تھیں اور میں بھی شائق۔ جب ہم اسکول جانے اور کچھ پڑھنے کے قابل ہوئے تو اسکول کی سہیلیوں کے پاس اگر کوئی نئی کتاب نظر آتی تو اس کو ایک آدھ دن کے لئے مانگ لاتے۔ ہم دونوں بستر پر اُلٹے لیٹ جاتے۔ کتاب سامنے کھلی رہتی۔ ایک صفحہ وہ پڑھتیں اور دوسرا میں

ناولیں اور افسانے پڑھنے کا شوق اسی زمانے کی دین ہے۔ ایک رات ہم دونوں چھوٹے سے نائٹ بلب کی روشنی میں اے آر خاتون کی لکھی ہوئی ناول "افشاں" پڑھ رہے تھے۔ ابا کمرے میں آگئے۔ ہم دونوں گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پوچھا کہ کیا پڑھ رہی ہو؟" اتنی کم روشنی میں ۔۔۔!! آنکھیں خراب کر لو گی۔ کتاب لے کر دیکھی اور کہا کہ دن میں بھی تو پڑھ سکتی ہو۔ میں نے بتایا کہ کتاب کل واپس کر دینی ہے۔ تو دوسرے ہی دن ڈپٹی نذیر احمد کی تحریر کردہ کتابوں کا پورا سیٹ۔ شوکت تھانوی اور عظیم بیگ چغتائی کے مزاحیہ ناول۔ حجاب امتیاز علی کی "ظالم محبت" اور اس کے ساتھ سیرت النبی۔ عمر فاروق اعظم، حیات ابوبکر صدیق وغیرہ وغیرہ منگوا دیں۔ ہم دونوں کی تو عید ہوگئی۔ یہ تمام کتابیں کافی عرصہ تک میرے پاس محفوظ رہیں۔ ابا کام کے سلسلے میں زیادہ تر وارسی میں رہتے تھے جب بھی حیدرآباد آتے۔ ریلوے کے بک اسٹالوں سے نئے نئے رسالے۔ جن میں زیادہ تر نگار۔ ادب لطیف۔ سویرا۔ ساقی وغیرہ ہوتے اور اچھی اچھی کتابیں ضرور لاتے تھے۔ "شمع" ہم حیدرآباد کے کسی بک اسٹال سے خرید کر پڑھتے تھے۔

ہم پانچ بہنوں میں سے دو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی ہیں۔ میں تلخ یادوں سے فرار چاہتی ہوں۔ دل کہتا ہے کہ ماضی کے دروازوں کو بند کر لو۔ لیکن یادوں سے کس نے اور کب چھٹکارا پایا ہے۔؟ گزرے

ہوئے دن رات اور ان کی یاد میں زندگی کی مصروفیات میں ڈوبے رہنے کے باوجود۔ وقت کی دھند کو پرے ہٹا کر اُبھر ابھر کر سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔ کیا دل کا کوئی گھر ہوتا ہے۔؟ کیا اس کے بھی کوئی مکین ہوتے ہیں ۔؟ ہاں! ہوتے ہوں گے۔ تب ہی تو دل میں کبھی کبھی شور سا برپا ہو جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اندر کوئی دیوار گری ہے۔

اگست اور ستمبر کے مہینوں میں جب کہ تین تین چار چار دن تک موسلادھار بارش ہوتی تو بنگلے سے اترنے والے زینے کے نیچے کی چھوٹی سی گلی میں پانی جمع ہو کر نہر کی شکل اختیار کر جاتا۔ جس کا پانی ایک نالی کے ذریعہ آنگن میں بہہ کر آتا تھا۔ میں اور میرا چھوٹا بھائی محمود ہم دونوں کو باجی کاغذ کی کشتیاں بنا کر دیتی جاتیں جن کو ہم گلی کے جمع شدہ پانی میں چھوڑتے اور بھاگ کر دالان میں جاتے اور دیکھتے کہ کس کی کشتی پہلے تیر کر آنگن تک آئی ہے۔ کاغذوں سے ORAGAMI کے مختلف ڈیزائنوں کی کشتیاں، مچھلیاں، چڑیاں، پنکھے اور جھولے وغیرہ بنانا ہم نے اُن ہی سے سیکھا تھا۔ بارش جب رکنے کا نام ہی نہ لیتی تو دادی اماں کہتیں ایک سفید کپڑے کی دھجی، جبیلی کی بیل میں باندھ دو۔ بارش رک جائے گی اور باجی بڑے اہتمام اور عقیدے سے نماز کی اوڑھنی سے سر ڈھانک کر بارش میں بھیگتے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے کو بیل میں باندھ آتیں۔ نہ جانے یہ کیا عقیدہ تھا۔؟

اور یوں ہوتا تھا کہ بارش جلد رک بھی جاتی تھی۔

ہم بہنوں اور بھائیوں میں حامد سب سے چھوٹا تھا۔ وہ اس سے بے حد پیار کرتی تھیں۔ گھنٹوں اس سے کھیلتیں جیسے بالکل اس کی ہم عمر ہوں۔ اسے اچھے اچھے اشعار اور اقبال کی دعا (لب پہ آتی ہے دعا) انہوں نے ہی یاد دلائی تھی۔ ظفر، غالب، اقبال اور فیض ان کے پسندیدہ شعراء تھے۔ ادیبوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، نیاز فتح پوری، سلیمان ندوی، رشید احمد صدیقی، طفیل احمد وغیرہ پسند تھے۔ فیملی کے دوسرے بچے انھیں کوئی یاد کیا ہوا شعر، نظم وغیرہ سناتے تو خوش ہو کر انھیں چاکلیٹ اور چھوٹے چھوٹے تحائف دیا کرتیں۔ کوئی بچہ اگر بیمار پڑ جاتا، کہیں سے گر جاتا، یا کسی بچے کے رونے کی آواز سنتیں تو بہت زیادہ پریشان ہو جاتی تھیں۔

رات میں بڑے دالان میں لمبا پیلے رنگ کا دسترخوان بچھایا جاتا۔ جس پر ہر ایک گز کے بعد یہ شعر تحریر رہتا تھا "شکر بجا آر کہ مہمان تو۔ روزی خود می خورد از خوان تو"۔

وہ بچوں سے کہتی تھیں کہ دسترخوان پر ادب سے سیدھا بیٹھیں۔ کھانا کھاتے ہوئے منہ سے آواز نہ نکلنے دیں۔ پلیٹ کے اطراف کھانے کے دانے گرنے نہ دیں۔ پلیٹ پوری خالی کر کے اٹھیں چھوڑا ہوا کھانا شیطان کا نوالہ ہوتا ہے۔ پلیٹ اس طرح صاف

کریں جیسے جنت میں جھاڑو دے رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بچوں سے بہت خوش ہوتا ہے اور انھیں کھانے کی بہت سی اچھی اچھی چیزیں عطا کرتا ہے۔ وہ کسی کو ڈراتی نہیں تھیں۔ لیکن بچوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کا کہنا نہ مانیں اور وہ انھیں امی کے پاندان میں سے سونف اور مصری نکال کر دیتی تھیں۔ جو دالان میں تخت پر رکھا رہتا تھا۔

وقت آنکھوں کے سامنے تو گزر جاتا ہے۔ لیکن ذہن سے نہیں بچپن ہماری زندگی کا بڑا پُر لطف اور شگفتہ ترین دور تھا خواب ناک اور چنبیلی کے پھولوں جیسا نازک۔ جس میں ابا کی شفقت اور امی کی محبت بھری آغوش میں آسودگی اور حفاظت کا احساس تھا۔ وہ دونوں زیادہ تر بیمار رہتے تھے ان کے سایہ میں ہم بہت دنوں تک بے خوف زندگی نہیں گزار سکے۔ وہ دونوں ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے یہ باجی ہی تھیں۔ جو ایک ماں۔ ایک بڑی بہن۔ ایک دوست بن کر ان دونوں کی کمی کو کبھی محسوس نہ ہونے دیا۔ امی کا نام محبوب بیگم تھا ابا نے شادی کے بعد انھیں "بلقیس زمانی" کا نام دیا تھا۔ اور باجی ان کی زندگی میں آنے والی دوسری ہستی تھیں۔ وہ انھیں "صالحہ ثانی" کہتے تھے وہ نفاست پسند۔ اعلیٰ ذوق کی حامل۔ خاموش طبع اور کم گو تھیں۔ اپنے خول سے کم ہی باہر آتی تھیں۔ پہلی مرتبہ ان سے ملنے والے انھیں مغرور

سمجھتے۔ لیکن معاملہ بالکل اُلٹ تھا۔ وہ اتنی ہی حساس رحم دل اور ملنسار تھیں۔ کسی مقام پر ایسے ساتھی مل جائے جو ان کی فطرت سے واقف ہوتے تو وہ ان سے محوِ گفتگو ہو جاتیں۔ ورنہ خاموش ہی رہتیں۔ محفلوں سے کتراتی تھیں۔ ان میں مشکل ہی سے ان کا جی لگتا تھا۔ لیکن جب بھی انھیں کہیں مدعو کیا جاتا تو انکار کرنا ان کی سرشت میں داخل نہیں تھا خارجی دنیا کی سرگرمیوں کے ساتھ ان کی ایک اور بھی دنیا تھی۔ تنہائی کی داخلی دنیا ایک وقت تھا جبکہ ان کے تینوں بچے۔ اسریٰ۔ اسماء اور ادریس ان سے دور تھے ان کی جدائی میں وہ تڑپتی رہتیں۔ لیکن کبھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کرتی تھیں۔ اور توجہ مبذول کر لینے کے لئے خود کو لکھنے یا پڑھنے میں مصروف کر لیا کرتیں۔ میں ان سے عمر میں چھوٹی ہوں۔ لیکن ڈگری کورس میں میرا ایک مضمون "اردو لٹریچر" بھی تھا انہوں نے میٹرک کے بعد انگلش میڈیم گریجویشن کی تکمیل کی تھی۔ اس لیے وہ بلا جھجک مجھے اپنے مضامین۔ افسانے۔ ڈرامے جب تک پڑھ کر سنا نہ دیتیں۔ کسی ادبی محفل میں نہیں پڑھتی تھیں۔ نہ شائع کرنے کے لئے بھجواتی تھیں۔

جب بھی میرے اُمیری بہنوں صابرہ، عذرا یا میرے بھائی محمود کے گھر آتیں۔ کسی کی مزاج پرسی کے لئے یا کسی ڈنر یا پارٹی وغیرہ کے سلسلے میں تو چن چن کر بہترین۔ میوہ۔ ترکاریاں۔ مٹھائیاں،

کیک، پیسٹری وغیرہ اچھی دکانوں اور بیکریز سے کافی مقدار میں لیکر آتیں گھر کی کوئی بھی چیز خریدتیں۔ کپڑے۔ برتن یا تحائف وغیرہ۔ سب اعلیٰ معیار کے ہوتے۔

کئی نقش ہیں جو یادوں کو الٹے پاؤں ماضی تک لے جاتے ہیں جس گھر انے میں ہم نے آنکھیں کھولیں۔ وہ باہمی پیار و محبت سے لبریز تھا۔ ادب آرٹ اور موسیقی کے سب دلدادہ تھے۔ ڈرائنگ پینٹنگ اور میوزک باجی کی پسندیدہ ہابیز تھیں۔ گھر پر آئے دن موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتیں۔ بڑے غلام علی خاں کے کلاسکل گانوں کو بہت پسند کرتی تھیں۔ ہارمونیم بجا لیتی تھیں۔ ستار سیکھنے کی خواہش مند تھیں۔ لیکن انھیں اس شوق کو پورا کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ لیکن اپنی چھوٹی لڑکی اسماء کو ستار سکھا کر انھوں نے اپنے اس شوق کی تکمیل کی۔ یہی نہیں وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں۔ اس آرزو کو بھی انھوں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو ڈاکٹر بنا کر پورا کرلیا۔ وہ نامساعد حالات، مشکلات، تکالیف، معاشی، ذہنی اور جسمانی سے کچھ زیادہ ہی دوچار رہیں۔ لیکن اپنی زندگی کے ہم سفر کے ساتھ۔ ان حالات کا بڑی ہی ہمت سے مقابلہ کیا۔ وہ بے انتہا قانع تھیں۔ اور اب جبکہ ان کے تینوں بچے اس قابل ہوئے کہ ماں باپ کو زندگی کا ہر آرام پہنچا سکیں تو وہ انھیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ ان کے لیے سراپا

زندگی تھیں۔ آج ان کے بغیر ان کی دنیا اندھیری ہے۔ ان کا غم۔ ان کے لیئے ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک ہی نہیں تا زندگی رہے گا ان کے دل کے مکین نے گھر کیا چھوڑا۔ ان کے لیئے سارا جہاں ویران ہو گیا۔ گھڑی کے کانٹوں کی حرکت مستقبل کو حال اور حال کو ماضی میں تبدیل کرتی رہے گی۔ اس حادثے کے بعد ہم وہ نہیں رہے جو پہلے تھے ان کی کمی کا احساس ناقابلِ برداشت ہے کاش زندگی کی ساعتوں کو بریک لگایا جا سکتا۔

درختوں میں سے ہوا سرسراتی گزر رہی ہے آم کے درخت بور سے لد چکے ہیں۔ کسی کوئل کی کوک سنائی دیتی اور جب کوئی بچہ ان سے پوچھتا کہ یہ کوئل ایسے کیوں پکار رہی ہے تو وہ اس سے کہتیں وہ اکیلی ہے اور اپنے ساتھی کو بلا رہی ہے ___ اور ان کا ساتھی انھیں پکار پکار کر تھک چکا ہے۔ وہ ایسی گئیں کہ لوٹی ہی نہیں۔ آج کے فلیٹ نما گھروں میں نہ دالان ہیں نہ آنگن جس میں سے کسی اونچے درخت پر بیٹھی کو کنے والی کوئل کو دیکھ سکیں۔ یا بارش کے بعد آسمان پر نکلی ہوئی قوس قزح کے رنگوں سے آنکھیں تراوٹ حاصل کر سکیں۔

جب میں اسپتال پہنچی۔ وہ سارے رنگ جن سے ان کا چہرہ روشن رہتا تھا۔ وہ اڑ چکے تھے ان کا پُرسکون چہرہ مستقل مرگ

اسپتال کی بے داغ سفید چادر کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ جیسے خون کی ایک ایک بوند اس میں سے نکال لی گئی ہو۔ ان کے گورے نرم و نازک ملائم ہاتھ سرد ہو چکے تھے۔ ان کا جسم بے حس و حرکت تھا ان کا شگفتہ بھرا بھرا چہرہ۔ متناسب خط و خال، ستواں ناک گھنی جڑی بھوں، گھنیری پلکیں، بڑی بڑی روشن آنکھیں۔ جن سے محبت کے سوتے پھوٹتے تھے وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور ایسا محسوس ہوا جیسے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا ہو۔ یہ کیسا اندھیرا تھا۔ جس میں روشنی کی ایک بھی کرن نہیں تھی ــــ اور زماں و مکاں کی حدیں ایک دوسرے میں الجھ کر گڈ مڈ ہو گئیں تھیں اور کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں ــ تیز ہواؤں کا شور ــــ اور تیز دھند ہوئے ہولے پھیلنے لگی تھی ــ شاید کوئی تیز و تند موج سب کچھ بہا کر لے جانے کے لئے اٹھی تھی ۔ یا خانۂ دل میں کوئی دیوار گری تھی۔

زندگی کا چراغ ہمیشہ نئے تیل سے جلتا ہے اسے پرانے دور کی حد کہیئے یا نئے دور کا نقطۂ آغاز۔ یہ تو ایک سلسلہ ہے عمل کائنات کا ــ جو ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ لیکن اب ایسا کوئی نہیں آئے گا ــ جس کو ان جیسا کہہ سکیں ــــ

سلطان محمود محی الدین

یادوں کے نقوش

رات جب اپنے پورے سکوت کے ساتھ آتی ہے اور میں سونے کے لئے لیٹتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ، میں نہیں ہوں بلکہ کوئی اور ہے۔ جو بچپن کی تحفظ سے پُر وادیوں میں کھیلتا کودتا، دلچسپیوں سے لطف اندوز ہوتا۔ شرارتوں اور اپنی ہنسانے والی باتوں سے دوسروں کو محظوظ کرواتا اور بے فکری کے گھوڑے بیچ کر سونے والی نیند سوتا تھا۔ راتیں تو جب بھی آتی تھیں اور اب بھی آتی ہیں لیکن اب نیند آتی ہے یہ نہیں آتی کے مصداق آتی ہے۔

جب دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے لطف اندوز ہونے کا وقت آیا تو گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ کاندھوں پر آن پڑا۔ تب نیند کے آنے سے قبل خیالات کی اڑان مستقبل کی طرف ہوتی تھی اور آرزوئیں اور تمنائیں خوابوں میں

حقیقت کا روپ دھار لیتی تھیں لیکن اب تصورات کی جگہ یادوں نے لے لی ہے خیالات کی رَو اب مستقبل کی طرف نہیں ماضی کی طرف بہائے لیئے جاتی ہے۔

ابا بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر گاؤں میں رہتے تھے بچپن کا وہ زمانہ بڑے لاڈ پیار کا زمانہ تھا۔ ابا دالان میں پلنگ والے بڑے جھولے پر خاموشی سے بیٹھے مجھ سے چھوٹی چھوٹی شرارتیں کروایا کرتے۔ کبھی کہتے جاؤ (امّی) (جنھوں نے مجھ کو سنبھالا تھا) کی تھیلی بہت پرانی ہو گئی ہے اُس پر پانی ڈال آؤ۔ تمھاری امی اُن کے لئے نئی سی دیں گی۔ امی کو مشین پر کپڑے سینے کا بڑا شوق تھا وہ اکثر کچھ نہ کچھ سیتی رہتی تھیں۔ تھیلی جب پانی سے بھیگ جاتی تو چونے اور کتھے کے ملے جلے رنگوں سے سفید اور لال تھیلی ہو جاتی تھی اور پھر امتی کے لیئے بازار سے پان کا پورا سامان آجاتا تھا وہ غصہ ہونے کی بجائے مجھے ہزاروں دعائیں دیتیں۔ گاؤں کے گھر میں پانی کی ایک بڑی ٹانکی تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی کبھی ابا کہتے جاؤ چپکے سے نل کھول آؤ۔ آنگن گندہ ہو رہا ہے اور ریلوے کے نل سے گھڑوں میں بھر کر آنے والا پانی میری شرارت کی نذر ہو جاتا۔ امی کو معلوم تھا میں نے یہ حرکت

کسی کے کہنے پر کی ہے وہ ہنس کر خاموش ہو جاتی تھیں اُوپر کی منزل میں چار طویل و عریض کمرے تھے جس میں کررڑ - مونگ پھلی جوار اور چنے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور مجھ سے بڑی بہن اختر آپا اور چھوٹی بہن طیبہ اناج میں اُوپر سے نیچے پھسلتے اور کافی دیر کھیلتے تھے۔ لیکن بڑی باجی ہمارے ساتھ نہ کھیلتی تھیں - پتہ نہیں انھیں ایسے ویسے بے معنی کھیل کھیلنے کیوں پسند نہیں تھا - ہاں تعلیمی تاش "رمی" "نتی" گیارہ بارہ وغیرہ ہمارے اور مہمان آئے ہوئے بھائی بہنوں کے ساتھ ضرور کھیلتی تھیں چھت پر ہم اپنے اُن رشتے کے بھائی بہنوں کے ساتھ خوب دھاچوکڑی مچاتے اس میں بھی وہ کبھی شامل نہیں ہوتی تھیں شاید بڑے ہونے کا احساس اس میں مانع تھا۔ آپا باتیں اتنی اچھی کرتی تھیں کہ ہم گھنٹوں بیٹھے اُن کی باتیں سنا کرتے تھے دونوں چاچا مصطفےٰ کمال مرحوم اور محمد علی عادل چاچا جو بڑے زندہ دل اور بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں خوب لطیفے سناتے اور ہنساتے تھے۔ ادیب چاچا سے ملاقات کم ہوتی تھی وہ رات دیر سے گھر لوٹتے تھے اور صبح ہم اُن کے جاگتے سے پہلے اسکول چلے جاتے تھے

ہمارا حیدرآباد کا گھر پرانی وضع کا کافی وسیع تھا جس

میں رودالان۔ پیش دالان اور کئی کمرے اور ایک بڑا سا آنگن بھی تھا کمرے کسی کے لئے مخصوص نہیں تھے جہاں چاہتے اُٹھتے بیٹھتے، پڑھتے لکھتے اور سوتے تھے لیکن موسم سرما کی ٹھنڈی راتوں میں ایک طویل وسیع وعریض کمرے میں سب کے بستر لگتے۔ چھت جو کو بلو کی تھی اُس میں سے سردی چھنتی تھی اس لئے موسم سرما سے قبل کمرے کی چھت میں سفید چاندنی تان دی جاتی تھی۔ ہم سب بھائی بہنیں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے میں ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ مجھے اپنی بڑی بہن کے بازو سونے کا موقع ملے کیونکہ وہ مجھے بہادر اور بڑے نامور لوگوں کے قصے سنایا کرتی تھیں اور مجھے نڈر، بے باک، بہادر بننے کی تلقین کرتی تھیں۔ بہادر بننے کے شوق میں ایک دن ہم نے جو حماقت کی اُس کا حال سنیئے۔ ہم سب بہنیں اور بھائی فورڈ گاڑی میں اسکول جایا کرتے تھے ایکدن ڈرائیور نہیں آیا تھا اور ساتھ چلنے والا نوکر بھی نہیں تھا باجی نے کہہ دیا کہ اگر کوئی لینے والا نہیں آیا تو کیا آپ خود سے گھر نہیں آسکتے۔ آپ تو بڑے ہو گئے ہیں ــــ یہ بات ہم نے اپنی گرہ میں باندھ لی اور جب اسکول کو چھٹی ہوئی تو پیدل ہی گھر جانے کے لئے نکل پڑے۔ گاڑی اسکول آکر خالی لوٹ گئی۔ گھر کے تمام افراد پریشان ہو گئے

سب مجھے ڈھونڈنے کے لئے نکلے تب میں اپنے بڑے ماموں کو
پیدل نیا پُل کراس کرتا ہوا نظر آیا۔ اُس زمانے میں گو سڑکوں
پر آج کی طرح ٹریفک نہیں ہوتی تھی لیکن پھر بھی تنہا میرا الوین
اسکول سے گھر کی جانب تین میل کا راستہ پیدل چلتے ہوئے
طے کرنا ایک ایڈو ینچر سے کم نہ تھا باجی نے جو کچھ دیا تھا وہ اپنے
کئے پر لے حد پریشان تھیں میرے ملنے پر انہوں نے مجھے لپٹا
کر روتے ہوئے اتنا پیار کیا۔ اتنا پیار کیا کہ اُس یادگار لمحہ
کو میں آج تک نہیں بھلا سکا۔
میری HOBBIES میں گولیاں اور ڈھکن جمع کرنا
بھی شامل تھا میرے اسکول کی سفید شرٹ اور ہلکے سُرمئی
رنگ کی نیکر کے جیبوں میں ڈھکن، گولیاں، چنے بھرے
ہوتے۔ جیسے ہی میں اسکول سے آتا وہ پہلے میری جیبیں
نزدیک بُلا کر خالی کر دیتی تھیں کیونکہ امی گندی جیبیں بھری
ہوئی دیکھتیں تھیں تو غصہ ہوتی تھیں وہ مجھے اُن کے غصے سے
بچانے کے لئے پہلے ہی انہیں نکال دیتی تھیں۔ میں اکثر باہر
کھیلتا تھا اور ہمیشہ اپنی چپلیں باہر ہی چھوڑ آتا تھا جو واپس
نہیں ملتی تھیں اُس کے لئے بھی وہ مجھے بہت سمجھاتیں اور امی
جب غصے میں مجھے مارنے کے لئے اٹھتیں تو وہ باجی ہی تھیں جو

مجھے اپنے پیچھے چھپا لیا کرتی تھیں۔
پتنگیں اُڑانے کا بھی مجھے بڑا شوق تھا اور اس شوق کو ہوا دینے والی بڑی باجی ہی تھیں اکثر مجھے نلستکرات سے قبل ہیسے والی پتنگ سے لے کر اڈے کی پتنگ تک باقاعدہ گلزار حوض لے جا کر پتنگیں، مانجھا اور سادی (تاگا) دلاتیں اور پھر میری چرخ پر دھاگا اور مانجھا لپیٹ کر دیتیں اور کنّے ڈالنے کی بھی وہ ماہر تھیں۔ میں اکثر بالائی منزل کی چھت پر جا کر پتنگ اڑایا کرتا جس کی دلوار بہت چھوٹی تھی امی پریشان ہوتیں اور وہاں سے پتنگ اُڑانے کی ہم کو اجازت نہیں تھی مگر باجی ہم کو اوپر چڑھا دیتیں اور کئی چکر اوپر کے لگاتی رہتیں۔ جب ہمارا جی بھر جاتا یا ساری پتنگیں کٹ جاتیں تو ہم نیچے آ جاتے۔ تب باجی کو بھی سکون ہوتا اور ہمیں خاص طور پر کہتیں کہ جاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو آؤ۔
مجھے فوٹو گرافی کا بڑا شوق تھا اکثر میں اُن کی تصویریں بغیر بولے ہی لے لیا کرتا تھا جب اپنی تصویریں دیکھتیں تو کہتیں خواہ مخواہ میری تصویر لی۔ میری تصویریں اچھی نہیں آتیں باجی کو پکچرس دیکھنے کا بڑا شوق تھا ہم چھوٹے تھے اس لیئے ہمیں لیجایا نہ جاتا تینوں بہنیں بڑی باجی، اختر باجی اور نسیم باجی

چونکہ میری خالہ ہوتی تھیں اکثر پکچرس دیکھ آتیں تھیں اور باجی سے ہم اُس پکچر کی کہانی سننے کی ضد کرتے باجی بڑی تفصیل سے پوری منظر کشی کرتیں اور ہمیں پوری فلم کی اسٹوری سناتیں۔ جب کمال چاچا نے حیدرآباد میں تاج محل تھیٹر چلانی شروع کی تب ہم سب مل کر اکثر اُس تھیٹر میں پکچر دیکھنے جاتے فرمائش کر کے کمال چاچا سے اپنی پسند کی پکچریں اُس تھیٹر میں لگواتے۔ جب کبھی کوئی نئی فلم لگتی کمال چاچا اور خلیق چاچی ہم تمام کو مدعو کرتے۔ امی اپنے چہیتے دیور اور دیورانی جنھیں وہ بہت چاہتی تھیں بڑے سے تمام چینی کے رنگین توشہ دان میں اُن کی پسندیدہ چیزیں تیار کر کے لے جاتیں اور تاج محل تھیٹر کی بڑی لابی میں ہماری پکنک ہو جاتی۔ باکس میں بیٹھ کر کبھی آدھی پکچر دیکھنے پھر گھر واپس ہونے پھر دوسرے شو میں اُس کی تکمیل ہوتی۔

باجی بڑی آواز۔ شور۔ ہنگاموں سے بڑا گھبرایا کرتیں رمضان کے دنوں میں افطار کے وقت جب توپ داغی جاتی تھی باجی اُس وقت لپنے دونوں کانوں میں انگلیاں رکھ لیتی تھیں جب روزگار کے سلسلے میں مجھے سیدہ پور، ارکیرہ جانا پڑا تو وہاں کے ندی نالے، جنگل، پہاڑ، میدان اور وادیاں، اطراف میں پھیلے ہوئے وسیع کھیتوں اور میدانوں میں چوکڑیاں بھرتے

ہوئے ہرنوں کی ٹکڑیاں بھاگتے ہوئے خرگوش، تیتر، بٹیر فاختے وغیرہ کی بہتات تھی جب بھی وہ وہاں آتیں اُن تمام چیزوں کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہوتیں۔ قدرتی مناظر سے لطف اندوزی اُن کی طبیعت کی خاص خصوصیت تھی۔

جب کبھی میں سیدہ پور سے واپس آتا تو باجی میرے انتظار میں ہوتیں۔ میری پسندیدہ چیزیں بنا کر رکھتیں۔ کھلانے کا اُنھیں بڑا شوق تھا اتنے پیار سے کھلاتیں کہ انکار کی گنجائش بھی نہ ہوتی۔ ہم سب بہنیں اور بھائی کھانے کی میز پر بیٹھے گھنٹوں باتیں کرتے۔ الطاف بھائی باتیں کرنے میں ماہر ہیں کوئی موضوع ہو اُن کے معلومات کا خزانہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔ وہ بولتے چلے جاتے اور ہم سب سنتے رہتے۔ گھر جانے کے لئے جب کوئی اُٹھنا چاہتا تو پھر روک دیتے اور خالص بنگلوری لہجے میں کہتے "کاں جاتے بیٹھو نا"۔

باجی کو کینسر کا مرض لاحق ہو گیا تھا اور آپریشن کے بعد تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت اُن کے ساتھ گذاروں بیماری کی حالت میں بھی وہ کچھ نہ کچھ میرے لئے تیار رکھتیں۔ بغیر کچھ کھلائے پلائے رخصت نہ کرتی تھیں۔

جس صبح انھیں سانس کی تکلیف کے سبب ہاسپٹل میں بھائیے

کے لیے داخل کیا گیا۔ دمِ رخصت انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "محمود ہم جا رہے ہیں"۔ ملک الموت نے شاید انہیں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کر دیا تھا اور وہ کلمہ پڑھتے ہوئے بڑے اطمینان کے ساتھ سب کو دعائیں دیتے ہوئے ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئیں۔ اللہ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے (آمین)۔

اپنوں کے بارے میں لکھنا بڑا ہی مشکل کام ہے یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ ہستی بہت ہی عزیز ہو۔ اس لئے باجی کے بارے میں قلم اٹھانا میرے لئے کوئی آسان کام نہیں تھا نیر بھائی کے اصرار پر یہ چند صفحات سپردِ قلم کئے ہیں۔ میں کوئی رائٹر نہیں ہوں۔ ان کی یادیں تا زندگی ہم تمام کے ساتھ رہیں گی۔ ان کی شخصیت ہی ایسی تھی جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

آخری سفر

ڈاکٹر صابرہ سعید
(رخسانہ)

سفر سعیِ مسلسل اور ایک متحرک فعل ہے۔ اس رو سے زمین پر ہر ذی حیات کو اس کے ساتھ چلنا ہے ہر سفر کی اپنی ایک منزل ہے اس سفر میں کچھ صعوبتیں ہیں کچھ مشکلیں بھی اور پھر منزلیں بھی ملکِ عدم کو جانے والے جانے کس منزل پر پہنچتے ہیں؟

وہ ۱۳/اپریل کی آخری ساعت شام تھی جب باجی کی طبیعت بگڑنے لگی۔ درد اپنی تمام تر شدت کے ساتھ اُن سے لپٹ گیا تھا۔ اُن کی آنکھیں سوالیہ بن گئیں میرے ہاتھ پر اُن کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اُن کی شفاف پیشانی پسینے کی بوندوں سے جگمگا اٹھی۔ چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ مگر یہ نہیں لگتا تھا کہ طائرِ روح اُن کے قفسِ عنصری سے پرواز کرنے والی ہے امید تو ہر حال میں انسان کے ساتھ ہے ورنہ تو کائنات پر صرف تاریکی مسلط ہوجائے۔ میں نے اُن کے نرم تلوؤں پر ہاتھ رکھے جو برف کی طرح سرد تھے زندگی کی حرارت ہی نہیں تھی۔

"کس قدر مستقل مزاج تھی اُن کی "رخسانہ یہ موت کا پسینہ ہے"

موت ــــ ؟ جو ایک دلخراش چیخ ایک بھیانک حقیقت ایک کڑوا سچ ہے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ لمحۂ آخر قریب آچکا ہے ان کے چہرے پر بڑا سکون تھا شاید اس دارِ فانی سے کوچ کرنے کی ہمت اُن میں آچکی تھی۔ بھائی جان اُن کے قریب تھے ایک قطرہ انہیں دیکھا اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "محمود ہم جا رہے ہیں" کتنا اطمینان تھا اس انداز پر سب مضطرب تھے اور وہ پُر سکون ــ نہیں باجی آپ ہم کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں؟ بھائی جان نے ڈوبتی نبض کو دیکھ کر اُمید کی آخری کرن کا سہارا لیا اُن کے پژمردہ لبوں پر مسکراہٹ اداسی کی لکیر سی بنا گئی اور وہاں موجود ہم سب کے دل کٹ کر رہ گئے۔ آنسو آنکھوں میں آنے کیلئے بے تاب سے ہو گئے۔

اُن کے درد نے پھر کروٹ لی اور اس انداز سے اُن کو جھنجھوڑ دیا کہ اُن کے سارے اعضاء میں تشنج کی سی کیفیت آگئی۔ بس ایک لمحہ صرف ایک مختصر سا لمحہ اور پھر زیست کا سفر تمام ہو گیا ــ کتنا بے بس و مجبور ہے انسان؟ ساری کوششیں بے سود ہو گئیں ــ دعائیں اثر نہ دکھا سکیں کسی کا سسکنا، تڑپنا کام نہ آیا۔ مسافر کوچ کر چکا تھا۔ زندگی اور موت کی رسّہ کشی پچھلے تین ماہ سے جاری تھی ــ آس و یاس۔ اُمید و نا اُمیدی کا یہ کھیل ہم دیکھ

رہتا تھی ۔ مرض ہی کچھ ایسا تھا کہ زندگی کی کوئی کرن کہیں سے بھی نظر نہ آتی ۔ اُن کے ذہن پر بیماری توجہ بن گئی تھی ۔ اکثر کہتیں "مجھے یہ بیماری کیوں ہوئی ۔ اس سے نجات کب ملے گی" ؟ اعصاب کتنا برداشت کرتے اُن کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی تھی ۔ مجھے کہتیں مجھے حوصلہ چاہیئے صرف وقت کاٹنے کا ۔ زخم نمائی کا ارادہ تو نہ ہوگا مگر دھیمے لہجے میں کبھی اظہار کر دیتیں ۔ اُن کے لبوں سے کچھ ٹوٹے سے جملے یوں ادا ہوتے " ان اذیت ناک لمحوں کا کیا کروں ۔۔۔ ؟ زندہ رہنے پر مت اصرار کرو ۔ میرے زخموں کی گہرائی کوئی نہیں جان سکتا ۔"

کرب و اذیت ، بے چارگی و درد کے ساتھ انہوں نے کئی راتیں گذاریں یہ تکلیف جھیلنا اتنا آسان بھی نہ تھا ۔ عبادت ، آسودگی اور طمانیت دیتی ہے مگر اُن کے لئے کی گئی دعاؤں میں جانے کیوں کچھ جھول سا لگ رہا تھا کہ اب وہ راہِ حیات میں کٹنے ہی والی تھیں ۔

وقت کو بھلا کون روک سکتا ہے بہت کچھ اس میں چھپ گیا لمحے سرکتے گئے دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلے لیکن اوراقِ گذشتہ آنکھوں میں گھومتے رہتے ہیں وہ ہم بہنوں اور بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں ۔ عموماً سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے ، ماں باپ کی غیر معمولی توجہ کا مرکز رہتے ہیں بہ نسبت

درمیانی اولاد کے۔ یہ لوگ زیادہ چاہت کا مرکز بنے رہنے کی وجہ محفوظ ہو جاتے ہیں اور اسی لئے زود رنج نازک مزاج اور جسمانی و جذباتی طور پر کمزور رہتے ہیں اور زندگی کے ساتھ مطابقت پذیرائی کا عمل اِن کے لئے بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے مگر باجی نے حالات سے سمجھوتے کو اپنا شعار بنایا۔

اُن کی خوبیوں کو قلمبند کرنا آسان نہیں۔ نہایت وسیع النظر وسیع الظرف، منکسر المزاج، بااخلاق، قناعت پسند، سادگی کا پیکر مروت اور محبت کا سرچشمہ۔ دوسروں کے سُکھ دُکھ کی شریک خندہ پیشانی سے ملنا۔ یہ چیزیں نہ صرف اُن کی شخصیت کو مستحسن بناتی تھیں بلکہ اس کی دعوت میں کشش بھی پیدا کرتی تھیں۔ زندگی کی آزمائشوں اور پریشانیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ جھیلا۔ شور و غل، تشدد اور ہنگامہ آرائیوں سے گھبرایا کرتیں۔ خود بھی خاموش طبع تھیں اور پُرسکون انداز کو پسند کرتیں تھیں۔ قوتِ برداشت بھی اُن کے حصے میں زیادہ ہی آئی۔ اِن کی شخصیت کا جمال ان کی روشن آنکھوں، دراز زلفوں اور متبسم لبوں میں تھا گفتگو کا انداز بڑا سلجھا ہوا لہجہ دبا دبا مگر میٹھا میٹھا۔ مطالعہ اُن کا شغل تھا۔ کتابیں اُن کی ساتھی تھیں لباس میں سادگی تو خوراک بھی سادہ۔

زندگی کو انھوں نے بڑے سلیقے سے برتنا۔ اپنے کسی دُکھ

یا کرب کا اظہار نہ زبان سے کیا نہ چہرے نے غمازی کی۔ خاندان
کی بزرگ ہونے کے ناطے ہم سب بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ
اُن کا رویہ از حد مشفقانہ تھا۔ امی کی کمی اُن کے وجود سے پوری
ہوتی تھی۔ ممتا کا جذبہ اُن کے پاس بے حساب تھا خفگی کا انداز ہم نے کبھی
نہیں دیکھا غصے کی تمازت اُن کے چہرے پر کبھی نہ آئی۔ رنگت گلابی اور
شفاف۔ رنگت ان کے مزاج کی طرح پاک و صاف تھی۔ لہجہ ایسا نرم
کہ ان کی کسی بات کو ٹالنے کو جی نہ چاہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود
بڑی سادہ لوح۔ حوصلہ مندی اور جراءت اُن کی شخصیت کا حصہ تھے
طبیعت [illegible] تھا۔

وہ ایک آسودہ اور خوشحال خاندان کی فرد تھیں مگر کبھی کبھی
ناموافق حالات کے ساتھ بھی ہم آہنگی برقرار رکھتیں۔ زندگی کے اعلیٰ
مقاصد کو سمجھتی تھیں۔ سمجھوتے پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ دوستوں کے
لئے دلنوازی تو دشمنوں کی بھی مہمان نوازی۔

اردو زبان سے انہیں غیر معمولی محبت تھی۔ "خاتونِ دکن" کی اشاعت
اُن کے بے لوث جذبے کی نمائندہ تھی۔ وہ کتابِ زندگی کے مشکل اوراق
بھی بہ آسانی پڑھ لیتیں۔ زندگی کے تابناک پہلوؤں پر اُن کی نظر رہی۔
اکثر مجھ سے کہتیں "ہمیشہ اچھا سوچو زندگی کے تاریک پہلوؤں پر
ہی نظر رکھو گی تو سوائے تاریکی کے اور کچھ دکھائی نہ دے گا۔"
پھولوں سے اُن کو شغف تھا۔ بالوں میں سجاتی نہ تھیں گھنٹوں

ہاتھ میں لیئے ان کی خوشبو سونگھتی رہتی شاید اس لیئے کہ ان کے وجود میں بھی محبت۔ چاہت اور شفقت کی خوشبو بھری پڑی تھی۔
جس چیز کو موت لپیٹ لیتی ہے اُسے کوئی نہیں کھول سکتا یہ کیسی مفارقت تھی کہ وہ ہم میں رہیں اور ہم سے جُدا ہو گئیں۔ یہ کیسی دائمی جُدائی ہے؟ جس پر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔
ہسپتال میں جب میں اور میری چھوٹی بہن پہنچے، تو اسری بابا بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کا چہرہ بہت اُترا ہوا تھا شائد کافی رو چکی تھی اُس نے مجھے بتایا کہ ممی کو PULMONARY EMBOLISM ہو گیا ہے۔ یہ میڈیکل ٹرم سمجھ میں نہیں آیا تب اُس نے کہا کہ LUNGS میں LOT آ گیا ہے اُس میں بچنے کی اُمید کم ہوتی ہے ہم دونوں بہنیں اپنے آپ پر قابو پا کر I.C.U. میں داخل ہوئے تو ہمیں دیکھ کر اُن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ الطاف بھائی نے کہا لو آپ کی بہنیں آ گئیں۔
تب الطاف بھائی کو پاجی نے گھر جانے کے لئے کہا اور اطمینان دلایا کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں اور شام میں گھر لوٹیں گی۔ میں نے اُن کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگیں بہت تنگ ہو رہی تھی بیٹے۔ دم کے ساتھ دم تھا مگر اب آرام ہے۔ ابا کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ پتہ نہیں ابا کیسے اس دم کی تکلیف کو برداشت کرتے تھے اس لمحہ اُن کی آنکھوں میں کچھ آنسو جھلملائے۔ میں نے رو کنے کی کوشش

کی اس پر انہوں نے کہا "آنسوؤں کو دبانے یا روکنے سے بڑی خرابیاں ہوتی ہیں۔ انہیں بہنے دینا چاہیے یہ بھی آنکھوں کا غسل ہے"۔ میں لاجواب ہو گئی پھر کچھ لمحے وہ نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ جب بیدار ہوئیں تو شاید انہیں اپنے آخری سفر کا علم ہو چکا تھا۔ مجھ سے کہنے لگیں ۔ "میرا کفن الماری کے اوپر بیگ میں رکھا ہوا ہے"۔ میں نے کہا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟ کہنے لگیں میں چاہتی ہوں تم لوگوں کو معلوم ہو جائے"! میری چھوٹی بہن نے کہا ابھی تو آپ کو اسماء کی شادی کرنی ہے۔ ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ ناممکن ہے پھر اپنے دونوں بچوں کو دعائیں کہیں۔ یہ دونوں ادیس اور اسماء جو کہ سوئٹزرلینڈ اور اٹلانٹا میں تھے۔ اس کے بعد کلمہ کا ورد زور سے شروع کر دیا پھر درود پڑھا اور خاموش ہو گئیں۔ گویا داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ موت نے پھر ایک بار زندگی پر فتح پالی۔ طوفان تنکے چھوڑ جاتا ہے ۔ اور موت یادیں۔ یادیں جو بڑی دلنشین ہوتی ہیں۔ کیوڑے کے کانٹے کی طرح کلیجے کے پاس کھٹکتی ہیں۔

ان کی یادیں ہم تمام کا سرمایۂ حیات ہیں جو کچھ ان کے پاس تھا وہ ورثہ میں ہمیں دے دیا۔

۱۵ اپریل ظہر کا وقت تھا۔ موذن نے اذان دی اور ان کا وقت رخصت آگیا۔ سب ہی وداع کرنے کے لئے اٹھے۔ اشکوں

آہوں، نالوں اور سسکیوں کے درمیان اُن کا جنازہ اُٹھایا گیا
اور وہ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئیں۔

یا الٰہی کونسی منزل ہے وہ
جو گیا واپس اِدھر آنا نہیں

صادقہ

میری باجی ماں

میری پیاری باجی ماں بہت اچھی آرٹسٹ تھیں وہ جب بھی کوئی
ینٹنگ کرتیں یا کوئی چیز کسی کے لئے یا اپنے گھر کے لئے منتخب کرتے
تے تھیں تو اس چیز میں آرٹ ہی آرٹ نظر آتا ہے مجھے ان کے تیار کردہ
ٹنی اور زوالوجی کے ریکارڈ بکس اچھی طرح یاد ہیں جس کے سرورق
ر انہوں نے اپنا نام اور SUBJECT بہت ہی خوبصورت انداز
ں تحریر کیا تھا ان کی تحریر بالکل موتیوں جیسی تھی جو دیکھنے اور پڑھنے
لوں کو بہت اچھی محسوس ہوتی تھی وہ DIAGRAMS بالکل
FREE-HAND DRAW کرتی تھیں بہت NEAT اور
CLEAR DEFINATION کے ساتھ ان کی ریکارڈ بکس پوری
اس میں لکھا کرتی تھی جو GOOD' NEAT' EXCELLENT
VERY GOOD سے بھری رہتی تھی ان کے ٹیچرس ان سے خوش اور
تیں پسند کرتے تھے۔ آرٹ کے علاوہ وہ کرافٹ کی بھی ماہر تھیں۔ آج

جو کچھ آرٹ اور کرافٹ میں جانتی ہوں۔ وہ سب ان ہی کی توجہ کا
نتیجہ ہے وہ میری پینٹنگس اور آرٹ کو بہت سراہتی تھیں اور
مجھے اچھے مشورے دیا کرتی تھیں صبیحہ باجی تو میری بنائی ہوئی کسی
خوبصورت چیز کو دیکھتی تھیں تو بے اختیار میرے ہاتھ چوم لیا
کرتی تھیں اس طرح بہنوں کے APPRICIATION سے لگتا کہ میری
محنت چیز ہوگئی۔ میری سب بہنیں اور دونوں بھائی میرے آرٹسٹ
ہونے پر بہت ناز کرتے ہیں۔۔۔ اور کافی نصیحتیں کرتے اور لکچرس
سے نوازتے ہیں اُن کی میٹھی پیار بھری ڈانٹیں سننے میں مجھے بڑا لطف
آتا ہے "اس قدر کام مت کیا کرو۔ اپنی آنکھوں پر رحم کرو۔ اپنی
حفاظت کرو۔ اپنا خیال رکھو وغیرہ وغیرہ"۔

جب بھی باجی حیدرآباد سے کہیں باہر جاتیں میرے لئے کوئی
نہ کوئی آرٹ کی کتاب ضرور لے کر آتی تھیں جیسے عمر خیام کی رباعیات
جس میں SKETCHES تھے۔ غالب کی مرقع چغتائی جس کی جلد
بنوانے کی خاطر میں نے BOOK BINDER کو دی تھی اور وہ گم ہوگئی
جس کا مجھے بے حد افسوس ہے وہ چغتائی کے آرٹ سے بہت متاثر تھیں
اُن کی بنائی ہوئی لکیروں اور IDEALESTIC ART کلر اسکیم وغیرہ
کو وہ بہت زیادہ APPRICIATE کرتی تھیں شاید اسی لئے انہوں نے
اپنی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" میں اسی انداز کے اسکیچس بنائے ہیں

جغتائی کے علاوہ وہ چائنیز اور جاپانیز آرٹ کی بھی شیدا تھیں۔
چائنیز آرٹ کی سادگی اور جاپانیز آرٹ کی نزاکت، خوبصورتی اور
PERRICTION کو وہ بہت پسند کرتی تھیں۔ اجنتہ اور ایلورا
کے آرٹ کو بھی وہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ خصوصاً اُن
کے تاج، گہنے، موتیوں کی لڑیاں، ان کے چہروں کے DARK-COM
PLIXTION اُن کے متناسب FIGURES اور ان کے بالوں کے
اسٹائیل کو بھی ADMIRE کرتی تھیں ایک مرتبہ وہمنس کالج میں ہیئر
اسٹائیل کا COMPITITION تھا۔ اس میں انہوں نے اجنتہ اسٹائیل
کا جوڑا بنایا تھا جس کے لئے انھیں FIRST PRIZE ملا تھا فینسی ڈریس
COMPITITION میں مجھے انہوں نے ایک مرتبہ - EGYPTION
MUMMY، ایک دفعہ اجنتہ کی پرنسس اور ROMAN-PRINCES
بھی بنایا تھا۔ ان تینوں مقابلوں میں مجھے بھی فرسٹ پرائز ملا تھا۔
وہ ایمبرائیڈری بھی بہت اچھی کرتی تھیں انہوں نے ایک تکیے
کے غلاف پر ایک شعر لکھا تھا اور اس کے کونوں پر بہت خوبصورت
گلاب کے پھول کڑھائی کیے تھے یہ غلاف انہوں نے ابا کے لئے بنایا
تھا اس پہ لکھا ہوا شعر تھا ؎

نہ تو گل پہ ہو نہ کلی پہ ہو نہ چمن کے نقش و نگار پر
تیرا تکیہ ہو تو خدا پہ ہو نہ کہ چند روزہ بہار پر

میں چھوٹی سی تھی اس شعر کا مطلب بھی انھوں نے مجھے سمجھایا
تھا اس وقت میں نکتہ کے PUN سے ناواقف تھی۔ مطلب سمجھ میں آنے
کے بعد مجھ کو یہ شعر بہت پسند آیا تھا جو آج بھی مجھے یاد ہے انتقال
سے کچھ دن پہلے انہوں نے مرجینا کی ایک تصویر چمکیوں سے
بنائی تھی۔ جو بہت خوبصورت ہے۔

ڈاکٹر جانسن کی سوانح عمری جسے BOSWELL نے لکھا ہے
وہ بھی ان کی پسندیدہ کتابوں میں سے ایک تھی۔ وہ ڈاکٹر جانسن کے
کردار سے بھی متاثر تھیں انھوں نے BIOGRAPHY اور AUTO-
BIOGRAPHY کا مطلب بھی سمجھایا تھا اس کتاب کے اکثر حوالوں
کے بارے میں بھی بتاتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر جانسن بہت ODDITIES
کے مالک تھے شاید اسی لئے باجی کی طبیعت میں بھی ODDITIES شامل
تھے وہ ہر وہ کام کرنا بالکل پسند نہیں کرتی تھیں جو سب کیا کرتے۔
جیسے وہ فون پر کبھی "ہلو" نہیں کہتی تھیں۔ جب بھی میں فون کرتی
تو وہ کہتیں۔ "ہاں! بولو ماں۔!" ایسا لگتا جیسے ماں کا پیار
اُمڈ آیا ہو۔ وہ خط لکھتیں تو تخاطب میں ڈیر۔ میری اچھی۔ میری
پیاری وغیرہ کچھ نہ لکھتیں۔ ان کا انداز ہی نرالا تھا اور خط میں اِدھر
اُدھر کی چھوٹے چھوٹے SKETCHES بھی ہوا کرتے کیونکہ میں نے
انگلش سے ایم اے کیا تھا اور میری اُردو کی علمیت کچھ خاص نہیں تھی۔

ایسا وہ اس لئے کرتی نہیں تاکہ مجھ تک اس کا صحیح مفہوم پہونچ سکے۔
وہ اکثر کار میں بیٹھ کر میرے گھر آجاتی تھیں۔ پیر میں شدید تکلیف کے سبب وہ گھر پر اترتی نہیں تھیں۔ کار ہی میں بیٹھی رہتیں میرے اصرار کرنے پر کہتیں میں پانچ منٹ کے لئے تمہاری صورت دیکھنے کے لئے آگئی ہوں۔ یہ نہیں کہتی تھیں کہ تم مجھے یاد آرہی تھیں یا میں تمھیں مس کررہی تھی گھر آئے مہمان کو وقتِ رخصت یہ کہتے ہیں کہ "ہم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھو۔ لیکن باجی کہتی تھیں" دعاؤں میں مت بھولو۔"
ایک لڑکی میرے گھر پر کام کرتی تھی چھوٹی سی آٹھ سال کی۔ اس کا نام چاندنی تھا۔ میں نے باجی سے اس بچی کا تعارف کروایا تو انھوں نے چاندنی سے مخاطب ہوکر کہا۔ "چاندنی جلدی سونا بن جا"۔ اس طرح کی باتیں اُن کے ذہن میں کیسے آتی تھیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کم گو تھیں لیکن مجھ سے زیادہ بولتی نہیں میں ان کی دلچسپ باتیں بغور سنتی رہتی تھی کیونکہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اُن سے کوئی نہ کوئی اچھی اور نئی بات سننے کو ملتی تھی ان کی گفتگو کے درمیان۔ مولانا علی میاں ندوی، ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد بہادر یار جنگ اور عبدالکریم پاریکھ صاحب کا ذکر ضرور آتا تھا۔

علی میاں ندوی صاحب کے انتقال پر اخبار پڑھ کر میں نے ان کو فون کیا۔ وہ رو رہی تھیں۔ کہا ــ "ہائے کیسی ہستی چل بسی۔"

خلفائے راشدین کا ذکر آتا تو حضرت عمرؓ کے EXTRE-ME STRONG CHARACTER کا ذکر ضرور کرتیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے ذکر پر آنکھیں نم ہو جاتیں اور سرکارِ دو عالم کی تو وہ عاشق اور گرویدہ تھیں لاکھوں درود انہوں نے پڑھے اور ہزاروں سلام انھیں بھیجے ہوں گے۔ میں جب کبھی ان کے گھر جاتی یا تو وہ کلامِ مجید پڑھتی رہتی تھیں یا نمازیں پڑھتیں یا پھر اپنے شوہر کی خدمات میں مصروف۔ کبھی انھیں دوائیں دیتیں۔ کبھی اُن کے لئے آنے والے ان گنت فون کالس RICIEVE کرتی رہتیں۔ بہر حال مجھے دیکھ کر اپنے سارے کام چھوڑ کر میرے قریب آ بیٹھتیں۔ پھر یہ کھاؤ۔ وہ کھاؤ نا۔ چائے پیو گی۔ کافی بنواؤں۔ ایسا لگتا ان کا ذہن مصروف رہتا کہ کس طرح خاطر تواضع کریں۔ وہ جب بھی میرے پاس آتیں میں انھیں طلعت محمود کی غزلیں سناتی۔ طلعت محمود کی آواز انھیں بہت پسند تھی۔ جھنک جھنک پائل باجے' بیجو باورا' شباب' محل' بابل' دیدار' انداز' صاحب بی بی اور غلام جیسی فلمیں انھیں اچھی لگتی تھیں۔ "اے مالک تیرے بندے ہم' دنیا میں ہم آئے

یا تم جیتا ہی پڑے گا، لے کس پہ کرم کیجئے سرکار مدینہ وغیرہ ان کے پسندیدہ گیت تھے۔ انتقال سے کچھ دن قبل انہوں نے مجھے ایک کتاب پڑھنے کے لئے دی اور اصرار کیا کہ میں اسے ضرور پڑھوں۔ وہ کتاب تھی ممتاز مفتی کی "لبیک" وہ حج اور عمرے کر چکی تھیں انہوں نے کہا تھا کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد حج کا پورا منظر تمہاری نظروں کے سامنے ہوگا۔ میں نے اسی دن وہ کتاب شروع کر دی۔ اتنی اچھی کتاب۔ پہلی بار مجھے پڑھنے کو ملی تھی وہ جلد ہی ختم بھی ہوگئی۔ جی چاہتا ہے کہ پھر تھوڑے دن بعد اسے ضرور پڑھوں۔ اسی روز سے حج کرنے کی خواہش دل میں جاگزیں ہوگئی ہے اور یہ خواہش بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اللہ کرے وہ دن جلد آجائے۔ آمین — اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس بارے میں ہم دونوں نے بہت سی باتیں کیں۔

میں نے بچپن سے بڑے ہونے تک انہیں رمضان کے پورے روزے رکھتے ہوئے دیکھا۔ حلیم اور دہی وڑے انہیں پسند تھے اور لیمو کا شربت ان کا پسندیدہ شربت تھا۔ کھانے کے ایٹیکیٹ کے بارے میں وہ بہت SENSITIVE تھیں۔ دستر پر آوازیں کرنا۔ برتنوں کا ٹکرانا، چمچوں کی کھنک، کھانا گرانا، پلیٹ میں کھانا چھوڑ دینا انہیں بالکل پسند نہیں تھا کھانا

اور سالن اپنی پلیٹ میں وہ بہت کم مقدار میں لیتی تھیں اور کتاب سامنے رکھ کر بڑی نزاکت سے کھاتی تھیں۔ دستر خوان پر ان کو کسی کی کوئی حرکت ناگوار گزرتی تو وہ فوراً اپنا کھانا چھوڑ کر اٹھ جاتی تھیں یہ چھوٹوں کو سبق دینے کا ان کا اپنا ایک خاص انداز تھا ان کی طبیعت کی DELICASY کا یہ عالم تھا کہ وہ سیتا پھل اور تخمی آم دستر خوان پر نہیں کھاتی تھیں۔ اس کو کمرے میں لیجا کر کھاتی تھیں کوئی وجہ پوچھتا تو کہتی تھیں عجیب عجیب چہرہ بنتا ہے جیسے منہ چڑا رہے ہوں۔ بچوں کے بارے میں کوئی ان سے پوچھتا تو چہرہ پر رونق آجاتی تھی۔ ان کے تینوں بچے کافی عرصہ ان سے دور رہے وہ بہت صابر تھیں۔ بچوں کو پروان چڑھانے میں بہت سی آزمائشوں سے گزریں اور تکالیف کا سامنا کیا۔ لیکن کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

باجی عالم شباب میں بہت خوبصورت مانی جاتی تھیں صرف جسمانی حیثیت سے تھوڑا سا HEANY SIDE پر تھیں۔ لیکن چہرہ پر بہت رعب تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ لمبی لمبی پلکیں جو کاجل اور سرمہ لگانے پر اور زیادہ خوبصورت لگتیں۔ رنگ بہت گورا تھا لمبے لمبے گھونگریالے بال جو گھٹنوں کے نیچے تک پہنچتے تھے جن کو سب پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے بہت نرم، ملائم اور گھنے

ہاتھ۔ کلائی میں پھنسی ہوئی چوڑیاں اور انگلیوں میں انگوٹھیاں
ان کی خوبصورتی کو اور دوبالا کرتے۔ ان کا ہاتھ ہاتھ میں لیں تو لگتا
تھا روئی کے گالے کو تھاما ہے۔ بچپن میں ان کو دیکھ دیکھ کر میں
سوچتی تھی کہ میری بہن تو بالکل فلم کی ہیروئن جیسی ہے اور میں
ان کی خوبصورتی کو ADMIRE کرتی تھی۔ میری باجی ماں لیس ماں تھیں
ایک اچھی بہن، ایک اچھی بیوی، ایک اچھی بہو، ایک اچھی ماں
اور ایک لاڈلی بیٹی۔ جس سے سب پیار کرتے تھے ان کے نام میں
نام کی پوری صفتیں موجود تھیں۔ ان کا نام صالحہ کے علاوہ اکبر بھی تھا
وہ GREAT تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ انھیں اپنی جوارِ رحمت میں
جگہ دے۔ آمین ـــــ

محمد شمیم جلیس فاروقی
اورنگ آباد

کرگیٹ کو بچا کہاں؟

رخسانہ باجی کا فون آیا کہ بڑی باجی کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ بھیجوں تو میں سوچتا رہ گیا کہ کیا لکھوں۔ کہاں سے شروع کروں بڑی باجی اپنے والدین کی پہلی چشم و چراغ تھیں۔ میرے چچا ابا اور چچی اماں جنھیں ہم (امّا) کہتے تھے مذہبی اور علمی روایات کو عزیز رکھنے والے لوگوں میں سے تھے باجی کی شخصیت پر اُن کا بہت اثر تھا وہ خود نیک تھیں اور لوگوں کو نیکی۔ صداقت، ایثار اور رواداری کی تعلیم دیا کرتیں۔ ویسے بھی ہم لوگوں کا خاندان، نیکی، خاکساری محبت اور خلوص کا سرچشمہ مانا جاتا تھا۔ خلوص اور محبت کے اسی ماحول میں باجی کی شخصیت پروان چڑھی جو بعد میں اور بھی نکھر گئی وہ بہت کم گو تھیں اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے خاندان، دوست و احباب میں بڑی عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھی جاتیں۔ اُن سے جو بھی ملتا غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا۔ ہر ایک سے اُن کا برتاؤ

بہت اچھا تھا۔ شادی کے بعد آپا جی کے خیالات میں عجیب و غریب تبدیلی رونما ہو گئی تھی اُن کی زندگی میں بے انتہا سادگی آگئی تھی۔ علمی صلاحیتوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا بے شمار لوگوں سے ملنا ہوتا۔ مستقل گفت و شنید کے ذریعہ معلومات کا ذخیرہ بھی بڑھتا گیا۔ اکثر بحث و مباحثوں میں بھی حصہ لیتیں۔ انہوں نے بھرپور زندگی گذاری۔ اُن کے دل میں ہر ایک کے لئے بڑی تڑپ تھی ہر ایک کے لئے فکرمندی اور اضطرابی کیفیت تھی۔

اس دنیا میں خیر و شر دونوں طاقتیں نہ صرف کارفرما ہیں بلکہ ان دونوں میں کشمکش بھی ہے انسانی سماج میں بھی دو گروہ ہیں صالح اور طالح ــــ میں اپنی بہن کے بارے میں بیانگِ دہل کہہ سکتا ہوں کہ وہ صالح گروہ کا ایک فرد تھیں۔

وہ ایک مثالی ماں تھیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کی بڑی اچھی تربیت کی۔ اُن کو بھرپور محبت سے نوازا۔ دورانِ تعلیم ہی اُن کے عزائم بلند تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے رنگ بھر دیا۔ چنانچہ بڑا بیٹا اویس سرمد نے سی اے کیا اور سوئٹزرلینڈ میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہے دولڑکیاں اسری تو مبین جس نے بنگلور سے ایم ڈی ایس کیا اور اس وقت بحیثیت سونوگرافر کے خدمات انجام دے رہی ہیں سمیرہ اسماء جس نے بی ڈی ایس بنگلور سے کیا بعد میں وہ اٹلانٹا میں CENTER FOR DISEASE CONTROL میں

سے منسلک ہو گئی اور کینسر پر ریسرچ کر رہی ہے۔ اس وقت وہ وہیں پر مقیم ہے۔ بچوں کے دورانِ تعلیم باجی بھی اُن کے ساتھ شب بیداری کی تکلیف برداشت کرتی تھیں بچوں کو خوب محنت کرنے کی ترغیب دلاتیں مجھے بھی باجی اکثر کہتی تھیں کہ میں اپنے بچوں کو بھی اچھی تعلیم دلاؤں۔ اپنے بچوں کے مستقبل کو صحیح انداز سے سنواروں، خوب محنت کر کے بزنس کو بڑھاؤں۔ اکثر کہتیں یہ دور سخت مقابلے کا ہے۔ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے اسے خوش گوار بنانا ہے۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی تلقین کرتیں۔ انہیں فنونِ لطیفہ میں مصوری، موسیقی اور ادب سے بہت زیادہ دلچسپی تھی ستار بہت اچھا بجاتی تھیں گھومنا بہت پسند تھا۔ غیر ممالک کا دورہ بھی انہوں نے کیا تھا۔ تاریخی مقامات دیکھنے سے بڑی دلچسپی تھی اورنگ آباد جب آئیں تو اجنتہ اور ایلورہ کے غاروں کا انہوں نے بڑا گہرا مشاہدہ کیا۔ "اجنتہ" نظم انہوں نے مجھے سنائی تھی۔

جس طرح وہ ایک مثالی ماں تھیں اسی طرح ایک مثالی بیوی بھی تھیں انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ تا حیات بڑی خوش گوار زندگی گذاری جس کی وجہ سے ان کا گھر جنت کا نمونہ تھا نہ صرف وہ میکے بلکہ سسرال میں بھی غیر معمولی مقبول تھیں سب ہی ان سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ انسانی ہمدردی اور کسی کے دُکھ درد میں شریک ہونا، غریبوں اور مسکینوں کی ضروریاتِ زندگی

میں تعاون جب بھی ممکن ہوتا کرنے سے پیچھے نہ ہٹتی تھیں۔ دونوں میاں بیوی کا یہی وطیرہ تھا زندگی میں نشیب و فراز آتے ہیں لیکن ہر حال میں اپنے آپ کو حالات سے ہم آہنگ کیا۔ الحمد للہ بڑی باجی نماز کی پابند تھیں حج کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئیں۔ عبادت کا خاص ذوق تھا ذکر و تلاوت مشغلہ اور اللہ سے خصوصی تعلق تھا جس کے باعث ان کا دل مضبوط اور ہمت بلند تھی رمضان المبارک کے مہینے میں پورے روزے رکھتیں۔ فرض نمازوں کے علاوہ تراویح کا بھی اہتمام کرتیں۔ دونوں پیروں میں شدید تکلیف کے سبب اکثر نمازیں بیٹھ کر پڑھتیں میں جب بھی اورنگ آباد سے حیدرآباد پہنچتا۔ میرا معمول رہتا ہے کہ قیام رخسانہ باجی کے ہاں ہوتا اور بڑی باجی، اختر باجی بھائی جان اور چھوٹی باجی سے ملنے کے لئے ضرور جاتا ہوں اور میرے کئی گھنٹے اپنی بہنوں اور بھائیوں کے درمیان ہی گذرتے۔ باجی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتیں والہانہ انداز میں میرا استقبال کرتیں جیسا کہ ایک ماں اپنے بیٹے کا کرتی ہے۔ مختلف موضوعات پر ہماری گفتگو ہوتی وہ میری باتوں میں بڑی دلچسپی لیتیں۔ اکثر ہماری گفتگو مذہبی موضوعات پر ہوا کرتی تھی وہ بہت اسلامی معلومات رکھتی تھیں چند سال قبل حافظ محمد ایاز الدین فاروقی جو کافی اسلامی معلومات رکھتے ہیں میرے ساتھ حیدرآباد آئے تو میں انہیں باجی سے ملانے لے گیا۔ کئی گھنٹے اسلامی

موضوعات پر ہم لوگوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ باجی کو بڑی خوشی تھی کہ میرے دوستوں میں حافظ ایاز الدین فاروقی۔ مولانا سمیع اللہ ندوی مولانا عبدالرشید ندوی مدنی جیسے حفاظ و علماء شامل ہیں اور میری اہل علم سے وابستگی ہے وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ صاحب علم کا احترام کیا کرو۔ میری بہن ایک اچھی قلمکار بھی تھیں ایک زمانہ میں وہ "خاتون دکن" نامی ماہنامہ نکالا کرتی تھیں۔ جس کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ اُس زمانے میں بڑی باجی کی تحریری صلاحیتیں بڑی عروج پر تھیں۔

باجی عصری تعلیم کی قائل تھیں وہ علم کو ایک اکائی مانتی تھیں اور اس کی تقسیم کی قائل نہ تھیں عصری تعلیم دلانے کے ساتھ باجی کی یہ خواہش بھی تھی کہ بچے اندھیروں سے نکل کر اُجالوں کی سمت رخت سفر باندھنے کی آرزو کریں۔

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے باجی نے بچوں کے لئے ایک چھوٹی سی لیکن بڑی ہی دلآویز کتاب "آؤ اقبال سے ملیں"۔ لکھی جس کو اقبال اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کیا اُس کے چند نسخے انہوں نے مجھے اپنے دوستوں کو دینے کے لئے بھجوائے تھے۔ میں نے اُس کتاب کی ایک کاپی اختر الزماں ناصر صاحب کو بھی دی اس پر انہوں نے تبصرہ لکھا جو باجی کو اُن کی وفات سے پہلے مل گیا تھا اور خود تبصرہ نگار کی زندگی کا بھی یہ آخری تبصرہ تھا اس کے بعد اُن کا بھی انتقال ہو گیا۔

اپنی کتاب کو باجی نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے نام منسوب کیا
تھا یہ انتساب ماں کی طرف سے بچوں کے لئے بہترین قابلِ فخر عطیہ و تحفہ تھا
باجی اپنے بچوں کو اور دوسرے بچوں کو اقبال کی نظم "لب پہ آتی
ہے دعا بن کے تمنا میری" ترنم سے پڑھواتی تھیں۔ اس دعا کی تاثیر
ہے آج بھی لوگوں کی آنکھوں سے آنسو آبل پڑتے ہیں جس ماں نے بچوں کی
تربیت کے لئے ایسے کچھ سامان کئیے ان کی تربیت کا کیا عالم ہوگا اور
خود میری یہ دعا ہے کہ اُن کے بچے اور ہمارے بچے اس نظم کے مصداق
بنیں اور اللہ تعالیٰ میری بہن باجی کو جنت الفردوس میں داخل کرے
اور اُن کے درجات کو بلند فرمائے۔

(آمین)

- ڈاکٹر ثمینہ اریب
- ڈاکٹر سمیرا اسماء

ماں

وارد جہاں ہوتے ہی جس مشفق ہستی کے لمس کا سب سے پہلے احساس ہوا۔ وہ "ماں" ننھی قدرت نے جب بولنا سکھایا تو ہماری زبان سے سب سے پہلا لفظ جو نکلا ہوگا وہ ماں ۔ ماں ۔ ماں ہی ہوگا ۔ شبِ تاریک اور ہنگامۂ سحر کی پرواہ کیئے بغیر ماں نے ہمیں اپنی آغوش میں پناہ دی ۔ ہماری بے زبانی کے باوجود ہماری بھوک پیاس اور ضرورت کو سمجھا ۔ ممتا کی نظروں میں یہی تو گہرائی اور گیرائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ہر ضرورت، ہر احساس، ہر کیفیت کو بخوبی سمجھ لیتی ہے پالنے سے نکل کر پاؤں پاؤں چلنے تک ہماری ہر صعوبت کے ساتھ ہماری تربیت کا بھی آغاز ہوا ۔ اُن کی دی ہوئی تربیت ہی نے ہماری شخصیت کو بنایا اور سنوارا ۔ آج ہمارا یہ وجود اپنی ماں کا ہی رہینِ منت ہے جانے کتنی راتیں جاگ کر انہوں نے کاٹی ہوں گی ؟ جانے ہمیں کتنا سنبھالا ہوگا جانے کتنی دعائیں مانگی ہوں گی اس کا نہ شمار کیا جا سکتا ہے نہ ہی حق ادا

کیا جا سکتا ہے۔
زندگی کو برتنے کا سلیقہ۔ دشوار گذار راستوں پر چلنا ہم نے
انہی سے سیکھا۔ مسائل کو سلجھانے کا شعور۔ رشتوں کے احترام کا انداز
چھوٹوں سے شفقت کا سلوک۔ مشکلوں اور پریشانیوں میں ہمت و
صبر کے ساتھ دوسروں سے دکھ بانٹنے کا طریقہ یہ سب کچھ ہم کو انہوں
نے ہی سکھایا۔ ہماری شرارتوں اور بیجا ضدوں نے انھیں کبھی
شاکی نہیں بنایا۔ وہ بیک وقت ممتا کی مورت اور دوست بھی تھیں
چارہ گر بھی اور محسن بھی۔ امتحان کے لئے ہم جاگتے اور وہ ہمارے
ساتھ جاگتیں۔ ہماری کامیابی پر ہم سے زیادہ مسرور ہونے کے ساتھ
ساتھ وہ پرسکون بھی رہتی تھیں جس وقت ہم دونوں بہنوں نے کلینک
کھلوایا۔ اس وقت اُن کی کیفیت دیکھنے کی قابل تھی۔ ہماری ترقی گویا
اُن کی ترقی تھی۔ ہم لوگوں نے گویا اُن کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کر دی
تھی۔ اسماء اور اویس بھیا باہر SETTLE ہو گئے تھے اس بات کا انہیں
دکھ ضرور تھا مگر زبان پر شکایت نہ تھی۔ ہم تینوں کو وہ ٹوٹ کر چاہتی
تھیں۔ انھیں اویس بھیا کے ٹیلی فون کا بھی بڑی بے چینی سے انتظار رہتا
تھا۔ ہماری خالائیں اور ماموں کہتے ہیں کہ ہماری ماں بہت کم گو اور
خاموش طبیعت کی مالک تھیں اکثر خاندان کے افراد انھیں مغرور سمجھتے تھے
وہ جہاں بھی رہیں جس رنگ میں بھی رہیں انھیں کبھی دوسرے کے نقش قدم

کی تلاش ہوتی تھی بلکہ اپنی راہ انہوں نے خود ہی نکالی اور دوسروں کے لیئے اپنے نقش قدم رہنمایانہ انداز میں چھوڑے۔ آج ہم لوگ جو کچھ بھی ہیں سب اُن ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے جو کچھ بھی پایا اُنہی سے حاصل کیا۔ جتنی رہنمایاں ملیں انہیں سے ملیں۔ ساری رونقیں اُنہی کے دم سے تھیں۔ اب وہ ہم میں نہیں ہیں اُن کی صرف یادیں ہی یادیں ہیں ۔ اور ہم ہیں ۔ افسوس اس بات کا ہے کہ وہ ہمیں مسیحا سمجھتی تھیں لیکن ہماری مسیحائی ان کی مہلک بیماری میں کوئی کام نہ آسکی۔ اور فرشتۂ اجل اُن کو ہم سے چھین لے گیا۔

پروفیسر حبیب ضیا

محترمہ صالحہ الطاف

(مدیر ماہنامہ خاتونِ دکن)

صالحہ الطاف نے حیدرآباد کے ایک علمی ادبی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ان کے والد محترم احمد سعید صاحب علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ وارڈی گلبرگہ شریف میں سنگ سیلو کے بڑے تاجر تھے۔ ممتاز صحافی روزنامہ "میزان" اور "آواز" کے مدیر جناب حبیب اللہ اوج صالحہ الطاف کے حقیقی چچا ہیں۔ ان حضرات سے ادبی ذوق ورثے میں ملا ہے۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ مفید الانام سے حاصل کی۔ عربیہ اسکول معظم جاہی مارکٹ سے میٹرک کامیاب کیا۔ یونیورسٹی کالج فار ویمن جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کر رہی تھیں کہ اسی دوران سید الطاف حسین انجینئر انڈین ایر لائینس سے ان کی شادی ہوئی۔ الطاف حسین علم دوست اور علم نواز شخصیت کے حامل ہیں۔ صالحہ الطاف کے اعلیٰ تعلیم کے حصول میں ان کا مکمل تعاون رہا۔ تینوں بچے سید ادریس سرمد

ڈاکٹر نوشینہ اریب، اور ڈاکٹر سمیرا اسما ماں باپ کی خصوصی توجہ اور دلچسپی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ، صبیحہ سلطانہ مرحومہ، ڈاکٹر صابرہ سعید اور عذرا سعید بہنیں ہیں سبھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور خاندان کا نام روشن کیا بھائی سلطان محمود اور صمد فاروقی بھی اعلیٰ تعلیمی قابلیت کے حامل ہیں صالحہ الطاف کو زمانہ طالب علمی ہی سے اردو ادب سے فطری لگاؤ تھا۔ وہ مختلف ادبی مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات حاصل کرتیں۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے اور ڈرامے بھی۔ وہ اچھی خاکہ نگار بھی تھیں۔ ادبی جلسوں میں مضامین پڑھنے کے علاوہ ماہنامہ "خوشبو کا سفر" اور دیگر ماہناموں میں مضامین" افسانے اور خاکے شائع ہوئے۔ آل انڈیا ریڈیو سے کئی مضامین نشر کئے گئے۔ بہترین صحافی تھیں۔ ۱۹۶۲ء میں ماہنامہ خاتونِ دکن کا اجرائی عمل میں آیا۔ اس رسالے کی اشاعت کی ساری ذمہ داری جناب صلاح الدین نیر کو سونپی۔ مہذب، شائستہ خاتون نے منہ بولی بہن کے رشتے کے تقدس کو دمِ آخر تک نبھایا۔ نیر صاحب ان کا اور ان کے افرادِ خاندان کا احترام کرتے ہیں۔ ماہنامہ خاتونِ دکن بارہ سال تک پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ لیکن جب الطاف صاحب دوحہ قطر چلے گئے تو صالحہ الطاف ان کے ساتھ دوحہ قطر منتقل ہوئیں۔ اور اس طرح ماہنامہ

خاتونِ دکن کی اشاعت مجبوراً روک دینی پڑی۔ لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ الطاف صاحب کے ساتھ کئی بیرونی ممالک کا سفر کیا اور اپنے تاثرات کو سفرناموں کی شکل دی۔ ادبی خدمات کے صلے میں ۱۹۹۵ء میں اندرا گاندھی نیشنل یونیٹی ایوارڈ سے نوازا گیا۔" آؤ اقبال سے ملیں" محترمہ کی گراں قدر تصنیف ہے جو جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انہوں نے بہت ہی سلیس اور عام فہم زبان میں اقبال کی حیات اور شاعری کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اقبال اکیڈیمی کی جانب سے شائع ہونے والی یہ انیسویں کتاب ہے ستی صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مصنفہ نے اپنے بچوں کے نام معنون کیا ہے۔ محمد ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی، حیدرآباد نے کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب بچوں اور نوجوانوں کو اقبال کی زندگی اور ان کے پیام سے واقف کروانے کے لئے لکھی گئی ہے ساتھ ہی اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کے حالات زندگی، خاندان وغیرہ کی تفصیل دے کر بچوں کو بتایا جائے کہ اقبال نے عظیم مرتبہ کیسے حاصل کیا۔ کتاب کے نو ابواب ہیں۔ اقبال کا خاندان، گھر کا ماحول، شخصی زندگی کے چند پہلو، اقبال کے اساتذہ، شاعری اور تصانیف، علالت اور انتقال، بچوں کے لئے اقبال کی نظمیں، اقبال کا پیغام

نوجوانوں کے نام" ہندوستان کی آزادی میں اقبال کا حصہ۔ اِن عنوانات کے تحت صالحہ اطاف نے بہت ہی آسان زبان میں مواد پیش کیا ہے۔ آخر میں حوالے کی کتابوں کا ذکر ہے۔

بہت کم اصحاب جانتے ہوں گے کہ صالحہ اطاف مرقع نگاری کی بھی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ مرقع چغتائی سے متاثر ہو کر انہوں نے "آؤ اقبال سے ملیں" کتاب میں چند مرقعے بنائے ہیں جو نوجوانوں کے لئے پیام اقبال کے عکاس ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" اردو ادب میں خاصہ اضافہ ہے امید کہ نوجوان نسل اس سے بھرپور مستفید ہوگی۔

صالحہ اطاف میری مخلص دوست ہیں۔ زمانۂ طالب علمی ہیں ویمنس کالج میں گفتگو ہوا کرتی۔ ادارۂ ادبیات اردو (شعبۂ خواتین) ادارہ میرا شہر میرے لوگ' محفلِ خواتین اور تہنیت نشاراں وزارت رسول خان کی رہائش گاہ شاہ منزل میں منعقد ہونے والی ادبی محفلوں میں اکثر انھیں سننے اور ملاقات کے مواقع ملتے تھے۔ نجی محفلوں میں بھی ملاقات ہوتی۔ افرادِ خاندان کا حال پوچھتیں۔ چہرے پر مسکراہٹ لیئے وہ مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کرتیں۔ آواز دھیمی اور پرکشش۔ خاص بات یہ کہ میں نے انھیں کبھی کسی کی برائی کرتے نہیں سنا۔ چند ماہ قبل ایک ادبی محفل میں ان کی صحت کے بارے میں استفسار کیا۔

کہنے لگیں۔ پاؤں کا آپریشن کروانا ہے ڈاکٹرس وزن کم کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اس تاکید کا ذکر وہ جس اطمینان سے کر رہی تھیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیماری کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش جانتی تھیں۔ تبھی تو کسی وقت بھی تکلیف کا ذکر نہیں کیا۔ حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا۔ بس خاموشی سے دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔ جنازہ اٹھا تو سبھی کی آنکھیں اشکبار تھیں بچے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ صالحہ الطاف کے افسانے "یادوں کے بندھن" کے ان فقروں کو دہرا رہے ہوں۔

"زندگی کا یہ طویل سفر۔ راہیں کٹھن، اس بحرِ بیکراں میں ہم تنہا۔ ہمیں تمہارے سہارے کی ضرورت تھی ماں۔ ہمارے بیدمنٹ ماں کے مقدس سفط پکارنے کے لئے بے قرار، ہمارے کان تمہاری آواز سننے کے لئے بے چین، کتنا دل شکن حادثہ کیسے بھلائیں کس طرح بھلائیں ۔۔۔؟"

یہ دل شکن حادثہ صالحہ الطاف کے افرادِ خاندان کے لئے بھی ہے اور حیدرآباد کے ان تمام دانشوروں کے لئے بھی۔ جو ادبی محفلوں میں ان کی کمی کی شدت محسوس کریں گے۔ خدائے تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت کرے اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

فریدہ زین

صالحہ الطاف صحافت کے آئینے میں

اُردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ نہ صرف شعر و ادب بلکہ صحافت کے ذریعہ بھی اُس نے دلوں کو جوڑا، ذہنوں کو جھنجھوڑا، خلوص و محبت کا پیغام دیا وقت کی نبض کو پہچاننے کا گُر سکھایا۔ اربابِ اقتدار کے کچے چٹھے کھولے بے باکی کو شعار بنایا اور حق گوئی پر نثار ہونے کا شیوہ عطا کیا۔

اُردو صحافت کی کہانی مولوی محمد باقر سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد اس ضمن میں محمد حسین آزاد، عبداللہ انصاری، محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان مولانا آزاد، عبدالماجد دریاآبادی، نیاز فتح پوری کے نام قابلِ ذکر ہیں شعروادب کی طرح صحافت میں خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

دکن کی صحافت میں صالحہ الطاف کا نام قابلِ ذکر ہے جنھوں نے رسالہ "خاتونِ دکن" کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا جس کا افتتاح ۹ دسمبر سنہ ۱۹۶۲ کو ہوا۔ ڈی این سداکشمی وزیر اوقاف نے اس کا رسم اجراء انجام دیا۔

سنہ ۱۹۶۲ نومبر کے اداریہ میں صالحہ الطاف نے اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا "خاتونِ دکن کے اجراء کا مقصد صرف اردو ادب کی

آبیاری اور ادب میں ترقی پسند تحریک کی آئینہ داری ہی نہیں بلکہ انسانیت نواز، زندگی اور حقیقت افروز ادب کی نمائندگی بھی ہے۔" آگے چل کر وہ لکھتی ہیں۔ "خاتونِ دکن کی اشاعت کا مقصد صالح لٹریچر کی اشاعت دیگر زبانوں کے شاہکار ترجموں کے ذریعہ اُردو میں لانا، نابیغات کے ذریعہ لٹریچر کی ترقی تھا۔"

صالحہ الطاف نے زندگی کو سعی پیہم اور جہد مسلسل کا نام دیا۔ ان کے نزدیک زندگی ایک سفر ہے جس میں لڑکھڑا کر، سنبھل کر مشکلات کا سامنا کر کے قدم آگے بڑھانا پڑتا ہے۔ اس بات کی تصدیق خاتونِ دکن کی اشاعت سے ہوتی ہے۔

انہوں نے وقت کی اہمیت اپنے ایک اداریہ میں یوں لکھی۔ "آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم وقت کی آواز کو سمجھیں، زندہ قومیں صدائے وقت سے بے خبر نہیں رہتیں۔"

"آوازِ جرس" کے کالم میں نامور ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور دانشوروں کے تعریفی خطوط اس بات کا ثبوت ہیں کہ خاتون دکن کی رونمائی اُن کے دلوں پر اثر انداز ہوئی۔ جو صالحہ الطاف کی ذہنی کاوشوں اور بلند ذوق کی حامل ہے۔

اُردو میں کسی رسالے کا نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں پھر اس کی ترتیب و تزئین بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے انگوٹھی میں نگینوں کی طرح مضامین کو جڑا جاتا ہے۔ اپنے حسن ترتیب سے صالحہ الطاف نے خاتون دکن کو بڑی حد تک قابلِ رشک بنایا۔

ہر زبان کا ادب اپنی قوم کا سرمایہ ہوتا ہے اس لیئے اس کی حفاظت ضروری ہے صالحہ الطاف اُردو کی سچی خدمت گار تھیں۔ محترمہ نے جولائی ۱۹۶۵ء کے شمارے میں اپنے احساس کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا۔

"ہر ادب اپنے ماحول کی عکاسی کرتا ہے اور وہ حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔۔۔ آج ہمیں نئے ادب کے ساتھ پرانے ادب پر بھی توجہ کرنی چاہیئے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اردو زبان و ادب کے خدمت گذار اور اشاعتی ادارے وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کریں۔"

صالحہ الطاف زندگی کی اچھی نباض تھیں۔ زندگی کے مختلف زاویوں کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ دل درد مند ہو تو دوسروں کے لئے سود مند ہو جاتا ہے ان کے احساس میں ایسے ہی درد کی تپش تھی۔ ادب اور زندگی سے ان کا سچا ناطہ تھا وہ اس بات کو بخوبی جانتی تھیں کہ ادب حیاتِ انسانی کا ترجمان ہے زندگی کے بدلتے اقدار کے ساتھ ادب رواں دواں رہتا ہے انسانی فکر اور احساس حالات کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور قلمکار بھی اپنے ماحول سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

صحافت کا اولین اصول اس کی مخلصانہ بے لاگ خدمت ہے۔ صالحہ الطاف نے صحافت کے میدان میں اپنی نیک نیتی کو ظاہر کیا۔ وہ لسانی تعصب سے کوسوں دور تھیں۔ خاتونِ دکن میں دوسری زبانوں کے تراجم بھی شائع ہوئے ہیں جو اِس بات کا ثبوت ہیں۔

خاتونِ دکن کو ہندو پاک کے ممتاز ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کا مکمل تعاون حاصل رہا

انہوں نے دلوں سے دلوں کو جوڑنے کا عزم رکھا۔ ہندو پاک کے فاصلوں کو تحریروں کے ذریعہ دور کرنے کی پوری سعی کی۔ صالحہ الطاف کو قلم کاروں کے جہادِ مسلسل کا اندازہ رہا۔ انہوں نے اپنے سالنامے نومبر ۱۹۶۳ء میں لکھا۔ "یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ فنکار کو کبھی بھی اور کسی بھی دور میں پھولوں کی سیج میسر نہ آسکی۔ ایسے ادیبوں اور شاعروں نے اپنا خونِ دل دے کر ملکی، سماجی، اخلاقی اور زندگی کی قدروں کو سنوارا، ہمیں ان کے مسائل کو سمجھنے کی ضرورت ہے

اردو زبان و ادب کی بقاء صالحہ الطاف کا مطمعِ نظر رہا۔

وہ اس کے لئے زور دیتی رہیں۔ سالنامے کے اداریے میں لکھا۔

"ہمارا ادب جن مراحل سے گذر کر ہم تک پہونچا ہے اس کے لئے اردو کے خدمت گذاروں نے اپنی عمریں گذار دیں تاکہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے ہم پلہ رہیں۔"

اردو صحافت کا فرض اولین زبان اردو کی سجاوٹ ہے۔ مگر انقلاب وقت کے ساتھ سجاوٹ اور آرائش کے سامان بھی گئے۔ حالات بدلے، افکار بدلے، ذہن بدلا، نظریۂ خیالات بدلا، معیشت کے جال میں الجھ گیا۔ مگر بے باک صحافی حق گوئی کا لبادہ اوڑھ کر کردار پر چڑھ جاتا ہے۔

صالحہ الطاف اپنے اداریئے میں لکھتی ہیں۔ "آج ہمارا ملک جنگ بازوں سے برسر پیکار ہے تو ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے ملک اپنی قوم اور وقار کی حفاظت کریں۔" آگے چل کر لکھتی ہیں ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں کے تمام باشندوں کو بلا امتیاز قوم و مذہب، نسل و زبان سارے شہری حقوق حاصل ہیں روزگار و تعلیم کا حق، تحریر و تقریر کا حق حاصل ہے... آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمارے قائدین نے قوم کی اہم ترین ضرورت کے تحت سب سے پہلے توجہ کی اور ایک ایسا مکمل دستور بنایا گیا جس پر بجا طور پر فخر ہے یہ اور بات ہے کہ اس دستور کی موجودگی میں بھی نظم و نسق کی خامیاں اور عاملہ کی غیر دانشمندی اس حسین جمہوریت کے چہرے پر بدنما داغ کی طرح ظاہر ہوتے ہیں جن کی طرف دانشورانہ قوم کو توجہ کرنا ضروری ہے۔"

یہ امر درست ہے کہ خواتین کی بیداری ملک و قوم کی بیداری ہے

بھاگ متی، حیات بخشی بیگم اور چاند بی بی کے اس وطن میں ایسی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بھی پیدا ہوئیں ہیں جنھوں نے سماجی، سیاسی، تہذیبی، تعمیراتی ترقیاتی میدان میں لازوال کارنامے انجام دیئے۔ گو آج صالحہ الطاف ہمارے درمیان نہیں مگر ان کی شخصیت اور اُن کا کام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آج کا دور انقلابی دور ہے معاشرہ پرانے اقدار سے محروم ہو چکا ہے۔ خواتین کا ذوق آرائش جمال کی طرف ہو گیا ہے آج ضرورت ہے اس بات کی کہ نسوانیت اپنے وقار اور عظمت کو پہچانے اپنے مقصد کو جانے۔ اچھی بیٹی اچھی بیوی بن سکتی ہے اور اچھی بیوی اچھی ماں۔ ماں معاشرے کو جنم دیتی ہے صحت مند معاشرہ ملک و قوم کی ترقی میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

اچھے اور معیاری رسائل کی تعداد کم ہو رہی ہے لوگ تحفتاً ان رسائل یا کتابوں کی آرزو کرتے ہیں۔ ویسے خواتین کے لئے ملک کے دیگر شہروں سے رسائل شائع ہو رہے ہیں مگر دکن میں بالخصوص خواتین کے لئے اب کوئی رسالہ نہیں چھپتا ــــــ "خاتون دکن" سب کو بھایا۔ سراہا گیا۔ صالحہ الطاف جب بیرونی ملک چلی گئیں تو اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس کی از سر نو تشکیل و تزئین ہوتی اور یہ دوبارہ منظر عام پر آسکتا۔ سرپرست، ہمت، جراءت اور جذبۂ خدمت کی ضرورت ہے "خاتون دکن" کو نیند سے بیدار کرنے کے لئے توانائی

دکن کے اشتراک اور عملی تعاون کی ضرورت ہے۔

کاش کوئی دختر دکن اس خواب کی تعبیر بنے تاکہ صالحہ الطاف کی روح کو اس کار خیر سے تسکین حاصل ہو سکے۔ جو ایک بے لوث جذبے کے ساتھ اس میدان میں آئی تھیں۔

میں محترمہ صالحہ الطاف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مغفرت کی دعا کرتی ہوں اور ساتھ ہی پر امید ہوں کہ کوئی اور ان کی تشنہ آرزو کی تکمیل کرے۔

محترمہ نے "آؤ اقبال سے ملیں" تحریر کرکے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ وقیع مسئلے کو بھی دلچسپ بنا سکتی ہیں۔ اس کتاب کو بڑی پذیرائی ملی۔ ایک اور کتاب بہادر یار جنگ کی سوانح و حیات پر مشتمل تحریر کے دور میں تھی کہ موت کے ظالم پنجے نے ان کے قلم کو ساکت کر دیا۔ امید کہ اس کتاب کو بھی بعد از تکمیل دنیائے ادب میں لایا جائے گا میری نیک تمنائیں ان کے اس ادھورے مشن کے ساتھ وابستہ ہیں

امِ سلمیٰ ثریا / اُمِّ کلثوم فیاض

صالحہ آپا

صالحہ آپا پیدا ہوئیں اور ہم سے جدا ہو جائیں گی یہ کبھی سوچا نہ تھا دل یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے کہ آپا ہم سے رخصت ہو چکی ہیں۔

صالحہ الطاف ۔ اس نام کے ساتھ ہی ایک خوشگوار شبیہ ذہن پر دستک دینے لگتی ہے چمپئی رنگت ۔ گہری ابروؤں کے سایہ میں معصوم سی ذہین و فطین آنکھیں۔ ان کی مسکراہٹ بالکلیہ بچوں سے مشابہت رکھتی تھی۔

نرم گو۔ نہایت ہی شائستہ ۔ بے پناہ صلاحیتوں کی حامل پہلی دفعہ ٹیلی فون پر ان کی آواز سنی تو لگا کوئی معصوم سی لڑکی بول رہی ہو اس بات کا تذکرہ میں نے جب آپا سے کیا تو مسکرائیں۔

وہی دلنواز حسین مسکراہٹ۔ جیسے ہزاروں چراغ جل اٹھے ہوں۔

خاتون دکن کی مدیرہ کی حیثیت سے خط و کتابت بھی رہی ۔ ملاقات کا شرف بہت دنوں بعد محفل خواتین کے پروگرام میں ہوا۔

نیر بھائی (جناب صلاح الدین نیر) صالحہ آپا اور خاتون دکن کا یہ خوشگوار
تکون بہت عمدگی سے چلتا تھا۔ اکثر بیشتر میری کہانیاں بھی شائع ہوتی
تھیں۔

خاتون دکن اپنی طرز کا ایک خالص ادبی رسالہ تھا جو کم و بیش ۱۲
سال شائع ہوتا رہا۔ تمام تخلیقات کا انتخاب صالحہ آپا اور نیر بھائی
کرتے۔ اداریہ آپا لکھتیں کبھی نیر بھائی بھی لکھتے۔ بہرحال ترتیب و
تزئین دونوں کی مشاورت سے ہوتی۔ صابرہ کے ذمہ بہترین شعروں
کا انتخاب تھا اور سرورق کے ڈیزائن تیار کرتیں۔

صالحہ آپا۔ شعر و سخن کا نہایت عمدہ اور نکھرا ذوق رکھتی تھیں
ان کی ہر ادبی کاوش ان کے ستھرے نکھرے مزاج کی آئینہ دار
تھی وہ ایک اچھی ادیبہ اور ڈرامہ نگار بھی تھیں۔ مجھ سے آخری ملاقات
کے دوران انھوں نے بتایا تھا کہ آج کل ان کا رجحان مذہبی تحریروں
کی طرف زیادہ ہو گیا ہے بس دل چاہتا ہے اب جو کچھ لکھوں اس میں
اللہ کی خوشنودی بھی ہو۔" آؤ اقبال سے ملیں" بچوں کے لئے ان کی
تحریر کردہ کتاب نہایت سلیس اور آسان زبان میں سادہ الفاظ سے
مزین ہے جس میں بڑی ہی خوبصورتی سے اقبال کا تعارف کروایا گیا ہے
صالحہ آپا نے جہاں سالہا سال اپنی تحریروں سے متاثر کیا ہے وہیں
اپنے خلوص کی خوشبوئیں بھی بکھیری ہیں شرافت نفس کو ان کے مزاج کی

تعلقات اور روابط کی پاسداری نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا۔ وہ بے حد نفیس اور پُروقار شخصیت کی مالک تھیں۔ منہ سے پھول جھڑنا محاورتاً سنا تھا صالحہ آپا اس کی جیتی جاگتی مثال تھیں۔ نہایت متوازن مزاج سنجیدہ طبیعت پائی تھی۔ شائستگی، انسان دوستی، شخصیتوں کا احترام ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

صالحہ الطاف نے تیر بھائی کی کتاب "بھرتی پرچھائیاں" کی رسم اجراء پر جن الفاظ میں اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کیا تھا اس سے زبان کی شیرینی اور لطافت اپنے آپ اجاگر ہو جاتی ہے صالحہ الطاف کے اس مخصوص انداز بیاں کو خواتین دکن ہمیشہ یاد کریں گی۔

"پھولوں کا کھلنا ایک آغاز ہی نہیں ایک علامت بھی ہے۔ انھیں پھولوں سے رشتہ ہے زخموں سے الفت ہے۔ رشتوں کی مہک جو ضبط و قرار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے۔ بولتے ہوئے الفاظ کے ذریعہ زندگی کے اُتار چڑھاؤ۔ وقت کی دھوپ چھاؤں میں انھوں نے چلتی پھرتی پرچھائیاں تراشی ہیں۔

ایک ایک کر کے پرندے اُڑ رہے ہیں شاخ سے
ایسا لگتا ہے کہ جیسے موسم گل جائے گا

سیدہ مہر

صالحہ الطاف

(اردو کی نامور صحافی و ممتاز ادیبہ)

اردو کی ایک نامور صحافی اور ممتاز ادیبہ صالحہ الطاف کی موت
دنیائے ادب اور خاص کر طبقۂ نسواں کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے دکن
کی خواتین میں ان کو یہ فخر حاصل تھا کہ وہ ایک ادبی میگزین خاتون دکن
کی مدیرہ تھیں جو ۱۲ سال تک برابر جاری رہا۔ صلاح الدین نیر اس کے
اعزازی مدیر تھے جو پوری ذمہ داری اور پابندی سے رسالے کی اشاعت
میں حصہ لیتے۔ انہیں صالحہ اپنے حقیقی بھائی کی طرح عزیز رکھتیں۔ اس
مقدس رشتے کو دم آخر تک نبھایا۔ جب وہ اپنے شوہر الطاف صاحب
کے ساتھ دوحہ (قطر) چلی گئیں تو مجبوراً یہ پرچہ بند کرنا پڑا۔ "میرا ادبی
سفر" میں اس رسالے کے بارے میں لکھتی ہیں۔ "خاتونِ دکن کا پہلا
شمارہ ۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آیا جس کی رسم اجرا رویندرا بھارتی تھیٹر میں
اس وقت کے گورنر کے ہاتھوں انجام پائی۔ ماہنامہ خاتونِ دکن ایک ادبی

رسالہ تھا اس میں جو تخلیقات شائع ہوئیں وہ اکثر ٹائپسٹ ہوا کرتیں
اس میگزین کے کئی نمبر شائع ہوئے۔ غزلیات نمبر، افسانہ نمبر اور مزاحیہ نمبر
خاص بات یہ تھی کہ نہ صرف حیدرآباد بلکہ بیرون حیدرآباد کے قلمکاروں
کی تخلیقات بھی شائع ہوتی رہیں۔ اور اپنے اعلیٰ معیار کا لوہا منواتی
رہیں۔ صالحہ آپا ایک علمی گھرانے کی چشم و چراغ تھیں۔ ان کے والد
احمد سعید علیگ شیخ پور فارغ التحصیل تھے بچپن میں انہیں اقبال اور مولانا
روم کے بارے میں معلومات بہم پہونچاتے اور کلام اقبال یاد کرواتے۔ ان
کے چچا حبیب اشرف ادیب ایک ممتاز صحافی تھے۔ میزان اور روزنامہ
آواز کے ایڈیٹر تھے ہوسکتا ہے کہ صحافت کا شوق انہی کی وجہ سے پیدا
ہوا ہو۔ صالحہ نے عبدالانام ہائی اسکول اور عزیزیہ اسکول میں تعلیم پائی۔
پھر جامعہ عثمانیہ کے ویمنس کالج سے گریجویشن کی تکمیل کی زمانہ طالب علمی
ہی سے انہیں ادب سے گہرا لگاؤ تھا جو عمر کے ساتھ پروان چڑھ کر دم
آخر تک قائم رہا۔ پریوں کی کہانیوں سے لے کر زندگی کی تلخ حقیقتوں
تک کی کہانیاں لکھیں۔ اسکول اور کالج میں تقریری مقابلوں مباحثوں
میں حصہ لے کر نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ اکثر جلسوں میں مضامین
پڑھے۔ خاکہ نگاری کی۔ افسانے اور ڈرامے لکھے۔ آل
انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کے پروگراموں میں حصہ لیا اپنے قیام
دوحہ کے زمانے میں ایک اسکول میں اڈمنسٹریٹر اور ہیڈمسٹریس رہیں

وہاں کے آردو سروس کے پروگراموں میں بھی حصہ لیا۔

ان کے سرگرم اور بھرپور خدمات کے صلے میں ۱۹۹۵ء میں انہیں بسٹ جرنلسٹ / رائٹر کے عنوان سے انکیتا میں اِمکیا اندرا گاندھی نیشنل یونیٹی ایوارڈ سے نوازا گیا جناب شیو شنکر گورنر سکم کے ہاتھوں اس ایوارڈ کی پیشکش کی گئی۔

سیاحت سے انہیں بے حد دلچسپی تھی ہندوستان کے کئی شہروں کے علاوہ فرانس کے صدر مقام پیرس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، لندن اور امریکہ میں نیویارک، واشنگٹن اور اٹلانٹا گھوم پھر کر وہاں کے حالات اور مشاہدات کو عمدگی سے قلم بند کیا ہے سفر کے اس وسیع تجربے نے زندگی کو پرکھنے اسے برتنے اور نبھانے کا خاص سلیقہ عطا کیا۔ ان میں نرم و نازک احساس پرورِ خیال غموں کو سہنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا وہ دوسروں کے دکھوں کو اپنا ہی دکھ سمجھتیں حالات سے سمجھوتہ کرنے کا میڑا اچھا ملکہ حاصل تھا۔ اپنی ان صلاحیتوں کی وجہ سے وہ بہت ہر دلعزیز تھیں۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک میٹھی مسکراہٹ بکھری رہتی جس کی دل آویزی کا سب کو اعتراف ہے جب بات کرتیں تو نہایت دھیمے لہجے میں جس کا مخاطب پر خوشگوار اثر ہوتا۔ ان کی ذات میں محبت اور خلوص توام تھے۔

ان کے رشحاتِ قلم ایک طویل مدت سے رسائل جرائد اور اخبار وں

میں شائع ہوتے رہے۔ ان نگارشات سے اپنی ایک منفرد شناخت بنالی تھی۔ ان کے مضامین اور افسانوں میں یادوں کے بندھن' صلاح الدین نیر کی قلم سے (نیر صاحب کی زندگی فن اور شخصیت) عزیز استاد صبا کی موج صبا اور اطہر فضاری کی "راہ گزر سخن" پر تبصرے ماونٹ بلنک (اویس اور مریم کے ساتھ ایک یادگار سفر) کیا کھلونے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ پھول کھلے ہیں گلشن گلشن' سہاگ رات بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے' میرا ادبی سفر بے حد خیال افروز اور دلچسپ ہیں وہ لکھتی ہیں کہ انہیں پینٹنگ اور ڈرائینگ سے دلچسپی تھی۔ ان کا اسلوب سلیس سادہ اور دلکش تھا۔

صالحہ کو بچوں کے ادب سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ آؤ اقبال سے ملیں علامہ اقبال پر ایک خوبصورت تصنیف ہے اپنے اختصار کے باوجود بے حد اہم تصنیف ہے یہ کتاب اقبال اکیڈیمی کی جانب سے شائع کی گئی ہے سنا ہے کہ دو ایڈیشن ختم ہو گئے اب تیسرا زیر طبع ہے۔ نصاب میں داخل کرنے کے لئے مفید ہے کیونکہ اسے بچوں کے ذہنوں پر اقبال کا ایک جامع تعارف کہا جا سکتا ہے اب تک اقبال پر لکھی گئی کتابوں میں یہ ایک قیمتی اضافہ ہے۔

محفل خواتین میں جلسے کے اختتام پر اپنی اس آخری تصنیف کو تحفتاً کئی خواتین کو عنایت کیں اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ مجھ کو

بھی کتاب دیتے ہوئے کہا تھا " آپ اس پر کچھ لکھیئے " افسوس کہ ان کی زندگی میں اس خواہش کو پورا نہ کر سکی ۔ آج ان کی جدائی پر ان کے اوصاف حمیدہ اور اعلیٰ صلاحیتوں کو یاد کرکے ذہن و دل پر ایک بوجھ سا محسوس کر رہی ہوں ہم سب کو ان کی یاد ہمیشہ تڑپاتی رہےگی ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے اور بخششِ خاص سے نوازے ۔ آمین ۔



ڈاکٹر رفیعہ صدیقی تبسم

محترمہ صالحہ الطاف

محترمہ صالحہ الطاف مرحومہ کی چھوٹی ہمشیرہ ڈاکٹر صابرہ سعید صاحبہ ایم اے میں میری ہم جماعت رہ چکی ہیں اور صالحہ صاحبہ سے مجھے ایک عرصہ تک غائبانہ تعارف حاصل رہا لیکن ۱۹۹۶ء میں جب میں نے محفلِ خواتین میں ایک رکن کی حیثیت سے قدم رکھا تو مرحومہ سے ملاقات کے مواقع بھی ملتے رہے۔ ان مختصر ملاقاتوں سے میں نے جس قدر ان کی شخصیت کا جائزہ لیا ہے اسے پیش کرنا چاہوں گی۔

خاتونِ دکن کی مدیرہ اور خاتونِ دکن ہونا ہی ان کی شخصیت کا نمایاں جز رہا ہے اس ذمہ داری کے علاوہ بھی وہ مختلف تنظیموں سے وابستہ رہیں۔ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں، صالح نظریات اور بلند خیالی کی وجہ سے وہ حیدرآباد کی خواتین میں اعلیٰ وارفع مقام حاصل کر چکی تھیں۔ وہ ایک دردمند دل رکھتی تھیں، غالباً یہی وجہ تھی کہ ان کے لب و لہجہ میں سوز و گداز پایا جاتا تھا انھیں زندگی کے تلخ حقائق

باکجوبی اندازہ تھا۔ موصوف کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی رہا کہ وہ
پیکر تسلیم واقع ہوئی تھیں۔ ادبی ذوق رکھنے والی وہ کون ایسی
ہستی ہوگی جو ان سے واقف نہ ہوگی۔ موصوف سے جو بھی ملے وہ متاثر
ضرور ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ حیدرآباد کی تہذیب کی بے مثال نمونہ
تھیں انتہائی شفیق و مخلص واقع ہوئی تھیں۔ انھوں نے علامہ اقبال
کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اقبال کی شخصیت اور فن کو شعوری طور پر
سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ ان کی تصنیف "آؤ اقبال سے ملیں" خود ان
کی اپنی فن کارانہ کامرانی کی روشن دلیل ہے۔

مرحومہ صالحہ الطاف کا نسائی کردار بہ یک وقت شفیق ماں بہو
بیٹی وفادار بہن ایک جانثار بیوی اور اچھی دوست کا پارٹ ادا کرتی
رہی تھیں۔ ان کی وفات ان کے شوہر، اولاد اور افراد خاندان ہی
کے لئے ایک سانحہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگ ان کے لئے ملول و
سوگوار ہیں جو ان سے کسی بھی وقت کسی بھی حیثیت سے مل چکے ہیں
نسائی کردار سے متعلق عورت کے تقدس عظمت اور اہمیت کی وضاحت
کو میں اپنی سگی خالہ بشیر النساء بیگم بشیر کے چند اشعار کے ذریعہ
پیش کرتے ہوئے مضمون ختم کرنا چاہوں گی۔

قائم وجود زن ہی پہ غیرت ہے قوم کی ؛ ان ناتواں ہاتھوں میں تقدیر ہے قوم کی
عورت سے ہے مکان مکانوں سے شہر ہے ؛ شہروں سے ملک ملک ہے قائم بہ دہر

روزی معاش رزق کمانے میں کچھ نہیں ؛ عورت ہی جب نہیں تو زمانے میں کچھ نہیں

صالحہ الطاف صاحبہ ہم سے رخصت ہو گئیں لیکن اپنی گفتار اور وضع داری کے باعث آج بھی ہم میں موجود ہیں ۔

ڈ

مظفر النساء ناز

صالحہ الطاف

(ایک وضع دار نفیس خاتون)

زندگی کے مختلف شعبوں میں بعض حضرات کی طرح ہمارے معاشرہ کی بعض خواتین بھی جو اپنی عمدہ صلاحیتوں، رکھ رکھاؤ، اپنی شرافت و وجاہت، رواداری اور انسان دوستی کے لئے شہرت رکھتی ہیں ان میں سے ایک اہم نام صالحہ الطاف کا بھی ہے۔

صالحہ آپا نہایت معتبر، پُر وقار اور نرم گفتار خاتون تھیں۔ میں تبسّر بھائی کی معرفت صالحہ آپا کی شخصیت کی ہمہ رنگی خصوصیات سے واقف ہو چکی تھی جب وہ محفلِ خواتین کے جلسوں میں شرکت کرنے لگیں تو میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک پُر کشش شخصیت کی مالک ہیں ہر ایک خاتون ان کے قریب جانے، ان سے گفتگو کرنے کی متمنی تھیں۔ صالحہ آپا کا اندازِ گفتگو پُر اثر ہوتا تھا۔ اس انداز سے مخاطب کرتیں کہ لگتا تھا کہ وہ گفتگو نہیں کر رہی ہیں بلکہ ان کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ صالحہ آپا کی آواز میں مٹھاس تھی، کشش تھی ان کی آواز سے دل و دماغ کو ٹھنڈک پہونچتی تھی۔ یوں ویسے ان سے اس

وقت سے واقف ہوں جب وہ خاتونِ دکن شائع کرتی تھیں خاتونِ دکن
خالص ادبی رسالہ تھا بڑے سلیقے سے پرچہ نکالتی تھیں۔ کئی برسوں تک
صحافی کی حیثیت سے زبان و ادب کی خدمت کرتی رہیں۔ صالحہ آپا نے محفلِ
خواتین کے اجلاس میں کبھی صدر تو کبھی مہمانِ خصوصی، کبھی مضمون نگار تو
کبھی سامع کی حیثیت سے شرکت کرتی رہیں۔ ان کے مضامین سننے کے بعد
پتہ چلتا کہ یہ ایک منجھی ہوئی باصلاحیت ادیبہ ہیں پاک و صاف زبان
نپے تلے جملے اُن کے خیالات کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ پڑھنے کا انداز بھی بہت
ہی متوجہ کرنے والا ہوتا تھا۔ زبان و بیان پر انھیں قدرت حاصل تھی
کیوں نہ ہو ان کا سارا خاندان تعلیم یافتہ خاندان ہے ان کی تمام بہنیں
اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں چاہے وہ ڈاکٹر اختر سلطانہ ہوں کہ ڈاکٹر صابرہ
سعید اُردو ادب میں اپنا مقام رکھتی ہیں۔ صالحہ الطاف کی نثر پُر اثر
ہوتی تھی ان کے بعض مضامین روزنامہ سیاست میں بھی پڑھنے کو ملتے تھے
"خوشبو کا سفر" میں بھی تقریباً ۷، ۸ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

جس وقت مجھے صالحہ آپا کے انتقال کی خبر ملی تو میرا دل بیٹھ گیا۔
یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے صالحہ الطاف کے انتقال
نے ہم سب کو سوگوار کر دیا ہے صالحہ الطاف کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ان کی
ایک کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" ہے یہ کتاب صالحہ الطاف نے بچوں کے
لئے لکھی ہے بہت ہی معلومات آفریں کتاب ہے اقبال اکیڈیمی حیدرآباد

نے بڑے ہی اہتمام سے شائع کیا ہے مجھے معلوم ہوا تھا کہ صالحہ آپا نواب بہادر یار جنگ کی شخصیت پر بھی ایک کتاب لکھ رہی ہیں۔

صالحہ الطاف ایک خاص قسم کے رکھ رکھاؤ رکھنے والی مہذب خاتون تھیں۔ میں نے بہت سی خواتین کو دیکھا ہے لیکن صالحہ الطاف کی بات بالکل الگ تھی ان کی شخصیت کا ہر رنگ ہمارے لئے باعثِ صد افتخار تھا صالحہ آپا سے جب بھی ملاقات ہوتی بہت ہی مشفقانہ انداز میں ملتی تھیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے خوش ہوتی تھیں۔ اکثر ملاقاتوں میں عظمت عبدالقیوم بانی محفلِ خواتین کا ذکر ضرور کرتیں۔ صالحہ آپا کا ہر جملہ جو عظمت عبدالقیوم سے متعلق ہوتا تھا انھیں خراج پیش کرتا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صالحہ آپا کا انتقال بے وقت ہوا ابھی ان کی عمر اتنی نہیں ہوئی تھی کہ وہ آخرت کا سفر کریں۔ میری دعا ہے کہ خدا صالحہ آپا کو غریق رحمت کرے۔

لیاقت النساء

آہ! صالحہ الطاف

حسب معمول ۱۴ اپریل کی صبح میں اپنے گھریلو کاموں سے فارغ ہوکر
اخبار پڑھنے بیٹھی اور اوراق الٹ رہی تھی کہ میری نظر ایک دلخراش خبر
پر پڑی کہ صالحہ الطاف اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ اس خبر نے
مجھے حواس باختہ کردیا اور کچھ دیر کے لئے میں سکتہ میں آگئی۔ مرحومہ
کا چہرہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ ماضی کی کئی یادیں حافظہ میں تازہ ہوگئیں
صالحہ میرے بچپن کی ساتھی اور ہم ایک ہی اسکول کی طالبات
تھیں چونکہ وہ مڈل اسکول تھا مرحومہ نے ساتویں جماعت کامیاب
کرنے کے بعد دوسرے اسکول میں داخلہ لیا۔ لیکن ان کو وہاں میری
کمی کا احساس ہوا اور کچھ عرصہ بعد پھر جہاں زیر تعلیم
تھی میں بھی اسی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اس بات سے اندازہ ہوتا
ہے کہ ان کو مجھ سے کس قدر انس تھا۔ میٹرک کے بعد وہ اپنا تعلیمی سلسلہ
جاری رکھتے ہوئے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتی رہیں اور اپنی فیملی کا

خوب نام روشن کیا۔ مرحومہ کی والدہ بھی مجھے بے حد چاہتی تھیں اس طرح سے میں مرحومہ کی ایک فیملی ممبر کی حیثیت حاصل کر چکی۔

مرحومہ ایک نہایت ہی منکسر المزاج سنجیدہ اوصاف کی حامل تھیں علاوہ اُس کے وہ ایک اچھی دینی و ادبی ذوق کی مالک تھیں وہ آئے دن دینی و ادبی انجمنوں کی کاروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھیں۔ مرحومہ کی ادارت میں ایک رسالہ "خاتون دکن" بھی شائع ہوا کرتا تھا۔ مرحومہ نہ صرف ایک علمی حیثیت کی مالک تھیں بلکہ وہ امور خانہ داری بہ حسن خوبی انجام دیتی تھیں۔ شوہر کی خدمت کیا کرتیں۔ بھائی بہنوں کے ساتھ بھی ان کا نہایت منصفانہ سلوک تھا جب کبھی ہم کو فرصت ملتی ایک دوسرے سے مل کر خوب دل بھر کر باتیں کرتے اب میں ان صحبتوں سے محروم ہوگئی ہوں۔ لیکن جب بھی گزرے لمحات کو یاد کرتی ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کل ہی کی باتیں ہیں لیکن آہ۔ میں ان صحبتوں کے لئے ترستی ہوں۔

بہن صالحہ اگرچہ کہ ہم سب سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئیں لیکن ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہیگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

خطوط بہ سلسلہ آؤ اقبال سے ملیں

برادر محترم الطاف

السلام علیکم

امید کہ بفضل تعالیٰ مزاج بخیر ہوگا۔ برادر ریاض سے "آؤ اقبال سے ملیں" کی ایک کاپی دستیاب ہوئی۔ مطالعہ کیا۔ بے حد مسرت ہوئی "آؤ اقبال سے ملیں" جو تحفہ بھائی صالحہ الطاف نے اردو دال طبقے خصوصاً بچوں کو دیا ہے اس کے لیے وہ قابلِ مبارکباد ہیں آج کل کے تنگ معاش حالات میں جبکہ ہر آدمی ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ اس کے درمیان یہ ادبی تحفہ ایک تازہ ہوا کے جھونکے کے مانند ہے جس سے دماغ معطر ہو اٹھتا ہے ڈاکٹر اقبال کی شخصی زندگی کے تعلق سے بہت ساری باتیں جو ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی تھیں ان سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ اِن سب کے لئے بھائی صاحبہ کی کوشش رائیگاں نہیں گئی ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کے تعلق سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تاثرات سے

یہ خط ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔
مولانا نے ایک وقت دورانِ گفتگو کہا تھا کہ
"اقبال میرا روحانی سہارا تھا"

عبداللطیف
۲ نومبر ۱۹۹۹ء
الثریا کمپاؤنڈ - بھیونڈی

محترمی و مکرمی بشیر بھائی

سلام مسنون۔ آپ کا عطا کردہ مختصر کتابچہ "آؤ اقبال سے ملیں" تصنیف کردہ محترمہ صالحہ الطاف صاحبہ کا مطالعہ کیا۔ حالانکہ یہ کتابچہ کم عمر ناظرین کے لئے لکھا گیا لیکن یقین کیجیے کہ مجھ جیسے فرد جو تیس سال سے زیادہ مغرب میں رہا ہو جس نے سوائے اپنی حیدرآباد میٹرک (۱۹۵۱ء) کی اردو ٹکسٹ بک میں چند نظم پڑھی ہوں کے لئے ایک نہایت ہی دلچسپ اور میری موجودہ کاوش کے لئے اپنے شاندار تابناک ماضی کے جھروکوں میں کچھ نگاہ ڈالوں، عین مطابق پایا۔
اس کتابچے میں محترمہ صالحہ الطاف صاحبہ نے نہایت ہی سلیس طریق میں علامہ اقبال کے کلام میں جو بالخصوص نوجوانانِ ہند و پاکستان سے خطاب تھا تمہید کے ساتھ ساتھ، علامہ کے حالاتِ زندگی پیدائش طالب علمی، پیرانہ سالی اور موت غرضیکہ ہر موڑ پر ناظر کی توجہ مرکوز کی

آپ کو تعجب ہو گا کہ میری اقبالیات نما پر اِس قدر دلچسپی بڑھی کہ الحمدللہ
اپنی ذاتی لائبریری کے لئے تمام دستیاب جات (جو بالخصوص اقبال اکیڈمی
ہند و پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں) کا آرڈر دے چکا ہوں تاکہ
انشاءاللہ بوا پسی امریکہ میں اپنے ریٹائرمنٹ کے قیمتی لمحوں میں اُن
سے مستفید ہو سکوں۔ میرے خیال میں یہ نہایت مناسب ہو گا کہ
"آؤ اقبال سے ملیں" کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ مغربی ممالک
میں رہنے والے مسلمان بچوں (جو اُردو سے ناخواندہ ہوں) کے لئے
موزوں ہو سکے۔

کتابچہ میں علامہ اقبال کا آخری سفر نہایت موثر پایا۔ علامہ
کی آخری وقت تک حاضر دماغی اور اُن کے بڑے بھائی کا ذاتی مشاہدہ
کہ علامہ کا چہرہ پُر تبسم تھا نہایت ہی موثر تحریر کی نشاندہی کرتا ہے۔
کتابچہ کا سرورق نہایت خوبصورت اور علامہ اقبال کی واضح
تصویر اور شاہین کا سمبل کتابچے کے GETUP کو دوبالا کرتا ہے
ماشاءاللہ - ۸ صفحات میں اقبالیات کے تمام شعبۂ زندگی پر مختصر مگر
سیر حاصل گفتگو کی تکمیل، محترمہ صالحہ الطاف کی پُر اثر تحریر کی
نشاندہی کرتی ہے۔ اقبال اکیڈمی۔ حیدرآباد نے جو کمپیوٹر
کمپوزنگ کے ساتھ نہایت ہی عمدہ کتابت اور کاغذ کے ساتھ اشاعت
کی قابلِ تحسین ہے)

چونکہ یہ کتاب نہایت ہی ممتاز و متوازن تحریر ہے مناسب ہوتا کہ
محترم الطاف صاحب اقبالیات کے موضوع پر حالیہ چھپے جانے والے
کتابچوں کو بالخصوص پاکستان کے اقبال اکیڈمی کی توسط سے شائع کی جانے
والی مطبوعات کا تفصیلی ذکر کرتے۔ واقفیت بڑھانے کے لئے اور
سعودیہ کے علاوہ اقبال کے متعلق تحریروں و تقریروں کا ذکر بھی
اقبال کی اسلام پسندی کو دوبالا کرتا۔

آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ ان شاء اللہ امریکہ میں
HARVARD یونیورسٹی اور غالباً UCLA کیلیفورنیا میں اقبالیات پر
ایک (PROFESSORSHIP (CHAIR کی کوششیں جاری ہیں۔
ایک مرتبہ پھر میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے از راہِ مہربانی کتابچہ
سے متعارف کروایا۔ میری خواہش ہے کہ اس کتابچہ کو دوحہ میں بکثرت
تقسیم کیا جائے تاکہ اردو خواندہ طبقہ اس سے خاطر خواہ مستفید ہو سکے۔

فقط دعا گو

ڈاکٹر محمد عثمان خان
پی ایچ ڈی (لندن)

دوحہ قطر
۲۳ / اکتوبر [illegible]ء

صالحہ الطاف ایک تعارف

صالحہ الطاف کا تعلق سر زمین حیدرآباد سے ہے۔ ان کے والد جناب
محمد سعید علی گلبرگہ کے فارغ التحصیل، رنگ سیلو کے کامیاب تاجر اور صندلوں
کے مالک تھے۔ انھیں علم و ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ اعتماد صمدانی روزنامہ
"میزان" اور "آواز" کے مدیر جناب حبیب اللہ اوج، صالحہ الطاف کے چچا ہیں۔
اس طرح نکھرا اور ستھرا ذوق ورثے میں پایا۔

مدرسہ مفید الانام سے تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدا ہی سے اشعار یاد کرنا،
بیت بازی، ڈرامینگ اور ڈراموں میں حصہ لینا، محبوب مشاغل رہے۔
عزیزیہ اسکول نظام شاہی مارکٹ سے میٹرک کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد
ویمنس کالج کوٹھی کے شعبۂ سائنس میں داخلہ لیا۔ سال اول کے دوران ہی
سید الطاف حسین انجینئر انڈین ایر لائنس ان کے زندگی کے ساتھی بن گئے
جنھوں نے وسعت نظر سے تعلیم جاری رکھنے میں مدد دی۔

۱۹۶۱ء میں خواتین کے لئے ماہنامہ "خواتین دکن" جاری کیا جو بارہ
سال سے زائد عرصہ تک پابندی سے شائع ہوا لیکن جب انھیں جناب
سید الطاف حسین کے ساتھ دوحہ (قطر) جانا پڑا تو خاتون دکن کی اجرائی
ممکن نہ رہی۔ آخر میں بہ حیثیت ایڈمنسٹریٹر / ہیڈ مسٹریس خدمات انجام

دیں۔ ممالک عربیہ، فرانس، اٹلی، انگلستان اور امریکہ کا سفر کیا اور
سفرنامے لکھے، اس کے علاوہ کئی خاکے، ڈرامے، افسانے اور تبصرے لکھے
جو شائع بھی ہوئے اور بعض آل انڈیا ریڈیو سے نشر بھی ہوئے دوردرشن
کے پروگرام میں بھی حصہ لیا۔

صالحہ الطاف کو انجمن کی تحسین یونین ایوارڈ اور امیٹ
جرنلسٹ اور رائٹر کے ایوارڈ بھی حاصل کیے۔ ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں
میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ مطالعہ کی شوقین ہیں اور پیام اقبال سے دلچسپی
والدین سے ورثہ میں پائی۔

محمد ظہیر الدین احمد
نائب صدر اقبال اکیڈیمی

آؤ اقبال سے ملیں

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کی نئی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" پیش کی جا رہی ہے اس کتاب کو محترمہ صالحہ الطاف نے ترتیب دیا ہے یہ کتاب بچوں اور نوجوانوں کو اقبال کی زندگی اور ان کے پیام سے واقف کروانے کے لئے لکھی گئی ہے محترمہ صالحہ الطاف نہ صرف نکھرا اور ستھرا ادبی ذوق رکھتی ہیں بلکہ بچپن سے انھیں کلامِ اقبال سے بے حد دلچسپی رہی ہے۔

یوں تو اقبال پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور خود اکیڈیمی کی جانب سے اب تک کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کا مطالعہ نئی نسل کے لئے دشوار ہے اس لئے یہ کتاب ایک ایسی ضرورت کی تکمیل ہے جو عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کے حالاتِ زندگی، ان کے خاندان، والدین اور اساتذہ وغیرہ کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے تاکہ بچوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اقبال کیسے اقبال بنے؟ ان کے کردار کی تشکیل میں والدین کا کیا حصہ تھا؟ اساتذہ اور اقبال کے درمیان ربط کیا تھا؟ اس کتاب میں خود اقبال کی شخصی،

زندگی کی چند جھلکیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔ بچوں کے لئے جہاں چند نظموں
کا انتخاب کیا گیا ہے وہیں مشکل الفاظ کے معنی کے ساتھ آسان انداز
میں تشریح کی گئی ہے۔ ہندوستان کی آزادی میں اقبال کا حصہ یہ رہا
ہے کہ انھوں نے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی اور بیداری کی روح پھونکی۔ اس
پہلو کا مختصر جائزہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

اقبال اکیڈمی حیدرآباد اس کتاب کی ترتیب کے لئے [illegible]
کی ممنون ہے۔ امید ہے کہ بچوں اور نوجوانوں میں یہ کتاب مقبول ہوگی۔

آؤ اقبال سے ملیں

(تبصرہ)

اقبال اکیڈمی حیدرآباد نے صالحہ الطاف صاحبہ کی مؤلفہ و مرتبہ کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" شائع کر کے اس مستحسن سعی و کاوش کی یاد دلا دی جو فقید المثال امانتوں کی امین ہوتی ہے۔ اقبال کی فکر و نظر اور پیام شوق اور درس عمل پیرا اب تک اتنا کچھ اور اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے کہ کسی اضافے کی گنجائش نظر نہیں آتی لیکن حقیقت میں صورتحال یہ نہیں ہے نہ لکھنے والے تھکے ہیں اور نہ اقبال کا کلام ایسی تہی مایہ صراحی ہے جو اپنا آخری جرعہ بھی پلا کر فارغ ہو گئی ہے۔ سورج نہ پرانا ہوتا ہے اور نہ کبھی بوڑھا۔ یہی حال اقبال کے پیام کا ہے

صالحہ الطاف نے اقبال کی حیات اور شاعری پر جو کچھ لکھا ہے وہ سرودِ رفتہ کی صدائے بازگشت ضرور ہے مگر اس کی سعی میں جو خلوص ہے اور سادگی کا جو حسن ہے وہ اپنی ایک الگ

شناخت بنتا ہے اقبال کے فلسفیانہ افکار اُن کو بروئے کار لانے کا عزم جلیل و جمیل اس کے علاوہ فکر کی ہمہ گیری اور افادیت اہل فکر و قلم کے موضوعات رہے ہیں اور یہ تو اقبال کا خزانہ خالی ہوا ہے اور نہ ہی اس کے شیدائیوں پر تشنگی غالب آنے لگی ہے اور آئندہ قابل شکست محبت و عقیدت نے صالحہ اسطاف کے قلم کو رواں دواں رکھا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ اور یہ مرحلۂ شوق کبھی طے نہ ہو۔

آج اُردو ہر طرح کی بے اعتنائی کا ظلم سہہ رہی ہے۔ دورِ حاضر میں اُردو کے کئی ادیب، شاعر، افسانہ نگار اور معلم و مدرس اپنے بچوں کو انگریزی زبان کے میڈیم سے تعلیم دلوا رہے ہیں اور اپنے اس عمل پر فخر بھی کرتے ہیں خود اقرار نہ کہیں گے اردو میں شعر کہیں گے اُردو میں اور اردو کی حمایت اور تشہیر کے جلسوں میں تقریر کریں گے اُردو میں مگر اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں گے انگریزی میں۔ اور صرف اس لئے کہ یہ روزگار کی زبان ہے اور فخر و انبساط کا وسیلہ۔ یہ منافقت کا ایسا عمل ہے جس کو زمانہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس ماحول میں صالحہ اسطاف کی یہ کتاب ایک مشعل ہے جو گزرتے ہوئے اور گزرے ہوئے راستے کو روشن رکھتے ہوئے

آنے والی منزل کے اجالوں کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔

صالحہ الطاف نے کتاب کی تالیف کے ساتھ ساتھ اقبال کے اردو کلام کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا ہے اس عمل نے تالیف کی افادیت کو نہ صرف ثابت کر دیا ہے بلکہ اور زیادہ طاقتور بنا دیا ہے۔ کیوں کہ اقبال کی نظمیں زبان و بیان کے اعتبار سے اتنی سادہ مگر دل نشین اور سبق آموز ہیں کہ دامنِ مطالعہ سوچتا رہ جاتا ہے یہ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم والا شاعر ہے یا کوئی اور۔ درج ذیل اشعار کو پڑھیے اور غور کیجیے کیا یہ بانگِ درا اور ارمغانِ حجاز والا شاعر ہے

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے ☆ آتے ہیں جو کام دوسروں کے

(ہمدردی)

سرِ شام اک مرغِ نغمہ پیرا کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا

(ایک پرندہ اور جگنو)

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں ☆ کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(ایک پہاڑ اور گلہری)

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں زمانے میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندہ (ایک مکڑا اور مکھی)

میں صالحہ اطاف صاحبہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں

اسے پیش کیا ہے۔ صالحہ ادیتی نگاہ انتخاب عطا کی ہے۔ اس طرح اقبال کا پیغام نوجوانوں کے نام عنوان کے تحت جو اشعار مولفہ محترمہ نے منتخب کیئے ہیں ہر لحاظ سے موزوں ہیں اور صلاحیت تلاش کے گواہ۔ انداز بیان اور تشبیہوں اور استعاروں کے دروبست نے ایک فضا قائم کر دی ہے ایک ماحول پیدا کر دیا ہے یہ اقبال کی قدرت کلام کا اعجاز ہے اور صالحہ الطاف کے ذوقِ انتخاب کا ثبوت۔ اہم مقامات پر مشکل الفاظ کے معانی و مفاہیم کا التزام و اہتمام بیڑا بھاری کام ہے یہ تدریسی اندازِ تفہیم صالحہ الطاف کی محنت پیا شی اور دقتِ نظر کا گواہ ہے۔ مولفہ کے حسنِ انتخاب کی داد درج ذیل اشعار دے رہا ہے۔ ع

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے ؛ شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا ؛ جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

پوری کتاب پڑھ جائیے۔ کوئی نئی بات نہیں ملے گی مگر آپ پسیر نئی ترتیب اور نیا انداز ہے یہ کمال صالحہ الطاف کے ذوقِ انتخاب اور

خلوص کاوش کا ہے۔ اقبال کے اشعار وہی ہیں ان کے مطالب بھی
وہی ہیں مگر ان کا برموقع اور برمحل استعمال ہی ان کی افادیت کا
حق ادا کر سکتا ہے اور کر تا ہے۔ میں رخصت ہونے سے پہلے صالحہ
الطاف کی صحت و عاقبت کے لئے پورے خلوص و دیانت کے
ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کو ہر ممکن کرم سے نوازے۔

اختر الزمان ناصر ۱۶ ارمارچ ۲۰۰۰ء



اردو ادب کے سرمایہ میں بچوں اور نوجوانوں کے لئے بہت کم لکھا
گیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کے لئے جو ملک اور قوم کا
سرمایہ ہیں اچھا اور معیاری ادب تخلیق کرنا بہت ہی مشکل کام ہے
کیونکہ بچوں اور نوجوانوں کے لیے لکھتے ہوئے مصنف کو نہ صرف
ان کی ذہنی سطح اور معیار کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے بلکہ ایسی عام فہم
زبان کی بھی ضرورت ہوتی ہے جسے ان کے نازک اذہان فوراً ہی
قبول کر لیں۔ زیر نظر کتاب میں محترمہ صالحہ الطاف نے علامہ اقبال
کو نئی نسل سے متعارف کیا ہے اس میں علامہ اقبال کے خاندانی
حالات، گھریلو ماحول، بچپن، تعلیم و تربیت، ملازمتیں، احترام
والدین، والدہ، بھائی اور اساتذہ سے ان کے مراسم، طلباء اور
بچوں کے ساتھ ان کا محبت آمیز برتاؤ، زندگی کے چند ایک اہم

واقعات کا ذکر، شخصی زندگی کے کچھ پہلوؤں کی عکاسی، علالت و انتقال، شاعری کا آغاز اور تصانیف کی تفصیل وغیرہ اور بچوں کے لئے اقبال کی جو نظمیں ہیں ان میں سے کچھ شامل کر کے ان کی تشریح بھی کر دی گئی ہے "اقبال کا پیام نوجوان کے نام" "ہندوستان کی آزادی میں اقبال کا حصہ" یہ اس کے دو اہم باب ہیں مذکورہ تمام عنوانات کے تحت لکھتے ہوئے مصنفہ نے نہایت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ حساس اور دردمند دل رکھنے والی اس عظیم مگر سادہ شخصیت کو جس خوبصورتی سے متحرک پیکر میں ڈھال کر پیش کیا ہے وہ بچوں میں پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا کرنے کی ایک دلچسپ اور قابل تحسین کوشش ہے یہ اپنی نوعیت کی ایک عام فہم انداز کی کامیاب پیشکش ہے جو بچوں کے ادب میں ایک اہم اضافہ کہی جا سکتی ہے۔ قیمت بہت ہی کم ہے جو اس کو خرید کر محفوظ کرنے اور بچوں اور نوجوانوں کو تحفتاً دینے کی ترغیب دے گی۔ مواد تحقیقی انداز میں ترتیب دیا گیا ہے جو کمپیوٹر پر کمپوز شدہ ہے کتابت و طباعت نفیس، ٹائیٹل دیدہ زیب اور کاغذ عمدہ ہے۔ اقبال اکیڈمی نے اسے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے

ڈاکٹر اختر سلطانہ



صالحہ الطاف نے اپنی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" کا انتساب اپنے بچوں کے نام کیا ہے اور اس میں یہ بھی تحریر ہے "مجھے خوشی ہے کہ ان تینوں کی تربیت سرکارِ دو عالم کے بتلائے ہوئے راستے پر کرتے ہوئے میں نے انہیں کلامِ اقبال سے بھی روشناس کیا۔"

کتاب "آؤ اقبال سے ملیں"۔ صالحہ الطاف کی کتاب ہے جس میں انہوں نے اقبال کی زندگی کو موجودہ نسل کے لئے بڑے دلنشین پیرائے میں مستند ماخذوں سے لیکر یُوں پیش کیا ہے کہ اسے موتیوں کی لڑی بھی کہہ سکتے ہیں اور پھولوں کی مالا بھی ۔ آب و تاب سے مالا مال اور معطر۔ اقبال کے حالاتِ زندگی میں اقبال کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے حالات کے ساتھ ساتھ شخصی زندگی کے پہلو بھی اُجاگر کئے گئے ہیں ساتھ ہی ساتھ اقبال کے اساتذہ اور تصانیف کا بھی ذکر ہے (اقبال کی چند ایسی نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں جو نوخیز نسل کے لئے زندگی کی کٹھن راہوں پر چلنے کے لئے مناسب طریقوں کی رہنمائی کرتی ہیں نظموں کے ساتھ ساتھ ان کا آسان نثر میں خلاصہ اور مشکل الفاظ کے معنی افادیت کو اور بڑھا دیتے ہیں۔

اس کتاب کا آخری باب ہندوستان کی آزادی میں اقبال

کا حصہ" مصنفہ کی عصری حیثیت کو نمایاں کرتا ہے انہوں نے لکھا ہے "ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے اولین علمبردار دو ہی تھے۔

۱۴ اگست ۱۹۹۹ء بروز شنبہ میں محفل خواتین کے ادبی اجلاس و مشاعرہ میں شریک تھی۔ یہاں مجھے محترمہ صالحہ الطاف نے اپنی نئی تصنیف آؤ اقبال سے ملیں تحفتہً عنایت کی۔

کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" پاکر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ زمانۂ اسکول میں روزانہ اسمبلی میں اقبال کا ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" بڑے ہی جوش و خروش سے پڑھا کرتی تھی۔ اس طرح علامہ اقبال میرے بھی پسندیدہ اور محبوب شاعر بن گئے۔ اور آج مجھے انہیں پر لکھی گئی ایک اعلیٰ معلوماتی کتاب پر تبصرہ کا موقع ملا۔ صالحہ الطاف بھی اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہیں کہ انہیں بھی عالم ادب کے ایک عظیم اور عالی مرتبت انسان پر قلم اٹھانے اور اپنے تاثرات کے اظہار کرنے کا موقع ملا۔

تبصرہ شروع کرنے سے پہلے چند باتیں صالحہ الطاف کے بارے میں جو کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" کی خالق ہیں۔

چاہوں گی۔ حیدرآباد کی سرزمین نے دنیائے ادب کو کئی لافانی گوہر دیئے ہیں صالحہ الطاف بھی اُن خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں بارہ سال سے زیادہ ماہنامہ خاتون دکن کی بہ حیثیت مدیر اعلیٰ کے فرائض انجام دیتے ہوئے اندرا گاندھی نیشنل یونٹی ایوارڈ، بسٹ جرنلسٹ اور بیسٹ رائیٹر ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔ "آؤ اقبال سے ملیں" دانائے راز اقبال سے ملنے کی دعوت دے رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پیغام اقبال قوم کے نونہالوں اور نوجوانوں کے نام بہم پہنچا رہی ہیں۔

بارگاہِ ایزدی میں علامہ اقبال کی دُعا

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے ۔ میرا عشق میری نظر بخش دے

نائب صدر اقبال اکیڈیمی محمد ظہیر الدین صاحب کا لکھا مضمون "کچھ اس کتاب کے بارے میں" میں اُن کے اس خیال سے متفق ہوں کہ یہ کتاب نئی نسل کی ذہنی نشو و نما میں معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

اس کتاب میں سرورق کے علاوہ چار بہت ہی خوبصورت مرقعے شامل ہیں (سرورق کے مرقع میں اتنی دل آویزی ہے دیکھنے والے اقبال کی جمالیات میں کھو جاتے ہیں شاخِ شجر پر بیٹھا شاہین اُڑان کے لئے پر تولتا نظر آرہا ہے یہی بات

اقبال کی ذہنی بلند پروازی کی غمازی کرتی ہے۔)
اِس کتاب میں جناب سید خلیل اللہ حسینی مرحوم (بانی و صدر اقبال اکیڈیمی) کی تحریر سے لیا ہوا۔ اقتباس شامل ہے۔ وہ کہتے ہیں اقبال کی بانگ درا نے سوئے ہوئے قافلہ کو بیدار کیا۔ بال جبرئیل نے طاقت پرواز عطا کی اور ضرب کلیم نے استعماریت کو پاش پاش کیا اِس طرح خلیل صاحب نے اقبال کی صحیح تعریف کی۔ اقبال کی شاعری میں زندگی کے بھرپور آثار پائے جاتے ہیں۔ اقبال، انسانیت کے نقیب تھے۔ ہندوستان کی آزادی میں اقبال کی شاعری نے کلیدی کردار نبھایا ہے جو اپنی مثال آپ ہے
اِس کتاب میں مصنفہ نے مرقع چغتائی اقبال کی شاعری پر مبنی ایک نادر کتاب سے بہت متاثر نظر آتی ہیں اور اسی کے مرقعوں سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنی کتاب کے چار مرقع ترتیب دیئے ہیں۔
اِس کتاب میں اقبال کی پیدائش سے لیکر سفر آخر تک کے ہر چھوٹے بڑے واقعات و حالات پر روشنی ڈالی ہے جو لائق تحسین ہے
اپنے انتساب میں انھوں نے گلستانِ الطاف کے تین شگفتہ پھول سید اویس سرمد، ڈاکٹر نوشینہ، ڈاکٹر سمیرا، ایک پھول دو مہکتی کلیاں جن کی علمی ضیاء اور مہک سے خدا کی مخلوق فیض یاب ہو رہی ہے ایک طاقتِ علم، دوسرا صداقتِ قلم، تیسرا عملِ پیہم اِن کی کامیابی کے

اہم پہلو جس میں خوشحال زندگی کے راز پنہاں ہیں اس طرح کتاب کا ٹائٹل بہت خوبصورت کہا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا اہم مرقع جس میں قلم دوات، دوات پر کلام الٰہی کی پہلی وحی جس سے ہمارے نبی کریمؐ نے جبرئیل علیہ السلام سے پڑھنا سیکھا جہاں پر کلمۂ حق اور جلتی ہوئی شمع جو علم کی روشنی پھیلا رہی ہے بہت ہی متاثر کن ہے سیدھے نظر سے دل میں اتر جانے والا مرقع خدا اور بندے کے درمیان موت کا رابطِ مسلسل نہایت حرکیاتی اور زندگی کے پہلو لیے ہوئے ہے ان مرقعوں کے ذریعے یعنی ایک پیغام تحصیل علم کا پورے انسان کے لئے ہدایت اور علم کی شمع جب اقرا باسم سے روشن ہوئی تو کلمۂ حق کی روشنی نے سارے عالم کو وحدانیت کے نور سے معمور کر دیا۔) بقول شاعر مشرق علامہ اقبال ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ٭ اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

شہود دیکھے اگر دل کی نگہ سے ٭ جہاں روشن ہے نورِ لا الٰہ سے

مشرف شہر یار کاظمی (حیدرآباد)

٥

اقبال کی عظمت صرف ان کی شاعری کی بناء پر نہیں بلکہ وہ ایک مفکر، دانشور، فلسفی اور انجمن بالذات تھے ان کی ہر کتاب میں بچوں کے لئے گیت اور نظمیں موجود ہیں ان کو یکجا کر کے بچوں کے لئے

ذوق کا سامان محترمہ صالحہ الطاف صاحبہ نے تیار کیا۔ اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہیں۔

صالحہ الطاف نے اپنے "حرفِ آغاز" میں اس کتاب کے لکھنے کا مقصد و منشاء اس طرح ظاہر کیا۔ "اقبال کا شاہین زادہ سوہمارہ عزم، فاتحانہ کردار اور حرکت و عمل کا پیکر ہے تو جوانوں کے سامنے ان صفات کو پیش کرنے کی ضرورت ہے" اور سچ بھی یہی ہے کہ کردار کا یہ وصف نئی نسل میں ناپید ہے۔

اس ضمن میں ان کا انتساب لاجواب ہے جو انہوں نے اپنے تینوں بچوں کے نام کیا ہے۔

۱۔ سیدادلیس سرمد۔ یہ آواز میری زندگی اور میری طاقت ہے

۲۔ ڈاکٹر نوشینہ اریب۔ یہ میرے لیئے مسیحا ہے

۳۔ ڈاکٹر سمیرا اسماء۔ یہ میری تمنا کا حاصل ہے

کتاب چونکہ بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لیئے اس سے بہتر انتساب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔۔۔ "آؤ اقبال سے ملیں" نہایت عنوان خود ہی اس بات کا گواہ ہے کہ معصوم ذہنوں میں یہ پیکر ڈھل جائے اس کے علاوہ جو مرقعے انہوں نے پیش کیئے وہ بھی اپنی جگہ قابلِ تعریف ہیں۔ ہر مرقع دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔

استاد کی تعظیم اقبال کے لئے تعلیم تھی اس سے بڑھ کر کسی طالب علم

کے لیے اپنے استاد کے نقش نذر عقیدت اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوگوں نے ان سے جب سوال کیا کہ کیا میر حسن کی کوئی تصنیف ہے؟ تو ان کا جواب تھا۔
"میں خود ان کی تصنیف ہوں"۔
... کاش ہر طالب علم اپنے استاد کے لیے یہی جذبۂ احترام رکھے۔
صالحہ الطاف نے اقبال کا جائزہ لیتے ہوئے اختصار کے ساتھ بچوں کے لئے ادب تیار کیا۔ وہ مبارکباد کی مستحق ہیں صالحہ الطاف کی یہ کتاب نویں اور دسویں جماعت میں سرسری مطالعہ کی حیثیت سے شامل کی جائے تو یقیناً طلباء کے ذہنوں کو نئی جہت۔ نیا عزم، نیا حوصلہ مل سکتا ہے۔

فریدہ زین



اقبال اکیڈیمی حیدرآباد نے محترمہ صالحہ الطاف کی تصنیف "آؤ اقبال سے ملیں" شائع کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اس میں شک نہیں کہ اقبال پر ان کی زندگی سے آج تک لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی جو بدلے ہوئے حالات

میں نئی نسل کو اقبال سے متعارف اور ان کے کلام و پیام سے طلباء اور نوجوانوں کو باخبر کر سکے۔ محترمہ نے نہایت سلیس اور آسان زبان میں اقبال کے مختصر حالات زندگی اور ان کے خاندان اور ان کے اساتذہ کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے کلام و پیام کو نئی نسل تک دل نشین انداز میں پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

غلام یزدانی ایڈوکیٹ



محترمہ صالحہ اطاف صاحبہ کی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" آج کے اس دور میں ایک بڑا کارنامہ ہے جبکہ بدقسمتی سے لوگ اردو سے رفتہ رفتہ نابلد ہوتے جارہے ہیں جس کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے جو اردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا کلام الہامی ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ ان کے بیشتر اشعار قرآن حکیم کی تفسیر ہیں تو ہرگز مبالغہ آرائی نہیں ہوگی آج کے دور میں ضخیم کتابیں نہیں جاتیں اور غم روزگار سے فرصت بھی نہیں ملتی۔ ایسے میں ایک صاف ستھری، سلیس اردو میں جو عام فہم بھی ہے ایک بک لیٹ BOOKLET کی شکل دے کر محترمہ صالحہ اطاف نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے آج پھر ایکبار جبکہ نئی نسل اپنے بزرگوں کو بھولتی جا رہی ہے ایسے میں

یہ کتاب نوجوانوں اور بچوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی۔
نواب محمد اقبال علی خاں

○

اقبال برصغیر کا سب سے زیادہ قابلِ رحم شاعر ہے ہر مخالف اور متخالف مدرسۂ فکر نے اس کے اشعار کا استحصال کیا ہے۔ اپنے اپنے مقاصد اور مفادات حاصل کو آگے بڑھانے کی غرض سے۔ حد یہ ہے کہ جن سنگھ کے پلیٹ فارم سے بھی اقبال کے اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں۔ اس ساری ہنگامہ آرائی میں سب سے بڑا ظلم اقبال پر یہ ہوا کہ ان کی شخصیت اور شاعری بالکل دب کر رہ گئی۔ کوئی اسے وطن پرست ثابت کرنے کے درپے ہے تو کوئی اسے بانیٔ پاکستان بنانا چاہتا ہے اور اس طرح خوابِ کثرتِ تعبیر کے ہاتھوں آشفتہ تر ہوتا چلا جاتا ہے پھر اقبال کے فکر و فلسفہ پر ایسے ایسے مباحث اور مقالے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں جن کو سننے اور سمجھنے والوں میں ۶۵ اور ۷۰ کے پیٹے کے لوگ ہوتے ہیں پچاس سالہ نوجوان تک یہ مشکل نظر آتے ہیں صالحہ الطاف کی زیرِ نظر کتاب ایک خوشگوار تبدیلی کی طرف اشارہ کرتی ہے "آؤ اقبال سے ملیں" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اقبال کا سیدھا سادا سا تعارف ہے نوجوانوں کے لئے جس میں اقبال کا خاندانی پس منظر گھر کا ماحول، شاعر کی دل نواز شخصیت، پاکیزہ کردار، علالت اور انتقال

اور اساتذہ کے تذکرے کے ساتھ اس کی تصانیف اور شاعری پر بھی گفتگو کی گئی ہے آخر میں اقبال کی بچوں کے لئے پانچ نمائندہ نظمیں ہیں جن کی شرح بھی دے دی گئی ہے دو اہم باب اور ہیں ایک "اقبال کا پیام نوجوانوں کے نام" اور دوسرے جنگ آزادی میں اقبال کا حصہ صرف پانچ جز پر مشتمل اس کتاب میں ایک بھاری بھرکم تصنیف کا مواد موجود ہے۔ مصنفہ نے بڑی کفایتِ لفظی کے ساتھ اقبال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی ہیں جن میں اقبال کی جملہ (۱۴) تصانیف کا مختصر مگر جامع تعارف ملتا ہے۔ اقبال نے تین زبانوں (اردو، فارسی، انگریزی) کو اپنی وقیع تصانیف سے مالامال کیا ہے سوانحی اور تصنیفی و تاریخی مواد پر نظر کرتے ہوئے یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ اس کتاب کی حیثیت ایک "ریفرنس بک" جیسی ہو گئی ہے جس کا ہر اہلِ علم کی میز پر ہر وقت رکھا رہنا ضروری ہے۔

مصنفہ نے کتاب کی تصنیف و تدوین کے دوران غیر ضروری فلسفیانہ مباحث میں کہیں اُلجھنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے انتہائی خلوص مندی اور صدق دلی کے ساتھ اقبال کے متعلق نوعمروں اور نوجوانوں کے لئے جتنا مواد ممکن تھا مہیا کر دیا ہے۔ یہ واقعی ایک بنیادی کام ہے اس کو پڑھ کر نوجوانوں میں اقبال کو سمجھنے اور جاننے کی پیاس اور بھڑکے گی۔ حیدرآباد کا ایک اور ادارہ "انجمنِ اقبال" انہیں

خطوط پر کام کر رہا ہے۔ اقبال اکیڈیمی حیدر آباد (ناشرین) مبارکباد کی مستحق ہے کہ بہ دیر سہی لیکن صحیح خطوط پر ایک اہم کام سامنے آیا ہے کتاب کی افادیت اور گیٹ اپ میں اضافہ اس طرح اور بھی ہو گیا ہے کہ مصنف نے اپنے بنائے ہوئے چار خوبصورت مرقعے بھی اس میں شامل کر دیئے ہیں۔ سر ورق بھی بہت خوبصورت ہے طباعت، کتابت، کاغذ اور گیٹ اپ نہایت عمدہ ہے اس کے باوجود کتاب کی قیمت صرف پندرہ روپے تقریباً مفت کی تعریف میں آتی ہے۔

مضطر مجاز (روزنامہ "منصف")



اقبال کا نظریۂ حیات، شاعرانہ عظمت، ان کے فنکارانہ فن اور اقبال کی زندگی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اقبال ایک عظیم شاعر ہیں ان کا پیغام عالم گیر ہے اور ساری دنیا کے لوگ ان کے پیغام کے مخاطب ہیں۔ لیکن "آؤ اقبال سے ملیں" نئی نسل کو اقبال سے روشناس کرانے کے لئے لکھی گئی ہے اقبال کے فن و فکر اور پیغام کے کئی پہلو ہیں ان میں اقبال کی آہ سحر گاہی اور نورِ بصیرت کی تمنا۔ طالب علموں کے لئے ذہنی نشو نما، ادبی ذوق کی رہنمائی، نوجوانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے خبردار کرنا اور عمل کے لئے راغب کرنا۔ اس

کتاب کا اہم مقصد ہے۔

اس کتاب میں اقبال کا بچپن، ماں کا پیار، باپ کی شفقت، اقبال کا شوق تحصیل علم کے لئے شوق، تعلیم و تربیت، اقبال کے اساتذہ، اقبال خود بہ حیثیت استاد، اقبال کی شاعری، تصانیف، ہندوستان کی آزادی میں اقبال کا حصہ، بچوں کے لئے اقبال کی نظمیں، اقبال کا پیغام نوجوانوں کے نام شامل ہیں۔

"آؤ اقبال سے ملیں" طلبا کے لئے ایک شاعر کی زندگی اور اس کے ماحول کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

سلیس اور آسان زبان، انداز دل نشین نونہالوں کے ذہنی نشو و نما اور ان کے ادبی ذوق کی تکمیل کے لئے لائق مطالعہ ہے۔

صالحہ الطاف نے اس کتاب میں چار مرقع پیش کئے ہیں جو بہت ہی خوبصورت ہیں جو اقبال کے اشعار کو نظر میں رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے ؛ جہاں روشن ہے نور لاالہ سے

دعوت قلم۔ جس پر پہلی وحی، رجال، قرآن اور علم کی روشن شمع کو بہت اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا مرقع

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ ؛ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

آرٹسٹک طور پر مور اور بلبل کو مصوری کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح چار مرقع اس کتاب میں شامل ہیں ان تمام مرقعوں میں نوجوانوں کے لئے اقبال کے پیام کی عکاسی کی گئی ہے جس کے لئے صالحہ الطاف مبارکباد کی مستحق ہیں۔ ٹائیٹل کور بہت خوبصورت ہے۔ پرواز کے لئے پر تولتا ہوا شاہین اور ساتھ میں اقبال کی تصویر دل آویز انداز میں پیش کی گئی ہے۔

انتساب، نزاکت خیال لیے ہوئے ہے۔ پیش لفظ کچھ اس کتاب کے بارے میں "محمد ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی حیدرآباد نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ضرورت کی تکمیل ہے جو عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ایسے مدارس جن کا ذریعہ تعلیم اردو ہے لائبریریز، اساتذہ اور طلباء سے خواہش ہے کہ اس کتاب سے استفادہ کریں۔

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد لائقِ مبارکباد ہے جس نے ایک اچھی سی کتاب کی ترتیب کی۔ نفاست اور خوبصورتی سے چھاپی گئی ہے۔

ڈاکٹر صابرہ سعید

○

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کی مذکورہ کتاب اس لحاظ سے ایک اہم کتاب ہے کہ اس میں علامہ اقبال کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اقبال کا خاندان، گھر کا ماحول، شخصی زندگی کے چند پہلو اقبال کے اساتذہ، ان عنوانات کے تحت علامہ اقبال کی گھریلو اور ذاتی زندگی کے مختلف گوشے

قاری کے سامنے لائے گئے ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال جامہ زیب تھے لیکن تکلفانہ لباس پسند نہیں کرتے تھے کم خوراک اور مزاج میں بے حد سادگی تھی۔ علامہ اقبال کو قرآن شریف کی تلاوت اور نمازوں کی ادائیگی سے لگاؤ اور احترام تھا۔

اقبال کی علالت اور انتقال کے عنوان سے بڑے ہی متاثر کن انداز میں بتایا گیا ہے کہ علامہ کی موت نے کس طرح ان کے مداحوں کو غمزدہ کر دیا تھا۔ اقبال اکیڈیمی نے یہ کتاب نئی نسل کو مدنظر رکھتے ہوئے شائع کی ہے۔ کتاب کی چھپائی صاف ستھری ہے۔ درمیان میں کئی اسکیچ دیئے گئے ہیں

روزنامہ ہندوستان ممبئی

○

"آؤ اقبال سے ملیں" ایک ننھی منی خوبصورت کتاب اقبال اکیڈیمی کے زیر اہتمام صالحہ الطاف صاحبہ نے بچوں اور نوجوانوں کے لیئے ترتیب دی ہے۔

محمد ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈیمی نے "آؤ اقبال سے ملیں" کے بارے میں لکھا ہے:۔

"بچوں اور نوجوانوں کو اقبال کی زندگی اور ان کے پیام سے واقف کرانے کے لیئے لکھی گئی ہے۔"

علامہ اقبال اور اُن کی شاعری کا پچھلے کئی سالوں سے جائزہ
لیا جا رہا ہے اُن کی شاعری کا ہر باب فکر کے در وا کرتا ہے
اور نئی جہت عطا کرتا ہے۔ اقبال کی عظمت صرف اُن کی
شاعری کی بنا پر ہی نہیں بلکہ وہ ایک مفکر، دانشور، فلسفی اور
انجمن بالذات تھے جہاں بڑوں کے لئے اُن کے کلام میں عمیق فلسفہ
پوشیدہ ہے وہیں بچوں کے ذہن کی آبیاری کے لئے مکمل سامان
شاید اب تک بچوں کے لئے کہی گئی شاعری کو یکجا نہیں کیا گیا
بلکہ ان کی ہر کتاب میں بچوں کے لئے گیت اور نظمیں موجود ہیں
ان کو یکجا کر کے بچوں کے لئے ذوق کا سامان محترمہ صالحہ الطاف
صاحبہ نے تیار کیا ہے۔ اس کوشش میں وہ بڑی حد تک
کامیاب رہیں۔

چاند ہی ننھی کتاب میں بڑی آسان زبان اور سادہ انداز میں اقبال کے حالات زندگی، ان کے خاندان، والدین اور اساتذہ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے جس سے بچوں کو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اقبال کیسے اقبال متد بنے۔ ان کے کردار کی تشکیل میں والدین کا کیا حصہ رہا ہے؟ اقبال اور اساتذہ کے درمیان ربط کیسا تھا؟ اس کتاب میں اقبال کی شخصی زندگی کی چند جھلکیاں بڑے موثر انداز میں پیش کی گئی ہیں۔

کتاب میں دس مضامین ہیں جن کے ذریعہ بچوں کو اقبالیات سے اچھی طرح متعارف کروایا گیا ہے۔ کتاب ایک کوزہ ہے جس میں سمندر کو قید کر دیا گیا ہے یہ کوشش لائق تحسین ہے۔ کتاب اقبالیات میں اضافہ ہے اور ہر اسکول میں اس کی موجودگی ضروری ہے

تبصرہ نگار — م۔ ناگ

صالحہ الطاف نے اپنے حرفِ آغاز میں اس کتاب کے لکھنے کا مقصد و منشاء اس طرح ظاہر کیا ہے "اقبال کا شاہین زادہ مومنانہ عزم، فاتحانہ کردار اور حرکت و عمل کا پیکر ہے نوجوانوں کے سامنے اِن صفات کو پیش کرنے کی ضرورت ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ کردار کا یہ وصف نئی نسل میں ناپید ہے۔

اس ضمن میں اُن کا انتساب لاجواب ہے جو انہوں نے اپنے تینوں بچوں کے نام کیا ہے

۱۔ سید اویس سرمد ــــ یہ آواز میری زندگی اور میری طاقت ہے

۲۔ ڈاکٹر نوشابہ ارتیب ــــ یہ میرے لئے مسیحا ہے

۳۔ ڈاکٹر سمیرا اسماء ــــ یہ میری تمنا کا حاصل ہے

کتاب چونکہ بچوں کے لئے لکھی گئی اس لئے اس سے بہتر انتساب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

آؤ اقبال سے ملیں ــ تعارفانہ عنوان خود ہی اس بات کا گواہ ہے کہ محترمہ نے اقبال کی زندگی کے تمام پہلو سامنے رکھ دیئے ہیں اور اس سلیقے سے کہ معصوم ذہن میں یہ پیکر ڈھل جائے مضامین کی ترتیب بھی بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے خاص

کر اُن کی شخصی زندگی کے چند پہلو" اقبال کے اساتذہ" بچوں کے لئے اقبال کی نظمیں، اقبال کا پیام نوجوانوں کے نام، ہندوستان کی آزادی میں اقبال کا حصہ، علاوہ اس کے جو مرقعے انہوں نے پیش کئے وہ بھی اپنی جگہ قابلِ تعریف ہیں ہر مرقع دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔ ع
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ ۔ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

زندگی کے اہم ترین مقاصد کی تکمیل کے لئے یقینِ محکم، عمل پیہم کی ضرورت ہے رنگینیاں، خوش الحانیاں محض زندگی کا مطلب نہیں۔ اقبال کی شخصی زندگی کے پہلوؤں کو پیش کرتے ہوئے صالحہ الطاف نے بڑی فنکارانہ چابکدستی سے کام لیا ہے ایسے واقعات جو مکمل اثر انداز ہوں اپنی تحریر کی زینت بنائے ہیں خوش مزاجی، عاجزی انکساری اور دردمندی اقبال کی شخصیت کے وہ اہم پہلو ہیں جو انہیں عظمت کی طرف لے جاتے ہیں اس نکات کو پیش کرنے کے لئے صالحہ الطاف نے اچھی مثالیں دی ہیں۔

فی زمانہ نوجوانوں کے یہاں اخلاق کا فقدان ہے تحکمانہ لب و لہجہ، غیر ضروری نشہ دپندی کوٹ کوٹ کر بھری رکھی ہے صالحہ الطاف نے ان واقعات کا بیان بڑے پُر اثر انداز میں کیا ہے

جس میں بڑوں کی عزت و احترام، استاد کا ادب، ملازمین کے ساتھ برتاؤ، جانوروں اور پرندوں سے ان کی رحمدلی، بچوں سے شفقت ملاقاتیوں سے ادب و انکساری، گفتگو میں متانت و ذہانت یہ اقبال کی شخصیت کی وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے ان کو اقبال مند بنایا۔ ایسی اقبال مندی کی توقع ہم اپنی نوجوان نسل سے رکھتے ہیں۔ بچپن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے صالحہ الطاف نے بتایا کہ وہ کس طرح اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے تھے اور اپنی کتابوں کو اپنی ملکیت ظاہر کرنے کے لئے جو اصول انھوں نے اپنائے تھے آج کے طلباء اپنی ذمہ داریوں سے ناآشنا ہیں
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھکو ۔ سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
استاد کی تعظیم اقبال کے لئے تعلیم تھی اس سے بڑھ کر کسی طالب علم کے لئے اپنے استاد کے تئیں نذرِ عقیدت اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوگوں نے ان سے جب سوال کیا کہ کیا میر حسن (استاد) کی کوئی تصنیف ہے؟ تو ان کا جواب تھا
"میں خود ان کی تصنیف ہوں"

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھکو

صالحہ الطاف کی تحریر یقیناً قابلِ ستائش ہے کہ انھوں نے

آج کے طالب علم کے لئے بڑی دُور رس باتیں گوش گزار کی ہیں کاش ہر طالب علم اپنے اُستاد کے لئے یہی جذبۂ احترام رکھے۔

صالحہ الطاف نے ایک بڑی اہم بات کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی ہے وہ یہ کہ بچے کی تربیت میں والدین کا کیا حصہ ہوتا ہے۔ اقبال کی تربیت جس انداز سے ہوئی اسے دیکھ کر ہمیں آج اپنے معاشرے کی خامیوں کا احساس ضرور ہوتا ہے آج ہم اپنے بچوں کی تربیت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے بے شک اعلیٰ معیاری اسکولوں میں ان کی تعلیم مکمل ہو رہی ہے مگر تربیت ۔۔۔ یہ ایسا سوال ہے جس کے جواب میں ہمیں خود کو ٹٹولنا ہے شاید ذہنی انتشار، معاشی جد و جہد اور دیگر الجھنیں اس کا سبب ہوں مگر صحرائے زیست کی اس تپتی ریت میں ہمیں ٹھنڈے پانی کے چشموں کی یقیناً ضرورت ہے۔

صالحہ الطاف نے اقبال کے والد کی مشفقانہ نصیحتوں کا ذکر بڑے دل نشین انداز میں کیا ہے احکام الٰہی اور حب رسول کا سہارا لے کر بڑی سے بڑی بات کہہ دی۔ اقبال کا بچپن ان واعظانہ گفتگو کا عملی پیکر بنا۔ میر حسن جیسے مشفق استاد نے اس پیکر کو عقل و دانش کے رنگوں سے گلزار کر دیا۔ کیا عجب کہ اگر والدین اور استاد اپنے اس فرض کو جان لیں تو

یقیناً ایک اور اقبال دنیا کو ملے گا۔

صالحہ الطاف نے اقبال کے ان تمام لوگوں سے روابط کا ذکر بڑے سلیقے سے کیا ہے کردار کی تشکیل کے لئے اجزائے ضروری کو بڑی نکتہ دانی کے ساتھ انھوں نے پیش کیا۔ اصلاحِ معاشرے کے اہم پہلوؤں میں کردار سازی کی بڑی اہمیت ہے قرآن کی تعلیم جو ایک مسلمان کے لئے سرچشمۂ حیات ہے اسی کی کمی نے ہمیں مسخ کر کے رکھ دیا ہے اقبال کا کلام قرآن کی شاعرانہ تفسیر ہی ہے اس کا مطالعہ ذہن کے بند دریچوں کو کھولتا ہے۔

صالحہ الطاف نے اقبال کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اختصار کے ساتھ بچوں کے لئے ادب تیار کیا۔ وہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔ بچوں کے لئے لکھی گئی نظمیں بچے کی دعا سے لے کر طلوعِ اسلام تک کی ہر نظم مقصدیت سے بھرپور ہے۔ اقبال کی جذبۂ حب الوطنی کا ذکر انھوں نے اقبال اور جنگ آزادی کے عنوان میں کیا ہے۔ صالحہ الطاف کی یہ کتاب نویں اور دسویں جماعت میں سرسری مطالعے کی حیثیت سے شامل کی جائے تو یقیناً طلباء کے ذہنوں کو نئی جہت نیا عزم نیا حوصلہ مل سکتا ہے۔

اقبال انسانیت کے نقیب تھے۔ ان کی فکر میں توانائی تھی

ان کا پیغام آفاقی ہے وہ ساری انسانیت کے مسائل کی یکسوئی کی طرف توجہ دینا چاہتے تھے

صالحہ الطاف نے حرف آغاز میں اس بات پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے اقبال کی حیات اور شاعری کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے تاکہ اس عظیم شاعر کے خیالات کو نوجوان اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ بنا سکیں۔

اپنی اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں اور مبارکباد کی مستحق ہیں۔ کتاب کا ٹائیٹل دیدہ زیب ہے۔ ہم مستقبل میں صالحہ الطاف سے ایسے ہی اخلاقی و اصلاحی مضامین کی امید کرتے ہیں۔ اقبال کی نظم ''شعاع امید'' کے اس شعر کو صالحہ الطاف کے لئے رقم کرتی ہوئی رخصت چاہوں گی۔

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب

وہ یونہی اسی عزم کے ساتھ قلم چلاتی رہیں۔

☆☆☆

صالحہ الطاف کے انتقال کی خبریں، خطوط اور نظمیں

نامور ادیبہ، مدیرِ خاتون، محترمہ صالحہ الطاف (صالحہ آپا) کی رحلت کا سانحہ میرے لئے ایک ایسا سانحہ ہے جو زندگی کے آخری لمحوں تک مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا ہے میرا ایک ایسا ذاتی غم ہے جس نے سایہ کی طرح میرے وجود کو محصور کر رکھا ہے صالحہ الطاف میری منہ بولی بہن تھیں اور یہ رشتہ میرے لئے بہت عزیز تھا۔ وہ میری علمی و ادبی زندگی کی ایسی رہبر تھیں جن کا مشورہ میری علمی و ادبی مصروفیات میں ہمیشہ معاون رہا۔ جن کی رہنمائی جن کے بے پناہ خلوص کے تمام گوشے میرے ذہن و فکر کے لئے ٹھنڈی چھاؤں کی حیثیت رکھتے تھے۔ صالحہ آپا کے انتقال نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے اب صرف ان کی یادیں ہی میرے صبح و شام کا عظیم سرمایہ ہیں نہایت نیک سیرت صوم صلوٰۃ کی پابند برگزیدہ شخصیت کی آئینہ دار تھیں۔ خدا سے میری دعا ہے کہ مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے

صلاح الدین نیر (مدیر خوشبو کا سفر حیدرآباد)

▲ ممتاز ادیبہ و صحافی صالحہ الطاف کے فن اور شخصیت کو خراج پیش کرنے کے لئے جناب صلاح الدین نیر کی اطلاع کے بموجب ۲۱ اپریل کو ۳۰-۶ بجے شام

مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ میں زیر اہتمام ادارہ میراثِ شہر حیدرآباد کے لوگ
پروفیسر قادری بیگم سابق پرنسپل ویمنس کالج
(جامعہ عثمانیہ) کی صدارت میں تعزیتی اجلاس ہوگا۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد
ڈاکٹر علی احمد جلیلی ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، جناب ظہیر الدین احمد (اقبال اکیڈیمی)
پروفیسر حبیب ضیاء سابق صدر شعبۂ اردو ویمنس کالج (جامعہ عثمانیہ) اور
محترمہ عزیز النساء صبا، سکریٹری محفلِ خواتین مخاطب کریں گی جناب صلاح الدین
نیر تعارفی تقریر کریں گے۔ معتمد عمومی ادارہ جناب رئیس اختر ناظم ادبی اجلاس
ہوں گے اور معتمد ادارہ جناب مومن خان شوق معاون ہوں گے (ادارہ میراثِ شہر کے لوگ)
▲ گلشن ہال مسجد عالیہ گن فاونڈری پر منعقدہ ۱۱۴ ویں محفلِ اقبال شناسی
میں محترمہ صالحہ الطاف کے سانحۂ ارتحال پر مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی گئی
قرار داد تعزیت پیش کرتے ہوئے جناب محمد ظہیر الدین احمد نے کہا کہ محترمہ
صالحہ الطاف کی زندگی میں ان کے نام کی جھلک تھی وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ ایک
نیک سیرت خاتون کی حیثیت سے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئیں ادبی
اور علمی خدمات کے علاوہ ان کی زندگی کا اہم پہلو خود ان کے قول کے مطابق
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر اپنے بچوں کی تربیت
ہے انشاء اللہ اقبال اکیڈیمی کی جانب سے "آؤ اقبال سے ملیں" کے اور
ایڈیشن کے علاوہ بچوں کے لئے قائد ملت بہادر یار جنگ پر ان کی تصنیف
کی عنقریب اشاعت عمل میں آئے گی۔

▲ اخبارات کے ذریعہ محترمہ صالحہ الطاف کے سانحۂ ارتحال کا علم ہوا وہ حیدرآباد کے نہایت شائستہ و معزز گھرانے کی پروردہ تھیں ۱۹۵۷ء سے مرحومہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی علمی، ادبی و تہذیبی مشاغل سے واقف رہا ہوں تقریباً ۱۲ سال سے زیادہ عرصہ تک ماہنامہ خاتون دکن کی مدیر رہیں۔ حال میں انہوں نے بچوں اور نوجوانوں کے لئے لکھی گئی کتاب "آؤ اقبال سے باتیں" بھیجوائی تھی یہ کتاب اُن کی جانب سے نئی نسل کے لئے ایک خوبصورت تحفہ ہے جو مرحومہ کی فنکارانہ صلاحیتوں اور اقبال سے عقیدت کی مظہر ہے ـــ ادب و تہذیب کی پاسدار خاتون کے اچانک اُٹھ جانے سے دلی صدمہ ہوا۔ خدا مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔

(وہاب عندلیب۔ گلبرگہ)

▲ برادرم جناب الطاف حسین صاحب

جناب ALS لطیف صاحب اور جناب ریاض الحق اور ضیاء الحق صاحب اور ان کے دیگر خاندان کے لوگوں سے میری زمانہ دراز سے گہری شناسائی ہے اور اس طرح آپ کا اور آپ کی اہلیہ محترمہ صالحہ الطاف صاحبہ کا بھی غائبانہ تعارف ہے ویسے جناب ریاض الحق صاحب کی دختر کی شادی میں آپ دونوں سے ملنے کا متمنی بھی تھا

کل جناب لطیف صاحب نے ایک دلخراش خبر سنائی۔ انتہائی صدمہ

پہنچا۔ انکی کتاب "آؤ اقبال سے ملیں" پڑھ کر چاہتا تھا کہ انہیں ضرور خط لکھوں گا۔ معلوم نہیں کیوں میں نے دیر کر دی۔ میرے رفیق دیرینہ جناب صلاح الدین نیر کو بھی میں نے کافی دن سے خط نہیں لکھا۔ خاص کر یہ جان کر کہ مرحومہ ان کی منہ بولی ہمشیرہ ہیں۔ انتہائی مسرت ہوئی تھی مگر غم اس بات کا ہے کہ مجھے آج یہ خط لکھنا پڑا ہے۔

بہن صالحہ الطاف صاحبہ کی رحلت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے آپ کے اور جناب صلاح الدین نیر صاحب اور آپ کے تمام خاندان کے افراد کے غم میں برابر کا شریک سمجھیئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین اور آپ کو صبر جمیل۔

مخلص

اصغر ویلوری۔ چینائی

▲ صالحہ الطاف کے سانحۂ ارتحال نے بیحد متاثر کیا۔ اللہ مغفرت نصیب کرے! بڑی خوش اخلاق، سلیم الطبع قلمکار تھیں مدبر اور مستقل مزاج۔ مشیت ایزدی میں کس کو دخل ہے۔

(آر۔ بانو سکنڈ لانسر حیدرآباد)

▲ یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا کہ آسمانِ شعروادب کا دمکتا سورج محترمہ صالحہ الطاف اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ آپ سے مخلص بھائی اور دیگر ورثاء کو رب العزت صبرِ جمیل اور مرحومہ

کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

ریحانہ بیگم — بیدر

۱۷؍اپریل ۲۰۰[illegible]ء

محترمہ صالحہ الطاف کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ علم و ادب کی دنیا کا ایک روشن ستارہ بجھ گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں رکھے۔ آمین

تشاد ارم (طالبہ بی اے)

بیدر کرناٹک ۱۷؍اپریل ۲۰۰[illegible]ء

آہ صالحہ الطاف

صالحہ الطاف یہ کیا ہوگیا ۔ یک بہ یک تم ہوگئیں ہم سے جُدا

ہمدمِ دیرینہ پیاری صالحہ ۔ ہم پہ ٹوٹا کوہِ غم کچھ ہے پتہ

تُم تو آسودہ ہو باغِ خلد میں ۔ ہم تمہارے ہجر میں ہیں غم زدہ

اہلِ دل شیریں زباں اہلِ ادب ۔ خوش خصال و مہرباں عالی نسب

صالحہ تم پر خُدا کی رحمتیں ۔ تُم سدا یاد آؤ گی شمعِ دکن

غم زدہ

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید
گرین ولیو شانتی نگر
۸ر اپریل ۲۰۰۰ء

عزیز النسا صبا

اپنی دوست صالحہ الطاف کی یاد میں

الطاف کی وہ آن تھی بچوں کی جان تھی
بہنوں کے حق میں بہن بھی تھی ماں کا مان تھی
پُر لطف میزبان تھی، مہمانِ خاص تھی
سچ تو یہ ہے کہ زینتِ بزمِ جہان تھی

○

حساس طبیعت کی تھی، عادت کی سخی تھی
حد درجہ مددگار تھی، حد درجہ غنی تھی
کردار کی اعلیٰ تھی، بڑی قول کی پکی
تھی لعلِ بدخشاں کہ وہ ہیرے کی کنی تھی

○

مخلص تھی، مربی تھی مددگار بہت تھی
با وضع تھی، قابل تھی، سمجھدار بہت تھی

نیکی کی پرستار تھی، اخلاص کی پابند
ہر حال میں وہ سچ کی طرفدار بہت تھی

○

راضی بہ رضا رہتی تھی مصروفِ ریاضت
خونِ رگِ غیرت کو بھی دیتی تھی حرارت
کرتی تھی نگہبانی وہ ہر شاخِ چمن کی
مائل بہ کرم رہتی تھی، یہ خاص تھی عادت

○

تھی صالحہ جو سب کی محبّت چلی گئی
روحِ نظر، خیال کی ندرت چلی گئی
اک شانِ بے نیازی سے یوں سب کو چھوڑ کر
آنکھوں میں اشک دے کے مسرت چلی گئی

○

یا الٰہی! مانگتے ہیں آپ سے ہم یہ دُعا
بخش دیجئے سب خطائیں مالکِ روزِ جزا
بہ طفیلِ ہادیٔ برحق محمد مصطفٰی
صالحہ کو جنت الفردوس میں دیجئے جگہ

●

مظفرالنساء ناز

•

میں کس سے تام پوچھوں روشنی کا
بھروسہ کب رہا ہے زندگی کا
کوئی بتلائے وہ دامن کہاں ہے
وہ ہمدم میری پلکوں کی نمی کا

•

تہذیبِ زندگانی کی تم پاسدار تھیں
تم وضع دار، چشم کرم باوقار تھیں
جاری ہر ایک رت میں تھی تابندگی کی رسم
تم آئینہ صفات تھیں، فصلِ بہار تھیں

•

روشنی کیوں بجھ گئی ہے صالحہ الطاف کی
پیاس کس کے تر زندگی ہے صالحہ الطاف کی
صالحہ [illegible] مکانی پر خدایا رحم کر
وہ رہے فردوس میں تیرے کرم کی ہو نظر

My dear Saleha Bhabi,

The enclosures are meant for you. I draw your attention to the note in Dr. Usman's letter and request your comments, which I may pass on to him. Please arrange to send with anyone travelling to Jeddah another 100 books. A draft for Rs1500. will follow.

Yours affectionately,

Basheer

4th November, 1999

My dear Bhaiju,

I hope and pray that this letter reaches you in your best health and spirits, as also Saleha Bhabi. Enclosed with this letter is copy of a letter addressed to me by a friend and a very distant relative, which is self-explanatory.

Dr. usman is a nephew of the late Mr. Aziz Khan, father-in-law of Brig. (R) Qasim. He did his P.hd. in Engineering from London where Maulana was his school-mate. Latter he moved to U.S.A. and settled there. Presently, he is employed by Q.G.P.C. on a power project. His wife is from Hyderabad dn.

By the Grace of Allah, I am enjoying good health and Eeman which are helping me cope with the heavy burden of debts. I am in a debt-trap from which I am desperatel trying to get out, lest if becomes a death-trap. Please pray that I am free soon.

With affectionate regards to both of you and love to your children and grand children.

Please accept my heartfelt congratulations on this long overdue publication and do continue your efforts to contribute your time and talents to the literature of Iqbal Academy. Recently, when his son Dr. Jawed and his wife visited Doha to deliver speeches on his father's contribution to the UMMA, I listened to him spell-bound. It would be worth inviting him to Hyderabad to address the Iqbal Academy. He is an authority on Iqbal and expounds his theories faithfully. He is also a judge of the Supreme Court of Pakistan.

With Kindest regards,

Yours affectionately,

K.S. Basheer Ahmed

Dt. : 21-8-99

My dear Saleha Bhabi,

It Was such a pleasure to receive and go through. **Ao Iqbal Mile** From the moment I started reading it, I was so engrossed in its narrative that I could not put down the book until I had finished it and even after doing so I kept going back to its passages repeatedly. The most touching of Iqbal's verses you have quoted are those which he wrote on his mother's demise. I could hardly withhold my tears.

The book has since been going round among many of my friends who have shown keen interest in it. Please, there fore, send me 100 copies of the book as soon as possible. I notice from the envelop that you have paid Rs. 91 for postage alone, while the actual cost of the book is shown as Rs. 15/- only. My cousin Mehtab is presently in Bangalore and will be returning to doha shortly, I shall appreciate if you could send the books with him to save postage. A bank draft for Rs. 1500/- is enclosed to cover the cost of the books.

I am fortunate to have the love of my aunties (Akhtar mummy, Didi and Azra Baji) who, to me, are very close to being my mothers and my Sabiha aunty who must be sharing the same place as my mummy are all very precious to me and I shall continue to seek reflections of my mummy in them.

Continues..

Your <u>only</u>,

son

Translation of "*Lab pe aati hai dua ban ke tammana meri*

- **A prayer comes to my lips turning into a cherished wish...**
- **Make my life like a candle, O' Lord**
- **With me in the world, let darkness disappear and with my glow, let a new dawn appear**
- **Let my presence be a grace for my nation just as a flower brings beauty to a garden**
- **In the image of a glowworm, give my life, O' Lord, a love for the light of knowledge**
- **O' Lord let my work be to defend the poor, to love the weak and the mourner**
- **From all evil, dear Allah, protect me and direct me on a path that's good for me**

Ameen

Started writing these thoughts while travelling from Hyderabad on 26th April 2000 to Geneva – not yet finished thinking and writing on 15th July 2000 when this incomplete piece is being given to Nayyar Uncle. .

of weakness/helplessness of not being able to do anything. I wish I can, following mummy's advise to me since I was a child, not let pappa be hurt. I can hear mummy's voice saying to me "*(pappa ko takleef mat hone do)*" "do not let pappa be hurt". Mummy, you did not tell me how to do it in these circumstances – I wish you did. How can I ? – I will try mummy.

Pappa is and has always been my inspiration. He is a great person of many qualities and strength. I can strive to be like him but will never be able to achieve what he did. He is a constant source of guidance to so many. Unfortunately, once again, I am at a loss for not being close to him to benefit from his unique, far reaching and futuristic guidance which so clearly manifests in his pure and genuine desire to see me and my family among the best now and in the future. I pray to Allah to let me and allow me to receive pappa's blessings and guidance and make me, Maryam, Suhaib and Usama be like what pappa wishes. In pappa's wishes and guidance, I know very well, is real happiness and success for all of us

I could write endlessly about you my mummy but I promised Nayyar Uncle that I would give him some of my thoughts. I sincerely thank Nayyar Uncle for his untiring efforts in publishing this book. I would also like to very humbly thank Zaheer Bhai of Iqbal Academy, Hyderabad for his help in publishing mummy's *Aao Iqbal Se Milo*. I have the highest regard for these two noble personalities and I will continue to seek the blessings of Allah swt for them.

know with certainty you are in a better place *(Jannat-ul-firdaus).*

I am fortunate and lucky to have been born to parents like you and pappa. Mummy. I know you will still be praying for me and you will be asking Allah swt to have mercy on me and to forgive me.

My Allah, please reward my mummy with the best You have and place her with the best. Give her your light *(noor).* Allah, please help me not to let any day of my life pass without me praying for my mummy - My Allah, you have to listen to me. I know I am selfish – yes I am – but it is for my mummy whom You made among the best and took her away. I beg You and plead You to accept my *dua.* My Allah, give me, Pappa, Asra and Asma the strength to cope with what You took from us and give us *sabr.* My Allah, please listen to all the duas of my mummy because in those *duas* there is everything that is good for all of us who are left behind. Allah, please let me meet my mummy soon.

I miss you very badly my mummy, even the smallest thought of you is so profoundly clear and real that it is sometimes hard to believe that you are not there. My heart hurts mummy. Sometimes I am even angry (I do not know with who) because you left me; you were taken away from me........

Spoke to pappa today (6 May, 2000). Find it extremely hard to imagine what he must be going through. Asra told me that his sugar level is high. Anything to do with pappa's and/or mummy's health makes me terribly worried and leaves in me a feeling

exemplary existence is being recognized now. You were supremely humble and perhaps because of that you never wanted to be recognized then. You touched so many people and so many hearts near and far. We can only hope and wish that if we can demonstrate even a small portion of your qualities, we would be lucky. It is unfortunate that my children were not able to witness, to a greater extent, your beautiful character. I will try and show it to them with a hope that you will help me from where you are.

I am left with some beautiful pictures of you. But these are only pictures. I have a feeling that you are around me and I can feel and sense you near me. This feeling is profoundly strong and deep.

I have your book *Aao Iqbal se Milo* (Come let's meet Iqbal) that you dedicated to the three of us. It is just beautiful. It has now become a treasure for me. It is almost like a miracle that reading urdu has suddenly become easy for me. I am able to read your book with very little difficulty. Earlier I had difficulty reading urdu. I was also able to, for the first time, read pappa's letter in urdu. To me, it is like opening of some brain cells that were closed until now.

Your passing away hurts very badly mummy. This inexplicable and unexplainable pain is perhaps one of the worst kind of pain. It hurts deep and is very sharp. It is compounded with a feeling of not being there with you. Being a *muslim* and being brought up by you helps to cope with this pain. I

you would read *Ayat-ul-kursi* for me. Now, what do I do?

I was not the ideal son. I had my share of weaknesses and shortcomings. As a child, I was stubborn and disobedient. I gave you, my dear mummy, a lot of trouble and for me you were a buffer between my weaknesses and Pappa's high expectations. I knew that by being the buffer, you had a very difficult, delicate and critical role to play. You did that with perfection and occasionally suffered the consequences quietly knowing that what you did was right. You were absolutely right mummy.

Children to mothers like you are never a burden and what you went through in giving us life, upbringing and your endless *duas*, we can never repay. However, according to Islam, we can become a source of continuing seekers of Allah's blessing for you *(Sawab-e-jaaria)*. I will do that as much as I can with my duas and deeds. I consider myself extremely fortunate to have been made the brother of Asra and Asma. They are also best examples of your untiring efforts, *duas* and love.

My mummy, you have been a quiet person all along. With dignity and calm you concealed pain, worry, anxiety and anger. Your relaxed and serene nature did not show the depth and breadth of your feelings. When you were happy, you only smiled – never laughed. You have been a perfect example of a controlled and a balanced person. Your advice was simple but far-reaching. Your remarks were always mild but meaningful.

Pappa today (29 April 2000) said that if a person of habits loses a small thing, he becomes restless and searches everywhere until that thing is found. With your passing away, he feels very restless and it must be a trying experience, as he cannot search your phyiscal being anywhere. It is unimaginable how it must be for him to live without you. The same applies to me and I am sure to Asra and Asma. Your loss has created a vacuum, a void, in our lives.

Whenever, I phoned you and asked you how you were, you always replied not with an answer but with a question and asked me how I was and Maryam and the children. Once I had told you that we were all well, only then, you would say how you were. This is how you loved and cared for us. Knowing that you were there and always praying for me, gave me a sense of total security in everything I did and I was almost sure that nothing serious could go wrong as I had your *duas*. Whenever I achieved something I could not enjoy it until I had told you. Whenever I traveled, I had to tell you before I left to feel safe and to know

I will be your *sawab-e-jaria* through my actions, deeds and *duas* for you, my mummy. You gave me life, you nourished me, gave me your time, you treated me with love and care, you gave me the best education that no school can ever give and, above all, you gave me your endless, unconditional and unrestricted *duas* at every juncture of my life. You bestowed on me your endless and unrestricted *duas* even when I caused you pain and made you angry. I am fortunate to have been able to show you, in a very small way through my achievements in life, the result of your *duas*. I am what I am today because of your *duas*.

I consider it my biggest misfortune that I had to leave and stay away from you for as long as I did. I will never be able to come to terms with my decision to be away from you. Although I tried to lessen that distance between us through frequent visits and telephone calls, it never satisfied my desire and the urge to be around you and to be able to look after you, to serve you and give you solace (*khidmat aur rahat*). As Iqbal had said, I became a small child in your presence and when talking to you. I sought your love, your *duas*, your happiness and your comfort. In doing so, I was satisfying my inner most desire to serve you. Mummy, you were my purpose, my *makhsad*. I needed you. I was selfish in that need. I did not allow anyone disturb that need and desire and protected you in my heart and kept you in the fibers of my being.

Mummy,

You left me forever.

My *Jannah*, under your feet, is no more.

Words cannot express the grief and sadness I have experienced. I was not prepared to accept that you will leave me. I had full confidence that you will recover and give me an extension of time to serve you, to continue to receive your endless *duas* and blessings, to allow Maryam, Suhaib and Usama to benefit from your love and your presence. Allah swt obviously had chosen a better place for you – in the highest and best paradise *Jannah – Jannat-ul-Firdaus*. He called you. He loves you more than us. He made *Jannatul Firdaus* for the likes of you my Mummy. Many merely wish and dream to be called the way He called you and the way you left us – a perfect example of a momin, a true resident of *Jannah* and an endless source of strength and enlightenment to those, near and dear, and to those left behind.

We will meet Mummy. I will come soon. Until I come, your thoughts, your memory, your advice, your *naseehat*, your ways, your patience (*sabr*) will serve as a beacon for me. I will follow closely your desires and will endeavor to do what you wanted me to do. What you wanted me to do you made me memorize (during my childhood) in the form of Iqbal's prayer "*Lab pe aati hai dua ban ke tammana meri*...........*".